رستوں کے سنگ راہی

نگہت عبداللہ

پیش لفظ

''رستوں کے سنگ'' راہی میرا پہلا منی ناول ہے جسے میں نے محمود بابر فیصل کے اصرار پر لکھا تھا۔ اس سے پہلے میں صرف افسانے لکھتی تھی۔ اور مجھے لکھتے ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس لیے میرا خیال تھا کہ میں ناول نہیں لکھ سکوں گی۔ لیکن جب لکھنا شروع کیا تو مجھے بہت اچھا لگا کیونکہ اسکے کردار فوراً مجھ سے دور نہیں ہو گئے تھے۔ کچھ مہینوں تک میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے تھے۔ اور جب میں نے اس کا اختتام کیا تو مجھے اچانک اپنا آپ خالی خالی سا لگنے لگا تھا۔ جیسے اب میرے پاس لکھنے کو کچھ ہی نہیں رہا۔ یہ کیفیت کچھ دن رہی ۔ اسکے بعد میں نئے کرداروں کے ساتھ نیا ناول لکھنے کو تیار ہو گئی اور یوں یہ سلسلہ چل نکلا۔ بہر حال یہ میرا پہلا ناول ہے اور اپ بھی اسے میرا پہلا ناول ہی سمجھ کر پڑھیے گا۔ یعنی اگر آپ کو اس میں کوئی کمی محسوس ہو تو پہلی غلطی سمجھ کر نظر انداز کر دیجیے گا۔

شکریہ

دعاؤں کی طالب

نگہت عبداللہ

وہ بیگ میں اپنی چیزیں رکھتے ہوئے جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی کہ بار بار رومیلہ کے پکارنے پر بھی وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئی جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ اس کے چہرے کی شادابی کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں اتری ملن رُت کو حیرت سے دیکھتی ہوئی رومیلہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''بخت آور۔۔ سچ سچ بتانا' تمہارے گاؤں میں کوئی رانجھا بھی ہے؟۔''

''کیا مطلب؟۔'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''وہی رانجھا جس سے ملنے کے تصور میں تم یوں کھوئی ہوئی ہو کہ میرے بار بار پکارنے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہیں۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟۔''

''اچھا چھوڑو' یہ بتاؤ تمہیں لینے کون آئے گا؟'' رومیلہ چڑ کر بولی۔

''ابا جی آئیں گے یا توصیف لالا۔ اور تم کیسے جاؤ گی؟۔''

''بائی ائیر (By Air)۔''

''نہیں۔ میرا مطلب ہے کون لینے آئے گا؟۔''

''یار۔ اب میں تمہاری طرح بخت آور تو ہوں نہیں کہ کوئی اپنا کام چھوڑ کر محض مجھے لینے چلا آئے۔'' بظاہر رومیلہ نے یہ بات مذاق میں کہی تھی لیکن بخت آور نے دیکھا' اس کے اندر کا درد انجانے ہی میں اس کی خوبصورت آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ اور وہ سدا کی نرم دل لڑکی اس کا ہاتھ تھپکتی ہوئی بڑے خلوص سے بولی۔

''رومیلہ۔ تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتیں؟ میرا گاؤں بھی دیکھ لینا اور میرے توصیف لالہ کی شادی بھی اٹینڈ کر لینا۔''

''تمہارے ساتھ چلوں۔؟'' وہ کچھ سوچتی ہوئی اسی سے پوچھنے لگی۔

''ہاں یقیناً۔تم وہاں بہت انجوائے کروگی۔ پھر رزلٹ آنے کے بعد دونوں ساتھ ہی واپس آ جائیں گے۔''

''رزلٹ پتا نہیں کب آئے۔اتنا عرصہ تم میری میزبانی کرسکوگی؟''۔

''تم کہو تو میں ساری حیاتی کی میزبانی تمہارے نام لکھ دوں۔'' وہ اس کا ہاتھ دبا کر اتنے پرجوش انداز سے بولی کہ رومیلہ اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

''ٹھیک ہے تم جب تک میرا بیگ تیار کرو۔ میں ڈیڈی کو فون کر آتی ہوں کہ اب کے میں ان کے پاس نہیں آرہی بلکہ کسی رانجھے یا مہینوال کی تلاش میں جارہی ہوں۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور اپنا بیگ بند کر کے جلدی جلدی اس کے بیگ میں کپڑے ٹھونسنے لگی۔ جیسے ہی رومیلہ فون کر کے واپس آئی' وہ اس کا بیگ بند کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو۔ایسا نہ ہو ابا جی گیٹ پر کھڑے انتظار کر رہے ہوں۔''

''نہیں' پہلے مجھے دیکھنے تو دو کہ تم نے میرے کون کون سے کپڑے رکھے ہیں۔'' وہ اپنا بیگ کھول کر دیکھنے لگی۔

''سب رکھ دیئے ہیں' اب جلدی چلو۔'' بخت آور جیسے ہی اس کے ہاتھ سے بیگ لینے لگی۔اس نے بیگ پیچھے گھسیٹ لیا۔

''دیکھنے دو مجھے۔'' وہ ایک ایک سوٹ نکال کر دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم سر اٹھا کر بولی۔

''میرا وہ سوٹ کہاں ہے جو پرسوں کینٹ سے خریدا تھا۔''

''وہ میں نے نہیں لیا۔''

''کیوں؟''

''وہ واپس آ کر پہن لینا۔وہاں گاؤں میں کچھ عجیب سا لگے گا۔''

''ارے واہ۔کتنا اچھا لگے گا۔جب میں وہ سوٹ پہن کر اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر اترا اترا کر چلوں گی۔ہوسکتا ہے کوئی رانجھا اس سوٹ کی وجہ سے ہی مجھ پر عاشق ہو جائے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے' وہ سوٹ تم سے اچھا ہے۔''

''خیال کیا' مجھے یقین ہے۔اب دیکھو نا' آج تک تو کوئی میرے اس چوکھٹے پر عاشق نہیں ہوا۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو رومیلہ' تم نے شاید اپنے آپ کو کبھی غور سے دیکھا نہیں۔ اتنی کیوٹ تو ہو۔''

''یہ تمہارا حسن نظر ہے میری جان ورنہ۔''

''خیر چھوڑو' اس بات کو۔ جو رکھنا ہو جلدی رکھ لو۔ پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔''

''تم جا کر دیکھو تو تمہارے ابا جی آئے بھی ہیں یا نہیں؟''

''ابا جی آ گئے ہوں گے۔ ویسے رومیلہ تمہاری ڈیڈی نے کیا کہا؟۔''

''کس بارے میں؟۔''

''جب تم نے میرے ساتھ چلنے کی بات کی۔''

''انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔''

''اچھا۔'' بخت آور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی پھر اس کے ہاتھ سے بیگ گھسیٹتی ہوئی بولی۔

''اب چلو۔''

''چلو۔۔اس سے پہلے کہ تمہارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے۔ واقعی چلو۔'' وہ ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ بخت آور نے ایک نظر پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر اسے باہر دھکیل کر دروازہ بند کرنے لگی۔ وارڈن کو چابی دے کر وہ دونوں نشتر میڈیکل کالج کی عمارت سے باہر نکل آئیں۔ گیٹ پر واقعی ابا جی کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ چادر کو پیشانی سے آگے کھینچتی ہوئی ان کے سینے سے جا لگی۔

''ابا جی۔آپ کیسے ہیں؟۔''

''ٹھیک ہاں' دھیئے' تو تاں بھلی چنگی ہیں ناں؟۔'' وہ رومیلہ کی موجودگی میں اردو بولنے کی کوشش میں بھی زیادہ تر سرائیکی بول گئے۔

''ابا جی۔۔یہ میری سہیلی ہے رومیلہ۔یہ بھی ہمارے ساتھ جائیگی ہمارے گھر۔''

''او جی بسم اللہ۔ضرور چلے پر اس نے اپنے گھر سے اجازت تو لے لی ہے نا؟۔''

''جی ابا جی۔اس نے گھر اطلاع کر دی ہے۔''

''ول ٹھیک اے (پھر ٹھیک ہے)۔چلو جلدی نئیں لاری نکل جائے گی۔'' وہ دونوں کے ہاتھ سے بیگ لیتے ہوئے بولے تو رومیلہ ذرا جھجک کر بولی۔

''ابا جی۔ یہ میں خود اٹھا لوں گی۔''

''نئیں بابا۔ دھیوں کے بوجھ تو ہم سر اکھوں پر اٹھاتے ہیں۔'' (نہیں بیٹا' بیٹیوں کے بوجھ تو ہم سر آنکھوں پر اٹھاتے ہیں۔)'' اس کے ساتھ ہی وہ دونوں کے بیگ لے کر آگے آگے چل پڑے۔

''بخت آور' یہ لاری کیا بلا ہے؟۔'' وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''لاری بس کو کہتے ہیں۔''

''مائی گاڈ۔ میں سمجھی کسی لڑکی کا ذکر کر رہے ہیں۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''اب خدا کے لیے اپنے سوال جواب روک دو۔ گھر چل کر باتیں کریں گے۔ لیکن وہ کہاں باز آنے والی تھی۔ بس میں بیٹھتے ہی پھر شروع ہو گئی۔

''بخت۔ تمہارے گاؤں میں پنگھٹ بھی ہے۔ میرا مطلب ہے کنواں؟۔''

وہ اثبات میں سر ہلا کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

''کیا لڑکیاں وہاں پانی بھرنے جاتی ہیں؟۔'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''ہاں۔''

''سنو۔ کبھی تم بھی بغل میں گاگر دبا کر پانی بھرنے گئی ہو۔''

''توبہ ہے رومیلہ' تم خاموش نہیں رہ سکتیں؟''۔ وہ اس کے سوالوں سے تنگ آ کر بولی۔

''کیوں' تمہیں جواب دینے میں تکلیف ہو رہی ہے؟۔''

''تکلیف کی بات نہیں ہے رومی' اگر تم مسلسل بولتی رہیں تو سب لوگ ادھر متوجہ ہو جائیں گے۔ اور پھر تم جا تو رہی ہی ہو۔ خود ہی دیکھ لینا کہ وہاں کیا کیا ہے؟۔''

''اچھا ہے نا سب لوگ ادھر متوجہ ہو جائیں گے۔ ذرا پوز ماریں گے۔''

''خبردار۔ ایسی کوئی حرکت کی اور ابا جی کو نظر پڑ گئی تو چلتی بس سے دھکا دے دیں گے۔''

''یار میں۔ مذاق کر رہی تھی' اب ایسی بدتمیز بھی نہیں ہوں۔'' بخت کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''یوں گھورو مت' اب کچھ نہیں بولوں گی۔'' پھر واقعی وہ راستے بھر کچھ نہیں بولی۔

ابا جی کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو بڑے سے آنگن میں اس کی ساری سہیلیاں پہلے سے موجود تھیں۔ وہ اماں اور توصیف لالہ سے مل کر باری باری ان سب سے ملنے لگی۔ وہ جس کے گلے لگتی وہ اس کے کان کے قریب منہ کر کے پوچھتی۔

''اے کون اے (یہ کون ہے)؟''

''یہ میری سہیلی رومیلہ ہے۔'' وہ رومیلہ کا ہاتھ پکڑ کر سب سے اس کا تعارف کرانے لگی۔

''رومیلہ۔ ان سے ملو' یہ فاطمہ ہے' یہ زینب ہے' یہ سکینہ' یہ شاداں' یہ بھاگ بھری' یہ اللہ وسائی اور یہ زینت۔'' پھر وہ زینت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے بولی۔ ''رومیلہ' یہ میرے توصیف لالا کی منگ بھی ہے۔''

اس کی اس بات پر زینت جس انداز سے شرمائی۔ رومیلہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاؤ سویٹ (How Sweet) بخت' کیا ہم اسی کی شادی اٹینڈ کریں گے؟۔''

''ہائے بخت آور۔ یہ تیری سہیلی کیسی باتیں کرتی ہے۔'' زینت بری طرح لجا گئی۔

''بھئی رومیلہ ایسی باتیں مت کرو۔'' بخت ہنستی ہوئی رومیلہ سے مخاطب ہوئی۔ ''ویسے تم ٹھیک سمجھی ہو۔ اور ہمارے ہاں منگنی ہوتے ہی منگیتر کیا' اس کے گھر والوں سے بھی پردہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن آج کیونکہ ہمیں آنا تھا اور اماں اکیلی ہیں اس لیے انہوں نے زینت کو بلا بھیجا ہوگا۔''

''اچھا۔ مجھے پسند آئی تمہاری بھابھی۔''

''شکریہ۔ میرا خیال ہے تم ان لوگون کے ساتھ بیٹھو۔ میں دیکھوں' اماں کیا کر رہی ہیں؟۔'' بخت اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود اماں کے پاس باورچی خانے میں چلی گئی۔

رات کے کھانے پر اماں نے اس کی ساری سہیلیوں کو روک لیا تھا۔ برآمدے میں چٹائی بچھا کر جب وہ سب کھانے کے لیے بیٹھیں تو اس وقت تک رومیلہ ان سب کے ساتھ کافی گھل مل گئی تھی۔ اسے اپنائیت بھرا یہ ماحول بہت اچھا لگ رہا تھا۔ گو کہ کھانا خالص دیہاتی طرز کا بنا ہوا تھا۔ جس میں سرسوں کا ساگ اور قدرے موٹی موٹی روٹیاں شامل تھیں۔ اس نے اس سے پہلے ایسا کھانا نہیں کھایا تھا لیکن اس وقت کھانے کے ساتھ جو گھر کے افراد کا خلوص شامل تھا' وہ اس سے نہ صرف متاثر ہو رہی تھی۔ بلکہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی کھا لیا تھا۔ کھانے کے بعد سب کافی دیر تک وہیں بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں۔ پھر جب سب کے گھر سے بلاوے آنے گئے

تو وہ اگلے دن آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔

''چلو بھئی رومیلہ، ہم بھی اپنے سونے کا انتظام کریں۔'' بخت آور اٹھتی ہوئی بولی تو رومیلہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

''اماں۔۔ہم کہاں سوئیں گے؟'' وہ وہیں سے اونچی آواز میں پوچھنے لگی۔

'پتر۔۔میں نے چھوٹے کمرے میں تم دونوں کا بستر لگا دیا ہے۔''

''لیکن مجھے تو ابھی نیند نہیں آ رہی۔''

''کیوں؟'' بخت آور کمرے کی طرف بڑھتے قدم روک کر پوچھنے لگی۔

''اتنا سارا کھانا جو کھالیا ہے۔''

''کوئی نہیں، ذرا ذرا سا تو چکھ رہی تھیں۔''

''پھر بھی، وہ ذرا ذرا سا بھی بہت ہو گیا۔''

''چائے پیو گی؟''

''ہاں، اگر بنانے میں تکلیف نہ ہو تب۔''

''تکلیف کیسی، چلو دونوں مل کر بنا لیتے ہیں۔''

دونوں باورچی خانے میں آ گئیں۔ چولہے میں سرد ہوتی راکھ میں کچھ انگارے دہک رہے تھے۔ بخت جلدی سے لکڑیاں رکھ کر پھونک مارنے لگی۔

''بخت آور پتر۔ وہاں کیا کر رہی ہے۔'' اماں وہیں سے پوچھتی ہوئی ان کے پاس آ گئیں۔

''اماں، چائے بناؤں گی۔''

''دھیے۔ مجھ سے کہا ہوتا، میں بنا دیتی۔ تو کہاں دھوئیں میں اپنی آنکھیں خراب کرے گی۔ ایک تو پہلے ہی اتنی دور سے تھکی ہوئی آئی ہے۔ چل ہٹ، میں بنا دوں گی۔''

''نہیں اماں، ہم بنا لیں گے۔ اور اماں، یہ سیف کب آئے گا؟'' وہ پانی کی پتیلی چولہے پر رکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''تو آ گئی ہے تو وہ بھی آ جائے گا۔''

''اچھا اماں، اب آپ آرام کریں جا کر۔ ہم چائے بنا کر، پی کر اپنے کمرے میں چلے جائیں گے۔''

''پتر۔ تیری سہیلی کیا کہے گی۔ تو نے اسے بھی دھوئیں میں بٹھا رکھا ہے۔''

''نہیں اماں۔ مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' رومیلہ جلدی سے بولی۔

''دھیے۔ شہر میں تو دھواں نہیں ہوتا ناں۔'' اماں اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھتی ہوئی کہنے لگیں۔

''آپ کو کیا پتا اماں، شہر میں اس سے زیادہ دھواں ہوتا ہے۔''

''پر میں نے تو سنا ہے وہاں لکڑیاں نہیں جلتیں۔''

''وہاں گھروں میں نہیں اماں، سڑکوں پر دھواں ہوتا ہے۔''

''ہاہائے۔ تو کیا سڑکوں پر لکڑیاں جلتی ہیں۔''

''لکڑیاں نہیں اماں۔ لڑکیاں جلتی ہیں۔'' رومیلہ شرارت سے بولی۔

''لڑکیاں۔'' اماں سینے پر ہاتھ رکھ کر دہل گئیں۔

''یہ اماں۔ یہ ایسے ہی مذاق کر رہی ہے۔'' بخت، رومیلہ کو گھورتی ہوئی بولی۔ پھر چائے کے مگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''چلو رومیلہ، چائے اندر چل کر پئیں گے اور اماں آپ بھی چل کر سو جائیں۔ سارا دن ہلکان ہوتی رہتی ہیں۔''

اماں دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتی ہوئی اندر کی طرف چلی گئیں تو وہ بھی اپنے مگ لے کر باورچی خانے میں سے باہر نکل آئیں۔

''بخت آور شہر میں رہ کر تجھے بھی چائے پینے کی عادت لگ گئی ہے۔''

''نہیں تو توصیف لالا، میں تو بس ایسے ہی۔'' پھر ذرا توقف سے بولی۔ ''آپ چائے پئیں گے۔''

''نہیں، میں نے اگر اس وقت چائے پی لی تو رات بھر جاگتا رہوں گا۔''

وہ رومیلہ کو اشارہ کر کے چپ چاپ اپنے کمرے میں کھسک آئی۔

''رومی، تمہیں بوریت تو نہیں محسوس ہو رہی۔'' بخت اپنی چارپائی پر بیٹھتی ہوئی اس سے پوچھنے لگی۔

''نہیں، بلکہ اگر سچ کہوں بخت آور تو اس اپنائیت بھرے ماحول میں مجھے کم مائیگی کا احساس ہونے لگا ہے۔''

''کم مائیگی کا احساس کیوں؟''

''یہ اتنی ڈھیر ساری محبتیں جنہوں نے تمہیں اتنی طمانیت بخش دی ہے تو ایسی طمانیت خدا نے شاید میرے نصیب میں لکھی ہی نہیں۔''

''کیوں' تمہارے ممی ڈیڈی۔''

''میرے ممی ڈیڈی۔'' وہ ہنس پڑی' تھوڑی سی تلخ ہوکر۔ ''بخت' تم نے کبھی سوچا کہ میں کراچی سے اتنی دور ملتان میں پڑھنے کیوں آئی ؟۔''

''نہیں۔''

وہ کچھ دیر رک کر خالی خالی نظروں سے بخت کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں احساس محرومی کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔

''تم کچھ کہہ رہی تھیں رومیلہ۔'' بخت کے پوچھنے پر وہ چونک گئی۔

''ہاں۔'' پھر ذرا توقف سے کہنے لگی۔'' پتا ہے بخت' جب میں جونیئر کیمبرج میں پڑھتی تھی ناں' اس وقت میری ممی نے ڈیڈی سے طلاق لے کر ان ہی کے بزنس پارٹنر سے شادی کر لی۔ اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے انہیں لحہ بھر بھی میرا خیال نہیں آیا۔ اور ڈیڈی' وہ بھلا کیوں تنہا رہتے۔ انہوں نے بھی فوراً دوسری شادی کر لی۔ عام طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ اولاد کے لیے دونوں فریقین لڑتے ہیں۔ ماں چاہتی ہے میرے پاس رہے اور باپ چاہتا ہے میرے پاس رہے۔ لیکن میرے ساتھ الٹا معاملہ ہوا۔ ڈیڈی مجھے ممی کے پاس بھیج دیتے اور ممی ڈیڈی کے پاس۔ آخر روز روز کے اس جھگڑے سے تنگ آ کر ڈیڈی نے مجھے ہوسٹل میں داخل کرا دیا اور پھر یقین کرو۔ دونوں نے کبھی پلٹ کر خبر نہ لی کہ میں کس حال میں ہوں۔

جب چھٹیاں ہوتیں تو سب بچوں کو کوئی نہ کوئی لینے آتا لیکن مجھے لینے کبھی کوئی نہیں آیا۔ ہمیشہ میری میڈم فون پر ڈیڈی کو یاد دلاتیں اور ڈیڈی ڈرائیور بھیج دیتے۔ میرا بہت دل چاہتا تھا کہ کبھی ممی اور ڈیڈی میں سے کوئی مجھے لینے آئے۔ اور میں دوسرے بچوں کی طرح بھاگتی ہوئی ان سے لپٹ جاؤں۔ یہ خواہش اتنی بڑھتی کہ میں گھنٹوں گیٹ کو تکا کرتی تھی اور جب کوئی گاڑی رکتی تو بے اختیار میرے قدم گیٹ کی طرف اٹھنے لگتے تھے۔ لیکن جب ممی' ڈیڈی کی جگہ کوئی اور گاڑی سے نکلتا تو میرے قدم رُک جاتے۔ بعض اوقات تو میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیتی تھی۔

ان حالات نے مجھے کمپلیکس کا شکار کر دیا تھا۔ اور میرا دل پڑھائی سے بھی اچاٹ ہوگیا۔

لاشعوری طور پر میں اپنا موازنہ دوسروں بچوں سے کرتی اور مجھے اپنا آپ بہت کمتر لگتا۔ اس احساس کمتری اور محرومی نے مجھے ہر چیز سے بیگانہ کر دیا اور میں بار بار فیل ہونے لگی۔ میرے اندر ڈھیر ساری محرومیاں اور مایوسیاں اتر گئی تھیں۔

کلاس روم میں ٹیچر کیا پڑھاتی ہیں' کیا کہتی ہیں' مجھے پتا نہیں ہوتا تھا۔ میں بس کاپی پر آڑھی ترچھی لکیریں بنایا کرتی تھی۔ ہوسکتا ہے میری ان حرکتوں کی وجہ سے کسی دن میرا اسکول سے نام کٹ جاتا کہ سسٹر جوزا جو میری کلاس ٹیچر بھی تھیں انہیں مجھ پر رحم آ گیا۔ اور وہ مجھ پر خاص توجہ دینے لگیں۔

ان کی محبت سے پہلے تو مجھے خوف آتا تھا۔ وہ مجھے پاس بلاتیں تو میں ڈر کر دور ہٹ جاتی۔ وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتیں تو میرے اندر ایک سرد سی لہر دوڑ جاتی۔ میں ایسے محبت بھرے لمس سے نا آشنا تھی۔ جب ہی خوفزدہ ہو جاتی تھیں۔ سسٹر جوزا شاید میری کیفیت سمجھ گئی تھیں۔ اس لیے وہ بہت آہستہ آہستہ مجھے اپنی طرف راغب کرنے لگیں۔

اور میں زیادہ دیر تک ان سے دور نہ رہ سکی۔ میرے ذہن میں اپنے حالات کے خلاف جو ایک بغاوت اور نفرت پرورش پانے لگی تھی اسے سسٹر جوزا نے بالکل غیر محسوس طریقے سے اس طرح مٹایا کہ مجھے احساس تک نہ ہوا۔ یہ ان ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ میں ہزار چاہنے کے باوجود اپنے ممی ڈیڈی سے نفرت نہ کر سکی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ میں ان کے پاس جانے سے کترانے لگی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بس ہر وقت سسٹر جوزا کے پاس رہوں۔ طویل چھٹیوں کے علاوہ میں کبھی ویک اینڈ پر گھر نہیں گئی تھی۔ پھر میرے ویک اینڈ سسٹر جوزا کے ساتھ گزرنے لگے۔ وہ بڑی مہربان خاتون تھیں۔

اور میری ممی ڈیڈی۔ اب بھی دونوں اپنے اپنے حال میں مست ہیں اور میر خیال ہے کبھی بھول کر بھی میرے بارے میں نہ سوچتے ہوں گے۔ اور ان سے اتنی دور آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ میں ان کے پاس جانا نہیں چاہتی۔ حالانکہ میں ان سے نفرت نہیں کرتی۔ پھر بھی پتا نہیں کیوں ان کے پاس جانا نہیں چاہتی۔ ان کے پاس جانے کا سوچ کر مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔ شاید میرے اندر کہیں اب بھی یہ خوف موجود ہے کہ ایسا نہ ہو' ڈیڈی مجھے ممی کی طرف دھکیل دیں اور ممی ڈیڈی کی طرف اور اس دھکم پیل میں' میں درمیان ہی میں کہیں کھو جاؤں۔ حالانکہ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں سچ مچ کہیں کھو جاؤں۔ کسی ایسی جگہ جہاں سے کوئی مجھے

ڈھونڈھ نہ پائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ میں کھو جانا بھی چاہتی ہوں اور کھو جانے سے بھی ڈرتی ہوں۔'' وہ کچھ دیر رک کر جانے کیا سوچنے لگی تھی۔ بخت چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ایک طویل سانس لے کر وہ بولی۔

''بخت! اس وقت تمہیں حیرت ہو رہی تھی ناں' جب میں نے تم سے کہا تھا کہ ڈیڈی نے مجھے تمہارے ساتھ جانے کی بخوشی اجازت دے دی ہے۔''

''بخت! کچھ نہیں بولی۔ بس ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''وہ تو چاہتے ہی یہی ہیں۔ کہ میں ان کے پاس نہ جاؤں' ممی کے پاس جاؤں اور ممی چاہتی ہیں کہ میں ڈیڈی کے پاس چلی جاؤں۔ حالانکہ میں ان سے کبھی گلہ نہیں کرتی۔ پھر بھی پتا نہیں کیوں' وہ دونوں میرے وجود کو برداشت نہیں کر پاتے۔ ہر ماہ ایک کثیر رقم میرے اکاؤنٹ میں ڈال کر ڈیڈی سمجھتے ہیں انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ مجھے ان کی رقم کی نہیں فقط ایک دست شفقت کی ضرورت ہے۔

مجھے یہ اعتراف بھی کر لینے دو بخت آور کہ تمہارے چہرے پر طمانیت بھرا احساس دیکھ کر میں حیران ہونے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی جیلس بھی ہو جاتی ہوں۔ سوچتی تھی کہ آخر تم اتنی مطمئن کیوں رہتی ہو۔ اب یہاں آ کر مجھے پتا چلا ہے کہ تمہارے چہرے پر پھیلی طمانیت' اتنی ڈھیر ساری محبتوں کی مرہون منت ہے' ہے ناں؟'' وہ جو درمیان میں کہیں تلخ اور کہیں دُکھی ہو گئی تھی' اب نارمل ہو کر اس سے پوچھ رہی تھی۔

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو رومی' یہ محبتیں بڑا اطمینان دیتی ہیں۔ ان محبتوں کے بغیر تو میں کبھی جی ہی نہ پاؤں گی۔ اور تمہارے ممی ڈیڈی نے جو کچھ کیا وہ ان کا ذاتی فعل سہی' پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گی کہ انہیں تمہاری ذات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے تھا' مجھے بہت دکھ ہوا تمہارے حالات سن کر۔'' وہ تلخی سے مسکرا دی۔

''ویسے رومیلہ' مجھے حیرت ہے' پچھلے ایک سال سے ہم دونوں اکٹھے ہاسٹل میں رہ رہے ہیں' تم نے پہلے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا۔''

''میں نے اپنا آپ کبھی کسی پر عیاں نہیں کیا' بخت آور! آج شاید تمہارے گھر والوں نے۔ اپنی محبتیں میری جھولی میں ڈال کر ایک تھوڑا سا احساس طمانیت مجھے بھی بخش دیا ہے۔ جس سے میری محرومیاں یوں سر عام آ گئی ہیں۔ خیر چھوڑو' یہ بتاؤ صبح کا کیا پروگرام ہے۔ تمہارے

ہاں باہر نکلنے پر پابندی تو نہیں؟'' اس نے فوراً موضوع بدل دیا۔

''نہیں پابندی تو نہیں' صبح میری ہجولیاں آئیں گی تو مل کر چلیں گے۔''

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی بخت' تم میڈیکل میں پہنچ گئیں لیکن تمہاری ہجولیاں۔' کیا ان کے ہاں پڑھنے پڑھانے کا رواج نہیں ہے۔'' وہ تکیے پر کہنی ٹکا کر نیم دراز ہوتی ہوئی بولی۔

''ایک تو رواج بھی نہیں ہے' دوسرے یہاں پر اسکول نہیں ہے' لڑکیوں کا بس ایک ہی اسکول ہے جو صرف پرائمری تک ہے اور لڑکوں کے لیے مڈل تک۔ اگر میٹرک بھی کرنا چاہیں تو شہر کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ تعلیم کا کوئی معقول انتظام ہوتا تو ہو سکتا ہے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ہی لڑکیاں پڑھ جاتیں لیکن اسکول نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی کو شوق ہوتا بھی ہے تو پرائمری کے بعد گھر بیٹھ جاتی ہے۔''

''تو ان حالات میں تم نے کیسے یہ مراحل طے کر لیے؟''

''میں نے؟'' بخت آور کچھ دیر خاموش ہو گئی پھر طویل سانس لیتی ہوئی کہنے لگی۔ ''مجھے ایک حادثے نے اس مقام تک پہنچایا ہے۔''

''کیسا حادثہ؟''

''یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں پرائمری میں پڑھتی تھی اور میرا بھائی سیف ساتویں میں تھا۔ مجھے دوسری لڑکیوں کی طرح پڑھنے کا کوئی خاص شوق بھی نہیں تھا۔ میرے ذہن میں یہ ہی بات تھی کہ پرائمری کے بعد گھر بیٹھ جانا ہے۔ ان ہی دنوں میری آپا جو توصیف لالا سے کچھ بڑی تھیں' وہ بیمار رہنے لگیں۔ ابا جی نے گاؤں کے حکیم سے ان کا بہت علاج کرایا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی...... آپا کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی۔ پتا نہیں میری اتنی اچھی آپا کو کیا ہو گیا تھا۔ کہ وہ دنوں میں ہی برسوں کی مریض لگنے لگی تھیں۔ ان کی سرخ و سفید رنگت زرد ہو کر سیاہ پڑ گئی تھی اور صحت مند جسم ایک مہینے میں ہی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔ آخر حکیم صاحب نے ابا جی سے کہا کہ وہ آپا کو شہر کے کسی اسپتال لے جائیں اور ان دنوں ابا جی کی مالی حیثیت ایسی نہ تھی کہ وہ آپا کا شہر جا کر علاج کرواتے اور پھر یہ یقین بھی نہ تھا کہ آپا شہر جا کر ٹھیک بھی ہو جائیں گی یا نہیں۔ مجبوراً حکیم صاحب کی طرف سے مایوس ہو کر اماں نے پیروں فقیروں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

مجھے یاد ہے آخر میں آپا بستر سے لگ کر رہ گئی تھیں وہ جو ہمارے کام بھاگ بھاگ کر کیا کرتی تھیں' اب کروٹ بدلنے کے لیے بھی ہماری محتاج ہو گئیں۔ میں گھنٹوں ان کے پاس بیٹھی ان کی ویران آنکھوں میں دیکھتی ہوئی اللہ میاں سے دعا کرتی کہ وہ میری آپا کو پھر سے پہلے جیسا کر دے لیکن میری ساری دعائیں آسمان تک پہنچنے سے پہلے ہی میری آپا وہاں جا پہنچیں۔ اماں اور ابا کو ان کی جواں مرگی نے نڈھال کر دیا تھا اور توصیف لالا دیواروں سے سر ٹکرایا کرتے تھے۔

میں اور سیف اس وقت چھوٹے تھے لیکن ایسا لگتا تھا جیسے ہم سے ہماری پناہ گاہ چھن گئی ہو۔ ہمارے معصوم ذہنوں سے ایک ہی خیال چمٹ کر رہ گیا تھا کہ ہماری آپا کو اچھی دوا نہیں ملی' اس لیے وہ ہم سے دور چلی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم عہد کرتے کہ بڑے ہو کر ہم ایسی دوا خود بنائیں گے جس سے ہماری آپا پھر ہمارے پاس چلی آئیں اور آپا کو واپس لانے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ ہماری ساری دلچسپیاں خود بخود کہیں پس منظر میں چلی گئیں۔ اور ہمارے ہاتھوں میں صرف کتابیں رہ گئیں۔ حالانکہ کبھی کبھی ہمیں بہت مشکل مراحل سے گزرنا پڑا لیکن ہم نے ہمت نہ ہاری کیونکہ ہمیں اپنی آپا کو واپس جو لانا تھا۔ پھر ہم ہمت کیسے ہارتے بھلا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''بخت پلیز یوں مت روؤ۔'' رومیلا اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

''کیا یہ رونے کی بات نہیں رومی کہ میں ایسی کوئی دوا نہیں بنا سکتی جس سے اپنی آپا کو واپس لا سکوں۔''

''لیکن تم ایسی دوا تو بنا سکتی ہو جس سے اپنی آپا جیسی دوسری لڑکیوں کو وہاں جانے سے روک سکو۔''

''ہاں' یہی ایک بات تو مجھے حوصلہ دیتی ہے۔''

''تو پھر یوں رو کر اپنے حوصلے پست مت کرو۔''

وہ جلدی سے آنسو پونچھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جا کہاں رہی ہو؟'' رومیلہ اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''اماں نے ہمارے لیے دودھ رکھا تھا' وہ لے آؤں۔ اگر بغیر پیئے سو گئے تو صبح اماں ناراض ہوں گی۔'' رومیلہ نے محسوس کیا وہ ایک دم موضوع بدل کر کمرے کے اندر چھائی اداسی

کو بڑی خوبصورتی سے دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کوشش میں رومیلہ نے اس کا ساتھ دینے میں دیر نہیں کی۔

''میرے لیے دودھ میں پانی ملا دینا۔ خالص دودھ مجھے ہضم نہیں ہوگا۔'' اور وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔



چوہدری ملک جمشید علی اس گاؤں میں ایک حکمران کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایسا رعب و دبدبہ تھا ان کا کہ انسان تو انسان کوئی پرندہ بھی ان کی مرضی کے بغیر پر نہیں مار سکتا تھا۔ ساٹھ سال کی عمر میں بھی سرخ و سفید رنگت اور قابل رشک صحت نے ان کو خاصا پر وقار بنا دیا تھا۔ ان کی دو ہی اولادیں تھیں۔ بڑا بیٹا ملک فیصل جو یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہو کر آج کل باہر جانے کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا اور چھوٹی بیٹی ندا جو انٹر میں پڑھتی تھی۔

چوہدری ملک جمشید علی کی شخصیت جتنی پر وقار تھی' اتنی ہی پر اسرار بھی تھی۔ انہیں نوادرات جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ بڑی حویلی سے ملحقہ چھوٹی حویلی تھی جس کا بڑا سا ہال کمرہ ان کے اس شوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ دنیا بھر سے جانے کتنی نادر اشیاء انہوں نے اس ہال کمرے میں لا سجائی تھیں اور اس چھوٹی حویلی میں آنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ کبھی کبھی تو چوہدری صاحب ہفتوں چھوٹی حویلی میں مقید ہو جاتے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ وہاں کیا کرتے ہیں۔ جب اپنی ہی قید سے باہر نکلتے تو ان پر عجیب جھنجلاہٹ سوار ہوتی اور ذرا ذرا سی بات پر بے چارے ملازموں اور مزارعوں کی شامت آ جاتی۔

گھر سے باہر وہ جتنے سخت دل تھے' گھر کے اندر اتنے ہی نرم۔ انہوں نے اپنی اولاد پر بے جا پابندیاں نہیں لگائی تھیں۔ ملک فیصل اور ندا نے اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا تھا' انہوں نے بخوشی اجازت دے دی تھی۔ ان دونوں کے معاملے میں وہ نرم ضرور تھے لیکن ان کو بھی اجازت نہ تھی کہ وہ چوہدری صاحب کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کریں۔

دونوں بہن بھائی ایک جیسی عادات کے مالک تھے۔ ملک فیصل اپنے باپ کے بالکل برعکس نرم دل' انصاف پسند اور غریب پرور تھا گو کہ چوہدری جمشید علی اس کی ان خوبیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے' پھر بھی کھلم کھلا ٹوکتے بھی نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا وقت کے ساتھ ساتھ جب اس پر ذمہ داریاں پڑیں گی تو وہ خود ہی اپنا آپ بدلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ وہ سمجھ

جائے کہ ان کمزوریوں کے ساتھ چوہدراہٹ قائم رکھنا کس قدر مشکل ہے۔ وہ اس کی خوبیوں کو کمزوریوں کا نام دیتے تھے۔

قیس سے ملک فیصل کی دوستی کالج کے زمانے سے چلی آ رہی تھی اور ابھی حال ہی میں دونوں یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تھے۔ ملک فیصل ایگریکلچر میں ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے کچھ ہی دنون بعد امریکہ جانے والا تھا' اس لیے وہ قیس کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ کہ یہ چند دن دونوں مل کر گزار لیں پھر پتا نہیں کب ملاقات ہو اور قیس بھی چونکہ آج کل فارغ تھا اور کچھ گاؤں کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا شوق اسے ملک فیصل کے ساتھ آنے پر مجبور کر گیا تھا۔

پہلے وہ دن تو وہ حویلی کی شان وشوکت' چوہدری ملک جمشید علی کا جاہ وجلال اور ملک فیصل کے ٹھاٹ باٹ دیکھتا رہا۔ تیسرے دن وہ ملک فیصل کے سر ہو گیا۔

''یار فیصل۔ مجھے اس حویلی سے باہر بھی نکالو''۔

''کیا مطلب؟ میں نے تمہیں قید تو نہیں کر رکھا۔''

''میں تمہارا گاؤں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور دیکھو۔''

عجیب آدمی ہو' میں کیسے دیکھوں' تم میرے ساتھ چلو گے تب ناں۔''

''گویا راستہ بھول جانے سے ڈرتے ہو؟'' ملک فیصل نے اس کا مذاق اڑایا۔

''راستہ کیسے بھول سکتا ہوں بھلا' کسی سے بھی تمہارے بارے میں پوچھوں گا تو آنکھ بند کر کے مجھے بتا دے گا۔ آخر کو چوہدری ہو اس گاؤں کے۔''

''ہاں' یہ تو ہے۔ پھر کس بات کا ڈر ہے؟''

''ڈر کسی بات کا نہیں' بس تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔''

''چلو' میں تمہیں کھیتوں کھلیانوں کی سیر کرا دوں۔ پیدل جانا پسند کرو گے یا ڈرائیور سے کہوں جیپ نکالے۔''

''نہیں یار' پیدل ہی چلیں گے۔''

پھر دونوں باتیں کرتے ہوئے حویلی سے باہر نکل آئے۔ سامنے دور تک بچھی ہوئی سرخ بجری کی روش بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

''یار قیس' میرا گاؤں ہے تو چھوٹا لیکن شہروں سے اچھا ہے۔''

''کیا اچھائی ہے اس میں؟'' قیس اسے چھیڑنے کی غرض سے کہنے لگا۔

''کیوں' یہ صاف ستھرا ماحول' یہ خوشبو بکھیرتی تازہ ہوائیں یہ سرسبز لہلہاتے کھیت گویا تمہیں ان میں کوئی اچھائی ہی نظر نہیں آ رہی۔''

''اچھا تو لگ رہا ہے' پر کچھ ادھورا ادھورا سا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''نہ کہیں جھانجھروں کی جھنکار سنائی دی' نہ بغل میں گاگر دبائے الہڑ دوشیزائیں۔ اور مجھے تو درختوں سے اونچی چھلانگیں لگاتی لڑکیاں بھی نظر نہیں آ رہیں جیسی فلموں میں نظر آتی ہیں۔''

''تم کیا سمجھے ہو۔ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''ہونا تو چاہیے' کم از کم ہر قدم پر دل تھامنے کا موقع تو ملتا تھا۔'' وہ شرارت سے ایک آنکھ بند کرتا ہوا بولا۔

''لعنت ہو تم پر' میں تمہیں شریف آدمی سمجھتا تھا۔''

''یار' میں مذاق کر رہا تھا۔ تم میری شرافت پہ شبہ مت کرو۔''

دونوں ٹہلتے ہوئے کافی دور نکل آئے تھے۔ جب چڑھتے سورج کی تمازت بڑھنے لگی۔ انہوں نے واپسی کی راہ لی۔ واپسی کے لیے ملک فیصل نے دوسرا راستہ منتخب کیا تھا۔ نہر کے کنارے چلتے ہوئے وہ دونوں چھوٹی حویلی کی طرف آ نکلے۔

''یہ بھی تمہاری حویلی کا حصہ ہے؟'' قیس اونچی اونچی فصیلوں کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ہے تو اسی حویلی کا حصہ لیکن ہمارے استعمال میں نہیں ہے۔ یہاں صرف بابا جان آتے ہیں۔''

''اندر سے نہیں دکھاؤ گے؟''

''سوری یار' ہمیں اس کے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اصل میں بابا جان کو نوادرات جمع کرنے کا کریز ہے اور اس میں انہوں نے بڑی نادر اشیاء سجا رکھی ہیں۔ ایک قسم کا عجائب گھر کہہ سکتے ہو تم اسے۔''

''پھر تو اسے ضرور دیکھنا چاہیے۔''

''کہہ تو رہا ہوں بابا جان ہمیں اس کے اندر نہیں جانے دیتے۔'' اپنی بات کہہ کر ملک فیصل نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ قیس حویلی کو اندر سے دیکھنے کی

ضد کرے اور وہ مجبور ہو جائے۔

بڑی حویلی کے باہر چوہدری صاحب کہیں جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ان دونوں کو آتا دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''کہاں چلے گئے تھے پتر؟۔''

''بس بابا جان' یوں ہی ذرا چہل قدمی کے لیے گئے تھے۔''

''تمہارے دوست کو گاؤں پسند آیا؟''

''جی ہاں جناب' جواب نہیں آپ کے گاؤں کا۔''

فیصل سے پہلے ہی قیس بول پڑا۔ چوہدری صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ پھر فیصل سے مخاطب ہوئے۔

''فیصل پتر' میں چوہدری امان اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔ کوشش کروں گا کہ شام تک واپس آ جاؤں۔ نہیں تو پھر کل آؤں گا۔''

''جی بابا جان۔''

''اور ہاں پتر۔ تمہارا دوست ہمارے ہاں مہمان ہے۔ اس کی خاطر تواضع میں کمی نہیں ہونی چاہیے۔''

''آپ بے فکر رہیں بابا جان۔'' پھر وہ قیس کی طرف منہ کر کے آہستہ سے بولا۔ ''اس کی تو میں وہ تواضع کروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

قیس بے ساختہ ہنس پڑا۔

چوہدری صاحب کے روانہ ہوتے ہی وہ دونوں اندر آ گئے۔ ابھی انہیں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ گاؤں کے کئی جوان ملک فیصل سے ملنے چلے آئے۔ ملک فیصل اپنی اچھی عادات کی بدولت گاؤں میں ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ گاؤں کا ہر چھوٹا بڑا اسے پسند کرتا تھا۔ ملک فیصل نے کبھی اپنے اور گاؤں والوں کے درمیان فرق نہیں کیا تھا۔ وہ سب کو ایک نظر سے دیکھتا تھا اور ہر ایک سے خلوص سے ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی اکثر گاؤں کے جوان اس کے پاس آ جاتے تھے۔ کبھی محض اس سے ملنے اور کبھی اپنے مسائل لے کر۔ وہ پوری توجہ سے ہر ایک کا مسئلہ سنتا اور حتی الامکان اسے حل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس وقت بھی گاؤں کے کئی جوان اس سے ملنے آئے تھے اور اس نے سب کو اپنے کمرے میں بلا لیا تھا۔

قیس خود بھی بڑے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور اسے ہر آسائش میسر تھی لیکن پھر بھی ملک فیصل کے ٹھاٹ باٹ اور یہاں کے لوگوں میں اس کی مقبولیت اور عزت اسے متاثر کر رہی تھی۔ وہ کچھ حیرت اور کچھ اشتیاق سے ملک فیصل کو ان سب جوانوں کے درمیان گھرا ہوا دیکھتا رہا۔

''قیس یار۔'' تم بھی ہماری محفل میں شریک ہو جاؤ۔ یوں چپ چاپ بیٹھو گے تو بور ہو جاؤ گے۔'' ملک فیصل کے کہنے پر وہ ان سب کے درمیان آ بیٹھا۔

''چھوٹے چوہدری جی' یہ بھی آپ کے ساتھ باہر جائے گا؟۔'' محمد حسین نے پوچھا تو ملک فیصل سے تھا لیکن قیس بول پڑا۔

''نہیں بھائی' مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ مزید وقت تمہارے چوہدری جی کے ساتھ گزار سکوں۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو سائیں ہمارے چوہدری جی تو لاکھوں میں ایک ہیں۔''

''تم انہیں میرے خلاف نہیں ورغلا سکتے قیس۔''

''کوشش تو کر لینے دو یار۔''

''چلو یہ حسرت بھی پوری کر لو۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے۔''

''چھوڑو یار' کچھ حسرتیں دل میں بھی رہنے دو۔''

ملک فیصل نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ کچھ اترا کر کہنے لگا۔

''دیکھا تمہارے چوہدری جی میری خوشامد کر رہے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ چلوں۔''

''تو باؤ جی' آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں جاتے؟۔''

''کہا نا' مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔ خیر چھوڑو' یہ بتاؤ یہاں بٹیر بھی ہوتے ہیں؟۔ زمانہ ہو گیا ہے' بٹیر کو دیکھے ہوئے اور کھائے ہوئے۔''

''او جی' آپ حکم کریں۔ بہت بٹیر مل جائیں گے۔''

''بس تو دوپہر کے کھانے میں اگر بٹیر مل جائیں تو کیا بات ہے؟''

پھر وہ بہت جلد اپنی خوبصورت باتوں سے ان سیدھے سادے جوانوں کے دل جیت گیا۔ جب وہ سب رخصت ہو رہے تھے تو بار بار ملک فیصل کے ساتھ ساتھ اسے بھی اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

☆☆☆

رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے ان کا ارادہ تھا۔ صبح اطمینان سے اٹھیں گی لیکن ابھی پوری طرح اُجالا بھی نہیں پھیلا تھا کہ بخت کی ہمجولیاں آ گئیں۔

''بخت آور' تو ہمارے ساتھ نہیں جائے گی چل اٹھ۔'' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور ذرا سی گردن گھما کر رومیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ آدھی آنکھیں کھولے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ بخت نے مسکرا کر اسے صبح بخیر کہا اور چارپائی سے نیچے اترتے ہوئے بولی۔

''رومیلہ۔ عافیت اسی میں ہے کہ فوراً اٹھ جاؤ ورنہ یہ سب اٹھانے کے لیے بڑے عجیب وغریب طریقے استعمال کرتی ہیں۔''

اس کی بت سن کر رومیلہ فوراً چادر پھینک کر اٹھ بیٹھی۔

''نہیں ہم مہمانوں کے ساتھ تھوڑی رعایت کرتے ہیں۔'' اس کے گھبرا کر اٹھنے پر اللہ وسائی ہنستی ہوئی کہنے لگی تو رومیلہ اپنی جھینپ مٹانے کو بولی۔

''نہیں' میں ویسے بھی اُٹھ رہی تھی۔''

''چلو' جلدی نہیں تو دن چڑھ آئے گا۔'' شاداں کے کہنے پر وہ دونوں جلدی سے باہر نکل آئیں۔ اماں باورچی خانے کے پاس بنے چبوترے پر بیٹھی لسی بلو رہی تھیں۔ ان دونوں نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اماں سے کہہ کر سب لڑکیوں کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ گھر کے سامنے کچی سڑک پر چلتی ہوئی وہ جیسے ہی بائیں جانب مڑیں سامنے لہلہاتے کھیت تھے۔

''میرے خدا۔ بخت! میں نے آج سے پہلے اتنی خوبصورت صبح کبھی نہیں دیکھی۔'' رومیلہ کھیتوں کے درمیان بنے تنگ سے راستے پر چلتی ہوئی ایک جذب کے عالم میں بولی۔

''ابھی تو ابتدا ہے رومیلہ' ابھی جب سورج کی پہلی کرنیں ان کھڑی فصلوں کو چومنے لگیں گی تب ان کا حسن دوبالا ہو جائے گا۔''

''واقعی مجھے آج پتا چلا ہے کہ زمین سونا کیسے اگلتی ہے۔'' وہ بڑے اشتیاق سے ہر طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر باجرے کے کھیت کے پاس اندھیرے اُجالے کے سنگم میں بیٹھی ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکائے وہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ اس کی ناگن جیسی بل کھاتی چوٹی زمین کو چھو رہی تھی۔ اتنا خوبصورت منظر دیکھ کر رومیلہ کو حقیقت پر خواب کا گماں ہونے لگا۔ وہ اس کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بخت سے پوچھنے لگی۔

''بخت۔ وہ کون ہے؟''

''وہ بھاگ بھری ہے۔ ایسے سہانے سے وہ بڑے خوبصورت گیت گاتی ہے۔ یقیناً اس وقت بھی وہ کچھ گنگنا رہی ہو گی۔''

''آؤ اس کے پاس چلیں' اس کا گیت سنوں گی۔''

بخت آور اپنی سہیلیوں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تو رومیلہ کی خواہش سمجھتے ہوئے سب بھاگ بھری کے پاس آ گئیں۔ وہ واقعی کچھ گنگنا رہی تھی۔ ان سب کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''بھاگ بھری۔ میری سہیلی تمہارا گیت سننے آئی ہے۔'' بخت نے کہا تو سب لڑکیاں وہیں دائرہ بنا کر بیٹھ گئیں۔

''بخت آور' یہ میرا مذاق تو نہیں اڑائے گی؟''

''ارے نہیں' یہ کیسے کہہ دیا تم نے۔'' رومیلہ اس کے ہاتھ چھو کر بڑی محبت سے بولی۔

''وہ کچھ دیر باجرے کے کھیت پر نظریں جمائے چپ چاپ بیٹھی رہی پر اس کی خوبصورت آواز فضا میں بکھر کر ماحول کو مزید خوبصورتیاں بخش گئی۔

تیرے باجرے دی راکھی اواڑیا باجرے دی راکھی
ماہیا میں نہ بیندی وے تیرے باجرے دی راکھی
کاں کاں لائیاں کالیا کاواں ہون میں کِدر کِدر جاواں
جے میں سیٹی مار اُڈاواں میری سرخی لیندی وے
'' تیرے باجرے دی راکھی ------
باجرہ تیرا پنچھی کھاندے مینوں کلیاں ویکھ ستاندے
جے میں تاڑی مار اُڈاواں میری مہندی لیندی وے
تیرے باجرے دی راکھی ------
پنچھی آندے بن بن ڈاراں آ کے بیندے کئی ہزاراں
جے میں اڈی مار اڈاواں جھانجھر ڈگ ڈگ پیندی وے
تیرے باجرے دی راکھی ------

(ترجمہ: ماہیا! میں تیرے باجرے کی رکھوالی کے لیے نہیں بیٹھ سکتی کیونکہ پنچھی مجھے اکیلا دیکھ کر بہت ستاتے ہیں۔ اگر میں سیٹی بجا کر انہیں اڑاتی ہوں تو میری سرخی اُترتی ہے اور اگر

تالی بجا کر اڑاؤں تو میری مہندی اتر جائے گی اور اگر زمین پر ایڑی ماروں گی تو میری جھانجھر جائے گی۔)

گانا ختم کر کے اس نے اپنی پیشانی گھٹنوں پر ٹکا دی تو ایک دم بہت زیادہ خاموشی چھا گئی۔ رومیلہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ مشرق سے طلوع ہوتا سورج کائنات کو سنہرا پن بخش رہا تھا۔ ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی اس کی نظریں بھاگ بھری پر آ ٹھہریں۔ وہ اس کا ہاتھ چھو کر بہت آہستہ سے بولی۔

"بھاگ بھری، تم بہت اچھا گاتی ہو۔ تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔ مجھے لگتا ہے تمہاری آواز سن کر ہی سورج طلوع ہوا ہے۔"

وہ ہنس دی۔ "کیسی باتیں کرتی ہو؟"

"کیوں بخت، میں غلط کہہ رہی ہوں کیا؟"

"نہ میری سکھی، تو کبھی غلط کہہ سکتی ہے بھلا؟" بخت اٹھتی ہوئی بولی۔ "چلو اب، اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"اتنی جلدی، پنگھٹ پر نہیں چلو گی؟"

"نہیں، اس وقت تو سب مرد کام کرنے نکلیں گے لہٰذا ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

"پھر کب چلو گی وہاں؟"

"شام میں۔"

"اچھا۔" رومیلہ مجبوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا واپس جانے کو اس لیے بڑی مردہ دلی سے آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

"بخت یار، کوئی رانجھا یا مہینوال تو نظر ہی نہیں آیا۔" رومیلہ کچی سڑک پر مڑتی ہوئی بولی تو بخت بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تم ہنس رہی ہو، میں رانجھے کو تلاش کیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔"

"تلاش کر لینا بابا، فی الحال تو اندر چلو۔" بخت نے اسے دروازے سے اندر دھکیلا اور خود بھی اندر آ گئی۔ اماں آنگن میں بیٹھی برتن مانجھ رہی تھیں۔ ان دونوں کو آتے دیکھ کر محبت سے بولیں۔

"تم آ گئیں پتر؟"

"ہاں اماں، یہ رومیلہ تو آ بھی نہیں رہی تھی، میں زبردستی لے آئی ہوں۔"

"اچھا لگتا ہے تمہاری سہیلی کو ہمارا پنڈ پسند آ گیا ہے۔"

"واقعی اماں، شہروں سے اچھا ہے۔" رومیلہ ان کے قریب آتی ہوئی بولی۔

"اچھا اب تم دونوں ہاتھ منہ دھولو، میں تمہارے لیے ناشتا بناتی ہوں۔"

بخت آور تار پر سے تولیہ اتار کر غسل خانے کی طرف چلی گئی۔ اور رومیلہ وہیں رک کر اماں کو دیکھنے لگی۔ راکھ سے بھرے ان کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ غیر ارادی طور پر وہ اپنے کیوٹکس لگے لمبے لمبے ناخنوں والے ہاتھوں کا موازنہ ان کے ہاتھوں سے کرنے لگی جن کے لمس نے اسے اک احساس طمانیت بخش دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے ہاتھوں کی خوبصورتی کی پروا کیے بغیر ان کے پاس جا بیٹھی۔

"اماں۔ میں دھوؤں گی برتن، آپ چھوڑ دیں۔"

"نہ دھیے، جیتی رہ۔ تیرے ہاتھ خراب ہو جائیں گے، میں دھولوں گی۔"

"نہیں اماں، مجھے دھونے دیں۔" ان کے لہجے کی مٹھاس نے اسے تھوڑا مچلنے پر مجبور کر دیا۔

"میری دھی، تو نے تو ابھی منہ بھی نہیں دھویا۔ جا تو جا کر منہ ہاتھ دھو لے۔ میں تیرے لیے ناشتا بناتی ہوں۔"

اماں ہاتھ دھو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ منہ دھونے کے بجائے ان کی جگہ پر آ بیٹھی۔

"یہ کیا کر رہی ہے پتر رہنے دے۔" اماں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا چاہا تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر بڑی التجاء سے بولی۔

"اماں دھونے دیں ناں۔" جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ اماں اس کا سر تھپکتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئیں۔

جس وقت بخت آور باتھروم سے نکلی، وہ چوکی پر بیٹھی بڑے مزے سے راکھ سے برتن مانجھ رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ نیچے چوکی کے پاس رکھا تھا۔ اور شانوں تک کٹے بال جنہیں بار بار کلائی کی مدد سے پیچھے کر رہی تھی وہ پھر اس کی پیشانی چومنے چلے آتے۔ کچھ دیر تک بخت دروازے کے پاس رک کر دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اماں کے منع کرنے کے باوجود زبردستی وہاں آ بیٹھی ہو گی، وہیں سے اونچی آواز میں بولی۔

"اماں، آپ نے میری سہیلی کو کام پر لگا دیا؟"

"ہاں پتر' میں نے تو منع کیا ہے پر یہ مانتی ہی نہیں۔"

"رومیلہ' کیوں ہاتھوں کا ناس مار رہی ہو۔ چلو اٹھو۔ وہ اس کا کندھا ہلاتی ہوئی بولی جو پتیلی مانجھتے ہوئے اپنی ساری توانائی صرف کیے دے رہی تھی۔

"نہیں یہ دو چار برتن رہ گئے ہیں' یہ دھو کر ہی اٹھوں گی۔" اپنی بات کہہ کر وہ پھر پتیلی پر زور آزمائی کرنے لگی۔ بخت سمجھ گئی کہ وہ برتن دھوئے بغیر نہیں اٹھے گی۔ اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہ اندر چلی گئی۔

اور اس وقت جب وہ کوئلے اور راکھ سے پتیلی کو رگڑتے ہوئے مسلسل جھٹکے کھا رہی تھی۔

اچانک بیرونی دروازہ کھلا اور کندھے پر بیگ لٹکائے سیف چلا آیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ وہیں رک کر سوچنے لگا کہ کہیں وہ غلط گھر میں تو نہیں آ گیا۔ پھر چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے اس نے ہلکے سے کندھوں کو جھٹکا دیا اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ اپنے کام میں اتنی مصروف تھی کہ اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ تو جب دوسری پتیلی اٹھانے کو اس نے ہاتھ بڑھایا تو اس کے جوتوں پر نظر پڑتے ہی اس کا ہاتھ پتیلی پر رک گیا۔ فوری طور پر اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ سر اٹھا کر اوپر دیکھے بلکہ وہ نظروں کا زاویہ بدل بدل کر اپنا دوپٹہ تلاش کرنے لگی۔ سیف اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ پھر بھی دلچسپی سے اسے دیکھے گیا۔

"کتنے پیسے لیتی ہیں آپ صرف برتن دھونے کے؟۔" وہ سنجیدہ نظر آنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے پوچھنے لگا لیکن آنکھوں سے چھلکتی شرارت اس کی کوشش کو ناکام بنائے دے رہی تھی۔

"جی۔؟" وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کی تعریف؟"۔ وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"رومیلہ۔"

"نام تو بڑا آرٹسٹک ہے لیکن کام؟۔" آنکھوں کی شرارت نے ہونٹوں کا راستہ بھی دیکھ لیا تھا۔

"میں۔۔ وہ اماں۔ نہیں بلکہ میں۔" گھبراہٹ میں اس کے منہ سے بے ربط الفاظ نکلنے لگے۔ وہ دلکشی سے مسکراتا ہوا پنجوں پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کب سے کام کرتی ہیں یہاں؟۔"

"آپ پتا نہیں کیا سمجھ رہے ہیں' میں تو بخت آور۔۔"

"اچھا اچھا' تمہیں بخت آور نے یہاں رکھا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتا ہوا جلدی سے بولا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ بخت کی دوست ہوگی۔ جواب میں وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ بخت بالوں کی چوٹی بناتی ہوئی آ گئی۔ سیف پر نظر پڑتے ہی وہ چیخ پڑی۔

"سیف' میرا ویر تو کب آیا؟۔"

"ابھی ابھی آیا ہوں اور حیران کھڑا ہوں کہ کسی دوسرے کے گھر تو نہیں چلا آیا۔" وہ رومیلہ کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"ارے نہیں ویرا' یہ میری سہیلی ہے رومیلہ' میرے ساتھ پڑھتی ہے۔"

"اچھا۔" وہ مصنوعی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بڑا خوبصورت انداز تھا اس کا کہ بے اختیار وہ دل کی لگامیں ہاتھ سے چھوڑ بیٹھی۔ اور نظریں اس کے دراز سراپے میں الجھ کر رہ گئیں۔

"بخت' کیا ہمارے ہاں مہمانوں سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔"

"نہیں' اسے خود شوق چڑایا ہے یہ سب کرنے کا۔ رومیلہ بھئی' اب اٹھ جاؤ ورنہ سیف سارا الزام میرے سر رکھ دے گا۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتی ہوئی اماں کو آواز دینے لگی۔

"اماں۔ اماں۔ دیکھیے تو سیف آ گیا ہے۔"

سیف کا نام سنتے ہی اماں باورچی خانے سے باہر نکل آئیں۔

"او بسم اللہ۔ میرا پتر آیا اے۔"

سیف بیگ زمین پر رکھ کر اماں کے سینے سے جا لگا۔ اماں والہانہ انداز میں کبھی اس کا سر اور کبھی ماتھا چوم رہی تھیں۔ رومیلہ حیرت سے اس لمبے چوڑے وجود کو اماں کی آغوش میں سماتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اچانک اسے اپنے اندر تشنگی کا احساس ہونے لگا۔ تو وہ بخت کے ہاتھوں سے اپنا بازو چھڑا کر باتھ روم میں جا گھسی۔

ناشتے کے بعد وہ جان بوجھ کر کمرے میں اکیلی بیٹھی رہی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان سب کے درمیان بیٹھ کر اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرے یا ان میں سے ہی کوئی بات کرتے کرتے محض اس لیے رک جائے کہ ایک اجنبی وہاں موجود ہے۔ حالانکہ بخت کئی بار اسے بلا چکی تھی لیکن وہ

بڑی خوبصورتی سے ٹال گئی۔

پھر شام سے ذرا پہلے بخت آور کی ہجولیاں کنوئیں پر پانی بھرنے جانے لگیں تو وہ بخت کے سر ہوگئی۔

''بخت، ہم بھی چلیں گے۔''

''چادر اوڑھ کر جانا پڑے گا۔''

''اوڑھ لوں گی، بس تم چلو۔'' وہ ہر صورت میں جانا چاہتی تھی۔

بخت آور اندر سے چادر اوڑھ کر اس کے لیے اماں کی چادر لے آئی جسے اس نے فوراً اپنے اردگرد لپیٹ لیا اور جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

''اب خدا کے لیے یہ مت کہنا کہ گاگر بھی سر پر رکھوں گی۔''

''کیوں تم پانی نہیں بھروگی؟۔''

''نہیں، میں نے کبھی نہیں بھرا، توصیف لالا بھر کر لاتے ہیں۔''

''چلو پھر ایسے ہی چلتے ہیں۔'' وہ یوں بولی جیسے اسے گاگر نہ اٹھانے کا بہت افسوس ہو رہا ہو۔

اماں سے کہہ کر وہ سب لڑکیوں کے ساتھ باہر آ گئیں۔ لہلہاتے کھیتوں کے درمیان بنے تنگ راستے سے گزر کر وہ سب کنوئیں پر آ گئیں۔ منڈیر کے پاس سب گاگریں رکھ کر وہ پانی بھرنے لگیں۔ رومیلہ یہ کاروائی بڑے اشتیاق سے دیکھتی رہی۔ پانی بھر کر سب نے اپنی اپنی گاگر ایک طرف رکھ دی۔ اور آنکھ مچولی کھیلنے پر اصرار کرنے لگیں۔ بخت کسی صورت نہیں مان رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اسے منڈیر کے پاس چھوڑ کر وہ سب گنّے کے کھیت میں اس طرح چھپ جائیں گی کہ وہ انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہو جائے گی۔ اس لیے وہ مسلسل سر کو نفی میں ہلائے جا رہی تھی۔ آخر رومیلہ چڑ کر بولی۔

''تم کیا اپنے آپ کو ان سے الگ سمجھتی ہو۔''

''نہیں۔''

''پھر اتنے اصرار پر اتنا اکڑ کیوں رہی ہو؟۔''

''اکڑنے کی بات نہیں ہے رومیلہ، اب ہم آنکھ مچولی کھیلتے اچھے لگیں گے کیا؟۔''

''اچھے لگیں یا بُرے، اب تمہاری سزا یہ ہے کہ تم چور بنو ہم سب چھپنے جا رہے ہیں۔''

اسی بات سے تو ڈر رہی تھی وہ اور رومیلہ نے جھٹ فیصلہ بھی سنا دیا تھا۔ وہ بے بسی سے ان سب کی طرف دیکھنے لگی۔ اور وہ پلک جھپکتے میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتی ہوئی گنّے کی کھڑی فصل کے اندر غائب ہوگئیں۔ ابھی وہ انہیں ڈھونڈنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اپنے پیچھے آہٹ سن کر چونک کر پیچھے گھوم گئی۔ شاید کوئی مسافر تھا۔

''کیا آپ مجھے پانی پلائیں گی؟۔'' وہ لائن سے رکھی گاگروں کی طرف دیکھتا ہوا پوچھنے لگا۔

وہ چپ چاپ ایک گاگر اٹھا کر اس کے پاس لے آئی۔ وہ پہلے تو اِدھر اُدھر یوں دیکھنے لگا جیسے پانی پینے کے لیے کوئی چیز تلاش کر رہا ہو۔ جب اسے ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی تو وہ ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اس کے سامنے جھک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے ہاتھوں پر پانی گرانے لگی۔

پانی پی کر جیسے ہی وہ سیدھا کھڑا ہوا، لمحہ بھر کو اس کی نظریں بخت آور کی سیاہ آنکھوں میں الجھ گئیں اور وہ جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہ گیا۔ اور بخت آور جو صرف گاؤں کی لڑکی نہیں تھی، میڈیکل کی طالبہ بھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہرا جذبہ دیکھ کر جان گئی کہ ان بے حد خوبصورت آنکھوں میں حیرت نہیں ہے۔ نہ ہی اشتیاق ہے بلکہ ایسی چمک ہے جو اچانک برسوں کی تلاش کے بعد من پسند چیز مل جانے پر آ ٹھہرتی ہے۔

''میں قیس ہوں۔ قیس۔'' وہ اس پر نظریں جمائے بولا جیسے ہپناٹائز کے زیر اثر ہو اور یوں ہی کھڑے کھڑے ایک پل میں وہ اپنی حیات کا ایک ایک لمحہ اس پر عیاں کر دے گا۔



وہ کچھ نہیں بولی۔ غیر ارادی طور پر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اور بالکل اسی کے انداز میں و
دو قدم آگے بڑھ آیا۔

''اس گہری ہوتی شام میں تنہا آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟'' اس کے نیم وا ہونٹوں سے کچ
سننے کی آرزو میں وہ سوال کر بیٹھا۔ جواب میں وہ گھبرا کر راہِ فرار تلاش کرنے لگی۔

''آپ کہیں تو میں آپ کو ان گاگروں سمیت آپ کے گھر پہنچا دوں بحفاظت۔'' اس
ارادہ بھانپ کر وہ اسے روکنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔

وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''میں آپ کی ایک تصویر بنا سکتا ہوں؟''۔ وہ کندھے سے کیمرہ اتارتا ہوا بولا۔

''نہیں' اس کے ساتھ ہی وہ بھاگتی ہوئی گنے کے کھیت میں داخل ہو گئی۔ اور وہ کتنی د
تک وہیں کھڑا ہلتی فصل کو دیکھتے ہوئے اس کے راستے کا تعین کرنے لگا۔

اس کی ہجولیاں جانے کہاں چھپ گئی تھیں۔ وہ انہیں تلاش کرنے کے بجائے اپنا آپ
اس اجنبی سے چھپانے کی خاطر وہیں بیٹھ گئی۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو کر اس کا وجود ہلائے د
رہی تھیں۔

وہ گھٹنوں پر پیشانی ٹکا کر بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو قابو کرنے کی کوشش میں لمبے ل
سانس لینے لگی۔ وہ اتنی باحوصلہ نہیں تھی کہ اجنبی راہوں کی مسافرت قبول کر کے اپنے
کٹھنائیاں خرید لیتی۔ دل میں مچلتی بے نام خواہشوں کو وہ یہیں کچل دینا چاہتی تھی۔ اور اپنی اس
کوشش میں وہ ناکام ہوئی جا رہی تھی۔

وہ جتنا خواہشوں کو دبا رہی تھی' دل اتنا ہی روایتوں کی بندشوں سے آزاد ہونے کو مچلا ج
رہا تھا۔ ان متضاد کیفیات میں گھر کر وہ کمزور پڑنے لگی تو اس نے گھبرا کر سر اٹھا دیا۔ کھڑی فصل

نے اسے اس طرح اپنی پناہوں میں لے رکھا تھا کہ اس کا وجود اس میں چھپ کر رہ گیا تھا۔

اس نے سوچا وہ یوں ہی بیٹھے بیٹھے سب کو آواز دے ڈالے۔ رومیلہ' بھاگ بھری'
زینت' نیلن پھر یہ سوچ کر کہ اس کی آواز کی بازگشت سن کر اس کی ہجولیوں کے بجائے اگر وہ
اجنبی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو پھر وہ کہاں چھپے گی؟ یہ خیال اسے خوفزدہ کر گیا۔ یہ اس کا ڈر
اور خوف ہی تھا کہ وہ کافی دیر تک وہیں بیٹھی رہی۔ یوں ہی بیٹھے بیٹھے اس نے سر اٹھا کر اوپر
دیکھا۔ دن بھر کے تھکے ہارے پنچھی اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ وہ گھبرا کر اٹھ
کھڑی ہوئی۔

اس کی ہجولیاں شاید اس کی طرف سے مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئی تھیں
کیونکہ پنگھٹ کے پاس ان کی گاگریں موجود نہ تھیں۔ وہ اپنے پنجوں پر اونچی ہو کر پنگھٹ کے
آس پاس دیکھنے لگی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد وہ فصل کے
درمیان سے نکل کر پگڈنڈی پر چلنے لگی۔

راستہ انجان تو نہ تھا۔ ان راستوں پر وہ بار ہا چلی تھی۔ کبھی ابا جی اور توصیف لالا کی انگلی
تھام کر اور کبھی سیف کا ہاتھ پکڑ کا لیکن جانے کیوں اس وقت راہیں اجنبی لگ رہی تھیں کہ قدم
رُک رُک کر اٹھ رہے تھے۔ چنچل ہوائیں قریب سے سرگوشیاں کرتی گزر رہی تھیں۔ ''میں قیس
ہوں۔ قیس'' وہ گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

پگڈنڈی سے اُتر کر وہ گھر کے سامنے والی کچی سڑک پر آئی تو دور اس کی ہجولیاں جاتی
ہوئی نظر آئیں۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی اور ان کے ساتھ جا ملی۔ اسے دیکھتے ہی شاداں
چیخ پڑی۔

''اری۔ بخت آوری! تو کہاں چلی گئی تھی؟''

''میں نے کہاں جانا تھا' تم سب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''کہاں ڈھونڈنے نکل گئی تھیں؟ تمہارے سامنے ہی تو ہم کھیت میں داخل ہوئے تھے
اور مجھے تو لگتا ہے بخت ہمیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اپنا آپ کہیں کھو کر آئی ہے۔'' رومیلہ نے یہ
بات محض شرارت میں اسے چھیڑنے کی غرض سے کہی تھی لیکن وہ ڈر گئی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب کو چھوڑو۔ جلدی گھر چلو' اتنی دیر ہو گئی ہے۔'' زینت اسے دھکیلتی ہوئی بولی۔ تو

سب تیز تیز قدم اٹھانے لگیں۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئیں' رات کی سیاہی نے سفیدی کا دامن تھام لیا تھا۔ ابا جی توصیف لالا اور سیف آنگن ہی میں چار پائیوں پر بیٹھے تھے۔ اماں حسب معمول مصروف تھیں۔ رومیلہ سب کو سلام کرتی ہوئی اماں کے پاس چلی گئی اور بخت ابا جی کے پاس بیٹھتی ہوئی پوچھنے لگی

''کیا مسئلہ ہے ابا جی۔'' آپ سب خاموش کیوں ہیں؟۔''

''مسئلہ کیا ہونا ہے پتر' وہی تیرے لالا کی شادی کی پریشانی ہے۔''

''شادی کی پریشانی نہیں ابا جی' شادی کی خوشی ہوتی ہے۔''

''ہاں خوشی تو ہوتی ہے دھیے پر۔'' ابا جی خاموش ہو گئے۔

''بخت میرا خیال ہے تم اماں کے پاس جاؤ۔ ہمیں بات کرنے دو۔'' سیف شاید اس کے سامنے مسئلہ چھیڑنے کے حق میں نہ تھا۔

''کیوں سیف' میں بھی تو اس گھر کی فرد ہوں۔ مجھے بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ابا جی کو کیا پریشانی ہے۔'' وہ بحث پر اتر آئی۔

''اچھا میڈی دھی' ناراض نہ ہو' تو یہیں بیٹھ۔ ہم تیرے سامنے ہی بات کریں گے۔'' ابا جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''ہاں تو ابا جی' وڈے چوہدری جی کیا کہتے ہیں؟۔'' سیف کے ہچکچانے کے باوجود توصیف لالا نے اصل موضوع شروع کر دیا۔

''وڈے چوہدری جی کہتے ہیں وہ ہمیں دس ہزار روپے قرض دے دیں گے لیکن بدلے میں ہماری نہر کے پاس جو تھوڑی زمین ہے وہ ان کے پاس رہن رکھوانی پڑے گی۔ اور دوسری شرط ان کی یہ ہے کہ اگر ایک سال میں ہم نے قرض واپس نہ کیا تو وہ زمین۔۔''

''لیکن ابا جی۔ زمین کی قیمت دس ہزار سے بہت زیادہ ہے۔'' سیف درمیان میں بول پڑا۔

''بات زمین کی نہیں ہے پتر' اصل بات یہ ہے کہ وہ زمین میرے وڈیروں کی نشانی ہے۔ اور میں اسے بیچنا نہیں چاہتا۔ اگر میں نے بیچنا ہی ہوتا تو میں قرض کیوں مانگتا۔ سیدھے سیدھے اسے بیچ کر پیسہ لے لیتا۔''

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ابا جی' ایک سال میں ہم قرض ادا کر کے زمین واپس لے لیں گے۔'' بخت درمیان میں بول پڑی۔

''بخت۔ میں نے کہا تھا ناں کہ تم اماں کے پاس چلی جاؤ' تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی۔''

''کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟۔''

''نہیں بابا' تو غلط نہیں کہہ رہی۔ سیف! تو کیوں بار بار اس کو ٹوکتا ہے۔''

''تو ابا جی' پہلے اسے اٹھائیں یہاں سے' پھر بات کریں گے۔'' سیف خفا ہونے لگا تو وہ منہ پھلاتی ہوئی ابا جی کے کہنے سے پہلے ہی اٹھ کر اماں اور رومیلہ کے پاس چلی گئی۔

رات میں سب کاموں سے فارغ ہو کر جب وہ دونوں سونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آئیں تو رومیلہ اس کی منتظر تھی کچھ کہنے کے لیے۔

''بخت۔ ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گی؟۔''

''نہیں' برا کیوں مانوں گی' تم کہو۔''

''شام میں تمہارے ابا جی اور بھائیوں کے درمیان جو باتیں ہو رہی تھیں' وہ سب میں نے سن لی تھیں۔''

''پھر؟''

''پھر یہ کہ میرے لیے تو دس ہزار کوئی معنی نہیں رکھتے۔ اگر میں ڈیڈی سے کہوں تو وہ دس ہزار تو کیا۔''

''میں تمہاری بات سمجھ گئی ہوں رومیلہ' پلیز اس سے آگے کچھ مت کہنا۔ ابا جی کسی صورت میں نہیں مانیں گے۔''

''تو تم مناؤ انہیں۔ جو قرض وہ زمین رہن رکھ کر لیں گے' وہ مجھ سے ایسے ہی لے لیں۔''

''آئی ایم سوری رومی' اب ایسا ناممکن ہے۔''

''کیوں؟ کیوں ناممکن ہے؟۔ یقین کرو میں بڑے خلوص سے۔''

''مجھے تمہارے خلوص پر شبہ نہیں رومی لیکن تم اس بات کو نہیں سمجھو گی۔'' بخت نے درمیان ہی سے جملہ اچک لیا۔

''نہیں' اگر تم بتاؤ گی تو ضرور سمجھ جاؤں گی۔''

"دیکھو نا! ابا جی چوہدری صاحب سے قرض کی بات کر چکے ہیں۔ اب اگر ہم نے ان سے پیسے لیے بغیر توصیف لالا کی شادی کر دی تو وہ سمجھیں گے کہ ابا جی نے۔" وہ رک گئی۔

"کیا سمجھیں گے؟"

"یہ ہی کہ ابا جی نے ان کی فصلوں میں ہیرا پھیری کی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟"

"ہاں، تم نہیں جانتیں یار، یہاں تو الزام تراشیوں کے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں۔"

"تو ابا جی انہیں صاف صاف کہہ دیں کہ انہیں قرض کہیں اور سے مل گیا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے وہ چوہدری ابا جی کی بات پر یقین کر لے گا؟ نہیں رومی، بلکہ اس کو وہ اپنی توہین سمجھے گا۔"

"تو پھر ایک وعدہ کرو۔"

"کیسا وعدہ؟"

"اگر ایک سال میں تمہارے ابا جی قرض نہ اتار سکے تو اس وقت تم میری بات رد نہیں کرو گی۔"

"میں وعدہ نہیں کرتی رومیلہ، ہاں ابا جی سے بات ضرور کروں گی۔ اگر وہ مان گئے تو ٹھیک ورنہ پھر یہ بات یہیں ختم سمجھو۔"

دروازے پر آہٹ سن کر دونوں چونک کر اس طرف دیکھنے لگیں۔ سیف دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا ایک ٹک رومیلہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی نروس ہو کر بخت کو دیکھنے لگی اور سیف کے انداز دیکھ کر بخت سمجھ گئی کہ وہ ان کی باتیں سن چکا ہے۔

"سیف، اندر آ جاؤ۔ کوئی کام ہے کیا؟" بخت کے کہنے پر وہ فوراً اندر آ گیا۔ اور آتے ہی براہ راست رومیلہ سے مخاطب ہوا۔

"مس رومیلہ، آپ کی باتوں سے میں جان گیا ہوں کہ آپ کسی بڑے باپ کی بیٹی ہیں لیکن یوں دولت کی جھنکار دکھا کر آپ ہمیں مرعوب نہیں کر سکتیں۔ اور نہ ہی ہمیں اپنے احسانوں کے بوجھ تلے دبا کر آپ۔"

"سیف پلیز۔" رومیلہ اس کی بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑی۔ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں نے بالکل مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی احسان کی بات کی ہے۔

ہاں ایک مخلصانہ سی پیشکش ضرور کی ہے اور اسے مان لینا یا رد کر دینا آپ کے اختیار میں ہے۔ اس کے باوجود اگر آپ کو میری بات بری لگی ہے تو میں معذرت چاہوں گی۔"

اپنی بات کہہ کر اس نے سیف کی طرف سے رخ موڑ لیا تھا لیکن وہ اس کی پلکوں پر اتر آنے والی نمی دیکھ چکا تھا اور اب کچھ ندامت محسوس کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایسی کیا بات کہہ دے جو اس اچھی لڑکی کی پلکوں پر اتری نمی کی جگہ خوبصورت سپنے سجا دے، جو یوں خفا ہو کر دل میں اتری جا رہی تھی۔ وہ قدم بڑھا کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"آئی ایم سوری رومیلہ، میرا مقصد آپ کو خفا کرنا نہیں تھا۔"

"میں خفا نہیں ہوں۔" اس نے مسکرا کر پل میں نہ صرف ساری خفگیاں مٹا ڈالیں بلکہ انجانے میں اسے یہ یقین بھی بخش دیا کہ وہ اس سے کبھی خفا نہیں ہو سکتی۔ اس کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد وہ بخت سے مخاطب ہوا۔

"بخت، میرے اور توصیف لالا کے ہوتے ہوئے تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جن بہنوں کے جوان بھائی ہوں، وہ اطمینان کی نیند سویا کرتی ہیں۔"

"سیف۔ تم میرا مان ہو میرے ویر، اب تم جاؤ، ہم اطمینان کی نیند سوئیں گے۔"

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو بخت رومیلہ کی طرف متوجہ ہو گئی جو ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ سجائے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"تم کیا سوچنے لگی؟"

"بخت، تم واقعی بخت آور ہو۔"

"چھوڑو اس بات کو، یہ بتاؤ توصیف لالا کی شادی میں کیا پہنو گی؟" اس کی آنکھوں میں سمٹ آنے والی احساس محرومی کی پرچھائیاں دیکھ کر بخت نے فوراً موضوع بدل دیا۔

"کیا پہننا چاہیے مجھے؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"وہ جو تمہارا شاکنگ پنک کلر کا سوٹ ہے وہ پہن لینا، میرے پاس اسی کلر کا ستاروں بھرا دوپٹہ ہے اس پر تم وہ اوڑھ لینا۔"

"اور تم کیا پہنو گی؟"

"میں۔۔ یار، ہمارے ہاں بہنیں سرخ رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔ میرے خیال میں اماں نے میرے لیے سرخ رنگ کے ہی بنائے ہوں گے۔ خیر صبح دیکھ لیں گے اور اگر تم سرخ

رنگ کے پہننا چاہو تو۔"

"نہیں نہیں، میرا شاکنگ پنک ہی ٹھیک ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی اور اب کیا خیال ہے، سونے کی کوشش نہ کی جائے۔ صبح بھی دیر سے اٹھے تھے۔"

"ہاں یار، ورنہ اماں کہیں گی میں نے تمہاری عادتیں بگاڑ دی ہیں۔" رومیلہ جھٹ اپنا بستر جھاڑ کر اس پر دراز ہوگئی۔ پھر جانے اسے کیا خیال آیا کہ تکیے سے سر اونچا کر کے اسے پکارنے لگی۔

"بخت سنو۔"

"کوئی بات رہ گئی ہے کیا؟۔"

"نہیں میں، یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تمہارے بھائی سیف کی منگنی بھی ہوگئی ہے یا؟۔"

"نہیں۔ ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے اور میرا خیال ہے وہ یہاں گاؤں کی کسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔"

"کیوں؟۔"

"اسے ڈاکٹر بننے میں ایک ہی سال ہے اور اگر اسکالرشپ مل گیا تو وہ اسپشلائزیشن کے لیے باہر بھی جانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں گاؤں کی لڑکی کہاں اس کا ساتھ دے سکے گی بھلا؟۔"

"اس کا مطلب ہے تم بھی گاؤں کے کسی لڑکے سے شادی نہیں کرو گی؟۔"

"کیوں؟۔"

"ظاہر ہے تم بھی تو ڈاکٹر بننے جا رہی ہو اور بقول تمہارے یہاں سیف کے علاوہ کوئی بھی مڈل کلاس سے آگے نہیں پڑھ سکا۔"

"ہاں۔ لیکن میرا جرم یہ ہے کہ میں ایک لڑکی ہوں۔"

"کیا مطلب؟۔"

"میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتی رومیلہ، ابا جی اور اماں نے بڑی مشکلوں سے مجھے پڑھنے کی اجازت دی ہے، وہ بھی اپنے گھر سے دور رہ کر۔ اب اگر میں نے اپنے تئیں ایسا کوئی فیصلہ کر بھی لیا تو میں جانتی ہوں کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں ہوگا کیونکہ برادری تو دور کی بات

خود میرے اپنے گھر والے بھی مجھ سے ہر تعلق توڑ لیں گے اور میں اپنے اتنے چاہنے والوں سے تعلق توڑ کر سکھی رہ سکوں گی بھلا؟ نہیں ناں اسی لیے میں نے بہت پہلے سے اپنے آپ کو سمجھا لیا ہے کہ میں خواہ کتنا ہی کیوں نہ پڑھ لوں، کتنی ہی کامیاب ڈاکٹر کیوں نہ بن جاؤں، رہنا مجھے بہرحال اسی گاؤں میں ہے۔ اور شادی بھی وہیں کرنی ہے۔ جہاں ابا جی اور اماں چاہیں گے۔ خواہ وہ مڈل پاس ہو یا اس نے اسکول کی شکل ہی نہ دیکھی ہو۔"

"لیکن بخت، یہ تو ظلم ہے۔"

"اور میں اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتی۔"

"کیا سیف تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا؟۔"

"پتا نہیں۔ لیکن یہ بھی تو سوچو رومی کہ میں مسیحا بن کر سکھ بانٹنے چلی ہوں، پھر ذرا سی بات کے لیے اپنے لوگوں کو دکھی کیوں کروں؟۔"

"میرے خدا! بخت، تم اسے ذرا سی بات کہتی ہو۔ ذرا سوچو تو ایک اجڈ گنوار شخص جب تم سے اپنے پیر دبانے کے لیے کہے گا تو تمہیں کیسا لگے گا؟۔"

"وہ اجڈ گنوار شخص میرے سر کا سائیں ہوگا رومی، میرا سائباں ہوگا۔ اس کے پیر دبا کر مجھے خوشی ہوگی۔"

"مجھے حیرت ہو رہی ہے بخت، تم میڈیکل میں پڑھتی ہو۔ لیکن تمہاری سوچیں ان پڑھ دیہاتی لڑکیوں جیسی ہیں۔"

"تم یہ کیوں بھول جاتی ہو رومیلہ کہ میں بھی ایک دیہاتی لڑکی ہوں۔ میرا خمیر اسی مٹی سے اٹھا ہے۔ میرے پڑھنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اپنی سوچوں کے دھارے بھی موڑ لوں اور یاد رکھو رومی اگر میری سوچوں کے دھارے مڑ گئے تو میں اپنی آپا کو واپس لانے والی دوا بھی نہ بنا سکوں گی۔"

"تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہاری آپا واپس آ جائیں گے؟۔"

"میری آپا نہیں لیکن میری آپا جیسی اور بہت سی آپائیں ہیں، اس گاؤں میں میں ان کو روکنے کا سامان تو کر سکوں گی۔ آپا کی جوانمرگی نے ہی تو میرے اندر یہ جذبہ پیدا کیا ہے ورنہ میں بھی ایسی ہوتی جیسی اس گاؤں کی دوسری لڑکیاں ہیں اور پھر تم ہی سوچو رومی، اگر میں محض اپنی ذات کی خاطر یہ جذبے قربان کر دوں تو روز محشر آپا کو کیا منہ دکھاؤں گی میں آپا کی ویران

آنکھوں سے کیے گئے خاموش عہد فراموش نہیں کر سکتی۔"

"یہ عہد سیف نے بھی تو کیے ہوں گے؟۔"

"ہاں۔لیکن سیف مرد ہے۔"

"یہ مرد اور عورت کی تفریق میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آئی' سیف مرد ہے جہاں بھی شادی کرے گا' بیوی کو لے کر یہیں آئے گا جبکہ لڑکیاں شادی کے بعد رخصت ہو جاتی ہیں۔"

"اس کی کیا گارنٹی ہے کہ سیف یہیں آئے گا؟"

"وہ میرا بھائی ہے' میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"چلو مان لیتی ہوں لیکن اس کی وضاحت ضرور کرو اگر تمہارے سر کے سائیں نے تمہیں مسیحائی سے روک دیا' تب کیا کرو گی؟۔"

"تب میں احتجاج کروں گی۔"

"تھینکس گاڈ' کسی بات پر تو احتجاج کرو گی۔"

"میرا خیال ہے اس سے پہلے کہ تم مزید کوئی سوال کرو شب بخیر۔" اس کے ساتھ ہی بخت نے چادر پاؤں سے سر تک کھینچ لی۔ اپنے تئیں وہ رومیلہ کے سوالوں سے بچ گئی تھی۔ لیکن اس کی بند پلکوں کے پیچھے جانے کہاں سے اتنے ڈھیر سارے سوالیہ نشان جگمگانے لگے تھے اور ان سوالیہ نشانوں کے بیچ ایک حیران حیران سا چہرہ تھا جسے پہچاننے کی کوشش میں اس کی دھڑکنیں ایک ہی راگ الاپنے لگیں۔

قیس۔

قیس۔

قیس۔

قیس۔

وہ حیران ہو گئی تھی۔ ابھی اسی بات پر تو وہ رومیلہ سے الجھ رہی تھی اور کتنے یقین سے کہہ رہی تھی کہ اپنی روایتوں سے ہٹ کر وہ نہ سوچ سکتی ہے اور نہ کوئی قدم اٹھا سکتی ہے۔ پھر یہ اجنبی کیوں اسے انجانی راہوں پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔

"نہیں' میں اتنی کمزور نہیں ہوں کہ اپنے آدرش بھلا کر اس کی دعوت قبول کر لوں اور نہ ہی میں اتنی باحوصلہ ہوں کہ اس کا ہاتھ تھام کر نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنے اتنے چاہنے والوں کے

لیے رسوائیاں خرید سکوں۔ ہاں مجھ میں ہمت ضرور ہے کہ میں انجانی راہوں پر چلنے سے اپنے آپ کو روک سکوں۔ میں اپنے قدموں کو ہر اس راستے پر چلنے سے روک دوں گی جس میں تنہائیاں ہوں گی۔

میں ابا جی کا مان کبھی نہیں توڑوں گی۔ اس نے اپنے آپ سے عہد کیا۔

میں توصیف لالا کا سر کبھی نہیں جھکنے دوں گی۔

میں نے سیف کا ہاتھ تھام کر جس راہ پر چلنے کا عہد کیا تھا' اسے پورا کروں گی۔

میں اماں کی دعاؤں کی لاج رکھوں گی۔

میرے گاؤں کی آپاؤں نے جو امیدیں مجھ سے باندھ لی ہیں' میں انہیں ٹوٹنے نہیں دوں گی اور۔۔

میں اپنی آپا کی ویران آنکھوں سے کیے گئے عہد نبھاؤں گی۔

وہ بڑی سختی سے اپنے آپ کو پابند کر رہی تھی۔ کچھ بندشیں اس کے اپنے ماحول کی بخشی ہوئی تھیں باقی خود اس نے مقدر کر لیں۔



وہ آنکھیں بند کیے سینے پر رکھی کتاب کو انگلیوں سے ہلکے ہلکے بجاتے ہوئے پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل ایک ہی گانا گائے جا رہا تھا جس میں کسی گوری اور اس کی گاگر کا ذکر تھا اور اب تو گوری اور گاگر کی تکرار سنتے سنتے ملک فیصل کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ جب ہی وہ اس کے سینے پر رکھی کتاب کو جھپٹنے کے انداز میں اٹھاتا ہوا بولا۔

"یار واقعی کسی گوری کی گاگر سے پانی پی کر آ رہے ہو یا۔؟"

"کیا بتاؤں یار؟۔" وہ ایک طویل سانس لے کر اٹھ بیٹھا۔" صرف پانی ہی پی کر نہیں آیا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں اپنا آپ کھو کر آیا ہوں۔ اور اس وقت سے اپنی قسمت کو رو رہا ہوں کہ میں عمر بادشاہ کیوں نہ ہوا جو گاگر سمیت اسے اٹھا کر لے آتا۔

"ہیں۔۔ یہ تم کس کی بات کر رہے ہو؟۔" فیصل اسے سنجیدہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"اسی کی جس کی گاگر سے پانی پی کر آ رہا ہوں۔"

"کب اور کہاں ہوا یہ حادثہ؟۔"

"گنے کے کھیت کے پاس جو پنگھٹ ہے وہیں۔"

''کون تھی؟۔ کیا نام تھا؟'' ملک فیصل کی نگاہوں میں لحہ بھر کو گاؤں کی بے شمار لڑکیاں گھوم گئیں۔

''یہ جانتا تو یوں آہیں نہ بھر رہا ہوتا' وہ تو پلک جھپکنے میں کھڑی فصل کے اندر یوں غائب ہوگئی کہ میں اس کے نشان ڈھونڈتا رہ گیا۔''

''پھر یقیناً کوئی چڑیل ہوگی جو اچانک غائب ہوگئی۔''

''یار' چڑیلیں اتنی حسین ہوتی ہیں کیا؟ اور پھر چڑیل ہوتی تو مجھے گاگر سے پانی کیوں پلاتی؟۔ وہ تو الٹا میری گردن میں دانت گاڑھ کر میرا خون پی جاتی ہے۔''

''شکر کرو بچ گئے ورنہ تمہاری نچڑی ہوئی لاش تمہارے ورثاء کے حوالے کرتے ہوئے مجھے بہت دکھ ہوتا۔'' فیصل مستقل اس کا مذاق اڑائے چلا جا رہا تھا۔

''لعنت ہو تم پر۔ بجائے میری مدد کرنے کے میرا دل جلائے جا رہے ہو۔'' قیس کو ایک دم غصہ آ گیا۔

''تم ہی بتاؤ' میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''چوہدری ہو اس گاؤں کے تمہارے لیے اس لڑکی کا کھوج لگانا کون سی مشکل بات ہے۔''

''چوہدری ہونے کا یہ مطلب تو نہیں قیس کہ میں اپنے ہی گاؤں کی لڑکیاں تاکتا پھروں۔ آخر میری بھی کوئی عزت ہے۔ اور پھر میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ تم کس لڑکی کو دیکھ کر مجنوں بنے جا رہے ہو۔'' ملک فیصل کے ملامت آمیز لہجے پر قیس تھوڑا سا نادم ہوگیا پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔

''میں تمہیں اس کا حلیہ بتاتا ہوں۔''

''اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لیے کہ اس گاؤں میں میرا جو مقام ہے اس کے پیش نظر میں نے کبھی کسی لڑکی کو نظر بھر کر نہیں دیکھا۔''

''پھر تم ہی بتاؤ' میں کیا کروں۔ وہ تو ایک پل میں ہی میرے دل پر کچھ ایسے گہرے نقوش چھوڑ گئی ہے کہ میں اس وقت سے ایک لمحے کو بھی اس کے خیال سے دامن نہیں بچا سکا۔''

ملک فیصل کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ایسا کرنا' کل پھر پنگھٹ پر چلنے جانا' پانی بھرنے تو آئے گی ہی' دیکھ لینا جی بھر کے۔''

''تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟''

''میں کیوں جاؤں گا؟۔''

''اس لیے کہ میں اسے صرف دیکھنا ہی نہیں چاہتا بلکہ اس کے بارے میں جاننا بھی چاہتا ہوں۔ اور یہ کام تم کرو گے۔''

''قیس اگر تم اس وقت میرے گھر میں مہمان نہ ہوتے تو یقین کرو میں ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر تمہارا منہ توڑ دیتا۔ تم نے مجھے اتنا گرا ہوا سمجھا ہے کہ میں لڑکیوں کے اتے پتے معلوم کرتا پھروں۔'' ضبط کرتے کرتے بھی ملک فیصل کی آواز قدرے اونچی ہوگئی۔

''آئی ایم سوری فیصل' تم میری بات کا غلط مطلب سمجھے ہو۔ میرا کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں تمہیں وہ لڑکی دکھا دوں گا۔ تم مجھے اس کے بارے میں معلوم کر دینا کہ وہ کون ہے اور کہیں انگیج تو نہیں اور یقین کرو میں کسی بُری نیت سے نہیں کہہ رہا۔ ایک پل میں جس طرح وہ مجھے اپنا اسیر کر گئی ہے اس کے بعد میری رہائی ناممکن ہوگئی ہے اور سچ پوچھو تو میں اس کے سحر سے آزاد ہونا بھی نہیں چاہتا بلکہ عمر بھر کی اسیری اپنا مقدر کر دینا چاہتا ہوں۔ اگر اب بھی تمہیں میرے خلوص پر شبہ ہے تو میرے مہمان ہونے کا لحاظ مت کرو۔ بے شک میرا منہ توڑ دو۔'' ملک فیصل نے دیکھا' اس کے لہجے کی سچائیوں کا عکس اس کی آنکھوں میں بھی سمٹ آیا تھا۔

اسے اپنے رویے پر تھوڑا افسوس سا ہوا۔

''سوری قیس میں تمہیں غلط سمجھا تھا۔ آئی ایم ویری سوری۔''

''اٹس آل رائٹ'' قیس اس کی شرمندگی اور معذرت سے مسکرایا اور سامنے لگی پینٹنگ پر نظریں جماتے ہوئے ہلکے ہلکے گنگنا کر یہ تاثر دینے لگا جیسے واقعی کوئی بات نہ ہوئی ہو اور ملک فیصل دل ہی دل میں اس کی اعلیٰ ظرفی کا معترف ہوتا ہوا کہنے لگا۔

''سنو' کل میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' پھر لہجے کو ذرا شوخ بنا کر بولا۔ ''آخر کو تمہارا پروپوزل لے کر مجھے ہی تو جانا ہے۔''

قیس لمحے بھر کو حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ماحول کو مزید خوشگوار بنانے کی غرض سے زور سے ہنس پڑا۔

''اچھا یار' تم اس کے حوالے سے خواب دیکھو' میں سونے جا رہا ہوں۔'' ملک فیصل اسے شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو وہ بھی سونے کی نیت سے مسہری پر آ گیا۔

تکیے پر سر رکھتے ہی اس کی نظریں سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ پر ٹھہر گئیں۔ جس میں ا الہڑ ناری بغل میں گاگر دبائے کچھ حیران سی کھڑی تھی۔ تصویر پر نظریں کیا جمیں کہ تصور میں سیاہ آنکھیں در آئیں۔ جن میں کچھ حیرانی اور کچھ خوف کی پرچھائیاں رقصاں تھیں اور جو ا گاگر سے پانی پلا کر بھی اسے پیاسا چھوڑ گئی تھی۔ وہ نیند سے بوجھل آنکھوں کو نیم وا دھیرے دھیرے گنگنانے لگا۔

وہ جس کے لانبے گیسو ہیں
وہ جس کے نینا آہو ہیں
جو غار بھی ہے اور خوشبو بھی
جو درد بھی ہے اور دارو بھی
وہ الہڑ سی وہ چنچل سی
وہ شاعر کی پاگل سی

اس کی پلکیں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کر پل میں اسے بے خبر کر گئیں۔

اگلے دن سر شام ہی وہ دونوں پنگھٹ سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر جیسے ہی لڑکیاں بغلوں میں مٹکے دبائے پانی بھرنے آئیں تو ملک فیصل قیس کے ہمراہ۔۔۔۔ چلتا ہو کنویں کی طرف آ گیا جیسے یوں ہی ٹہلتے ہوئے ادھر نکل آیا ہو۔ اسے دیکھتے ہی سب لڑکیاں اپنی جگہ پر رک گئیں۔ اور جلدی جلدی اپنے دوپٹے ٹھیک کرتی ہوئی بولیں۔

''سلام چھوٹے چوہدری جی۔''

''سلام ملک جی۔''

اور ملک فیصل ایک شان بے نیازی کے ساتھ سر کے اشارے سے جواب دیتا ہوا ان سب کے قریب سے گزر گیا۔ تھوڑا آگے جا کر وہ قیس سے پوچھنے لگا۔

''کون سی تھی؟''

''ان میں تو وہ نہیں تھی۔'' وہ مایوسی سے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے بولا۔

''پھر؟''

''کل بھی وہ ان سب کے ساتھ نہیں تھی، میں نے اسے تنہا وہاں کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔''

''لیکن یہاں اکیلی تو کوئی لڑکی کبھی نہیں آئی۔ سب ایک ساتھ ہی آتی ہیں۔''

''میں نے خود اسے دیکھا ہے اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔''

''پھر یقیناً وہ کوئی چڑیل ہو گی جو ایک حسینہ کا روپ دھار کر تمہارے سامنے آ گئی۔'' ملک فیصل نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ چڑ گیا۔

''تمہارا سامنا کیوں نہ ہو گیا کسی چڑیل سے؟''

''یہاں کی چڑیلیں میری حیثیت پہچانتی ہیں، جب ہی میرے سامنے آنے سے گھبراتی ہیں۔''

''ہاں اب چڑیلیں بھی ایٹی کیٹس جاننے لگی ہیں۔'' وہ جل کر بولا تو ملک فیصل بے ساختہ ہنس پڑا۔

''چھوڑو یار، میں مذاق کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے آج وہ کسی وجہ سے نہ آئی ہو۔ کل دیکھ لینا، پرسوں دیکھ لینا۔ بلکہ جتنے دن یہاں ہو روزانہ ادھر کا چکر لگا لیا کرو۔ ہو سکتا ہے کسی دن قسمت یاوری کر جائے۔''

''ہاں اب یہ کام مجھے خود ہی کرنا پڑے گا۔''

''تم شاید برا مان گئے۔''

''نہیں۔''

''تو پھر اطمینان ہی نہیں یقین بھی رکھنا کہ جب ضرورت پڑی، میں پورے خلوص سے تمہاری مدد کروں گا۔''

''شکریہ۔''

دونوں مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے واپس حویلی آ گئے۔

قیس اس وقت کو کوس رہا تھا جب وہ کندھے پر کیمرہ لٹکائے اچھے مناظر کی تلاش میں نکلا تھا کہ کنویں کے پاس حیران کھڑی بخت آور کو دیکھ کر اس نے سوچا اس سے اچھا منظر اس پورے گاؤں میں تو کیا پوری دھرتی پر نہیں ہو گا۔

اور اس وقت سے اب تک پورے آٹھ دن ہو گئے تھے، اسے اس منظر کو تلاش کرتے ہوئے۔ منظر تو وہی تھا لیکن اس میں کھڑی حیران لڑکی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ ادھر ملک فیصل کے امریکہ جانے کے دن قریب آ

رہے تھے اور ظاہر ہے فیصل کے جانے کے بعد وہ بھی یہاں نہیں رک سکتا تھا۔ اسے بہر
اپنے گھر جانا تھا اور وہ چاہتا تھا جانے سے پہلے ایک بار ہی وہ اسے کہیں مل جائے لیکن
جانے کہاں جا چھپی تھی کہ پھر نظر ہی نہ آئی۔

جانے سے ایک دن پہلے بھی وہ دن بھر گاؤں کی خاک چھانتا رہا حتیٰ کہ پوری شام
نے کنویں کی منڈیر پر بیٹھے بیٹھے گزار دی۔ لڑکیاں پانی بھر کر چلی بھی گئیں اور وہ اس کی راہ
رہا۔ یہاں تک کہ تاریکی نے پھیل کر راستوں کو بے نشان کر دیا۔ تب وہ انتہائی مایوسی کے
میں حویلی چلا آیا۔ اس کے افسردہ چہرے پر نظر پڑتے ہی فیصل جان گیا کہ وہ آج بھی نا
لوٹا ہے۔ وہ محض اس کی افسردگی کم کرنے کی غرض سے بولا

''قیس یار' اس گاؤں میں اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا دیکھنے کے لیے۔''

''اچھا۔'' وہ جوتوں سمیت مسہری پر دراز ہو گیا اور ایک ٹک چھت کو دیکھتے ہوئے جا
کیا سوچنے لگا۔

ملک فیصل کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اس کے پاس بیٹھتا ہوا کہنے لگا۔

''قیس' مجھے افسوس ہے تم میرے گاؤں سے کچھ اچھی یادیں لے کر نہیں جا رہے۔''

''میں تمہارے گاؤں میں زندگی ہارے جا رہا ہوں یار۔'' ذرا توقف کے بعد پھر بو
''ویسے مجھے حیرت ہے آخر وہ کہاں چلی گئی؟۔ کہیں کسی موڑ پر تو نظر آئی۔ بلکہ اب تو میں بھی
سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ وہ اس دنیا کی باسی تھی بھی یا نہیں۔''

''یہی بات اگر تم پہلے دن مان لیتے تو یوں مارے مارے تو نہ پھرتے۔'' ملک فیـ
کو موقع مل گیا۔

''شاید میری قسمت میں ہی یہ خواری لکھی تھی جو میں اتنی اچھی جگہ آ کر بھی انجوائے نہ
سکا ہے ناں۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں بھلا؟۔'' فیصل شرارت سے ہنس پڑا۔

''اچھا یہ بتاؤ' صبح کتنے بجے روانگی ہے؟۔'' وہ اٹھ کر جوتے موزے اتارتا ہوا پوچھنے لگا۔

''ٹھیک چھ بجے نکلیں گے۔''

''اتنی جلدی۔''

''جناب ساڑھے سات بجے میری کراچی کی فلائٹ ہے۔ چھ بجے نکلیں گے' سات بجے

تک ملتان پہنچ جائیں گے۔''

''یہ بتاؤ' تمہیں سی آف کرنے پورا گاؤں تو تمہارے ساتھ نہیں جائے گا ہار پھول لے
کر۔''

''نہیں یار' صرف بابا جان اور ان کے دو چار خاص آدمی ہوں گے۔''

''چلو شکر ہے اور اب میں سونے جا رہا ہوں۔ اپنے ملازم سے کہہ دینا صبح پانچ بجے مجھے
اٹھا دے گا۔''

''کیوں کھانا نہیں کھاؤ گے؟۔''

''نہیں۔ اس وقت نہ بھوک ہے اور نہ خواہش اور پلیز مجبور مت کرنا۔''

''او کے شب بخیر۔'' اس کے ساتھ ہی فیصل اس کے کمرے سے نکل گیا۔

صبح جس وقت وہ ملتان سے روانہ ہوئے' پوری طرح سفیدی نمودار نہیں ہوئی تھی۔
راستے تاریک ہونے کے باوجود قیس یوں دیکھ رہا تھا جیسے اچانک کہیں سے وہ حیران لڑکی اس
کے سامنے آ کھڑی ہو گی۔ جب تک ان کی گاڑی گاؤں کی حدود سے باہر نہیں نکل آئی وہ ہر
موڑ پر چونکتا رہا۔

ملک فیصل اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ لیکن اس نے اسے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔ حقیقتاً
اسے اس وقت افسوس ہو رہا تھا کہ اس کا دوست یوں نامراد اس کے گاؤں سے لوٹ رہا ہے۔
پھر وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا کہ آخر کون تھی جو ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گئی کہ
پھر اتنا ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملی۔ بہت سوچنے پر بھی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ سر جھٹک کر
قیس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''قیس خط تو لکھا کرو گے ناں؟۔''

''نہیں صرف جواب لکھوں گا۔''

''کیا مطلب؟۔''

''یعنی تمہارا خط آئے گا تو جواب لکھوں گا ورنہ نہیں۔''

''کیوں؟۔''

''اس لیے کہ میں خط لکھنے کا بہت چور ہوں۔''

''اور جواب لکھنے کا؟۔''

"جواب لکھنے میں میرا جواب نہیں۔"

"تمہارا ویسے بھی جواب نہیں یار۔" فیصل نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا وہ بھی ہنس دیا۔

اور پھر فیصل کے روانہ ہوتے ہی وہ چوہدری ملک جمشید علی سے اجازت لے کر اپنے گھر چلا آیا کہ اب وہاں رُکنے کا کوئی جواز نہ تھا۔



"بخت۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم مجھے اتنا بور کرو گی تو میں تمہارے ساتھ کبھی نہ آتی؟۔"

"کیوں' کیا ہوا؟۔"

"یوں گھر میں بند ہو کر بیٹھ گئی ہو جیسے توصیف لالا کی نہیں تمہاری شادی ہو رہی ہے رومیلہ چڑ کر بولی۔

"یار' کہاں چلیں؟۔"

"کتنا مزہ آیا تھا اس دن جب لڑکیوں کے ساتھ پنگھٹ پہ گئے تھے۔"

"اور مجھے جو اکیلے چھوڑ دیا تھا تم لوگوں نے' وہ یاد نہیں ہے۔ بس میں اسی لیے نہیں جاتی۔" بخت نے عذر تراشا اندر کہیں یہ خوف انگڑائیاں لیتا رہتا تھا کہ سرِراہ کہیں اس سے سامنا ہو گیا تو وہ اپنے آپ سے کیے گئے عہد فراموش نہ کر بیٹھے۔

"کمال ہے' اتنی سی بات پر تم گھر میں بیٹھ گئی ہو اور ساتھ میں مجھے بھی بور کر رہی ہو۔ بخت چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی ہوئی سوچنے لگی۔

"اب میں اسے کیسے بتاؤں کہ یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔"

"کیا سوچنے لگیں؟۔" رومیلہ نے اس کا کندھا جھنجوڑ کر پوچھنے لگی۔

"ہاں۔" وہ چونک گئی۔ "تم چلی جایا کرو ناں' بھاگ بھری وغیرہ کے ساتھ۔"

"کیوں' تمہارے پیروں میں مہندی لگی ہے کیا؟۔"

"میرا دل مت جلاؤ' میں تمہارے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی۔" اس کے اس طرح اصرار پر وہ مسکرا دی۔

"اچھا بابا چلوں گی' خفا کیوں ہوتی ہے؟۔" پھر ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔ "صاف صاف کیوں نہیں کہتیں کہ رانجھے کی تلاش میں ماری ماری پھرنا چاہتی ہو۔"

اس بات پر رومیلہ کی نظریں برآمدے میں اماں کے پاس بیٹھے سیف کے آس پاس بھٹکنے لگیں تو وہ بخت کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

"رانجھے کو کیا تلاش کرنا یار۔"

"کیوں' کیا تم نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"نہیں نصیب میں ہو گا تو آپ چل کر آ جائے گا۔"

"اسے دیکھ کر یوں ہی نہ دل ہار دینا۔ پہلے یہ یقین ضرور کر لینا کہ وہ اجڈ گنوار تو نہیں۔"

"تمہاری طرح بیوقوف نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں' تم سے بھی گئی گزری ہو۔" بخت نے شرارت سے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا تو جواب میں وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"بخت آ ور دھیے' ذرا میرا ہاتھ منہ تو دھلا دینا۔" ابا جی اندر آتے ہوئے بولے۔

"جی اچھا ابا جی۔" وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور جلدی سے لوٹے میں پانی بھر کر ان کے پاس لے آئی۔ ان کے ہاتھوں پر پانی گراتے ہوئے وہ پوچھنے لگی۔

"ابا جی' آپ تھک جاتے ہوں گے۔"

"نہ دھیے' تھکنا کیسا؟ مرد تو کام کرتے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ابا جی لیکن جب سیف ڈاکٹر بن جائے گا پھر آپ آرام سے گھر میں بیٹھیے گا۔"

"گھر بیٹھ کر کیا کروں گا؟۔" ابا جی اپنے کندھے سے چادر اتار کر اس سے منہ پونچھنے لگے۔

"توصیف لالا کے بچوں سے کھیلیے گا۔"

"میری جھلی دی' ابھی تو تجھے بھی ڈاکٹر بننا ہے اور تیرا خرچ میں سیف کے سر نہیں ڈالوں گا۔"

"کیوں ابا جی؟۔"

"تو باتیں بہت کرنے لگی ہے' دیکھ تیرا لالا بھی آتا ہی ہو گا۔ جلدی سے کھانا نکال دے۔" ابا جی اس کا سر ہلاتے ہوئے اندر کی طرف چلے گئے تو وہ رومیلہ کو اشارہ کرتی ہوئی باورچی خانے میں آ گئی رومیلہ بھی اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔

''رومیلہ۔لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی بور ہوگئی ہو۔'' اسے خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگی۔

''نہیں۔''

''اصل میں شہر کی نسبت یہاں سناٹا بھی تو ہے نا ٹریفک کا شور نہ بھاگتے دوڑتے لوگ، افراتفری' شاید تم خاموشی سے اکتا گئی ہو۔''

''نہیں' میرا خیال ہے مجھے یہ پرسکون ماحول زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔''

''اچھا ویسے ایک دو دن میں یہاں بھی ہنگامہ شروع ہونے والا ہے۔''

''کیسا ہنگامہ؟''

''توصیف لالا کی شادی کا' کل اماں اور ابا جی تاریخ رکھ کر آئیں گے ناں۔ پھر ڈھولک پر زور آزمائی شروع کر دیں گے۔''

''سچ۔؟'' رومیلہ خوش ہوگئی۔

''بالکل سچ' ٹھہرو میں ابا جی کو کھانا دے آؤں پھر بھاگ بھری کے گھر چلتے ہیں۔ اس سے کچھ گانے وانے سیکھ لیں گے۔''

تخت پوش پر دستر خوان بچھا کر اس نے ابا جی اور توصیف لالا کے لیے کھانا رکھ دیا اور اماں سے اجازت لے کر وہ رومیلہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔

اس دن کے بعد سے جس روز وہ اجنبی مسافر اچانک اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ آج گھر سے نکلی تھی' اس وقت بھی وہ بظاہر تو بڑے اطمینان سے چل رہی تھی لیکن اندر ہی اندر خوفزدہ تھی کہ کہیں کسی موڑ پر وہ پھر نہ اس کے سامنے آ کھڑا ہو۔ ہر موڑ پر وہ چونک جاتی اور اس کے ہاتھ کی گرفت رومیلہ کے ہاتھ پر سخت ہو جاتی وہ تو شکر ہوا کہ رومیلہ اپنی باتوں میں مگن تھی ورنہ۔۔فوراً تاڑ جاتی۔

بھاگ بھری کے گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے اطمینان کی سانس لی اور چہرے سے چادر ہٹا دی۔ بھاگ بھری ان دونوں کو اپنے گھر دیکھ کر بے طرح خوش ہوگئی۔ اور جلدی سے کھیس لا کر چار پائی پر بچھانے لگی۔

''ارے ارے بھاگ بھری' یہ کیا کر رہی ہو؟ ہم ایسے ہی بیٹھ جائیں گے۔'' بخت کے ٹوکنے کے باوجود اس نے جلدی سے کھیس بچھا دیا۔

''بیٹھو' میں تمہارے لیے لسی لے کر آتی ہوں۔''

''یہ مہمانداری پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھو' اس وقت ہم تمہارے پاس ایک کام سے آئے ہیں۔''

''کام بھی ہو جائے گا بخت آوری' پہلے تو بیٹھ تو سہی۔ اتنے دنوں کے بعد آئی ہے اور پھر تیری سہیلی تو پہلی دفعہ میرے گھر آئی ہے۔ پہلے میں اس کے لیے لسی لے آؤں۔ پھر تیری بات سنوں گی۔'' اپنی بات کہہ کر وہ چھپاک سے اندر کہیں غائب ہوگئی۔

''بخت۔اس کے گھر والے کہاں ہیں؟'' رومیلہ ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''صرف ایک اماں ہے جو اس وقت کسی کھیت میں کام کر رہی ہوگی۔ بہت چھوٹی سی تھی' میرا خیال ہے چار یا پانچ ماہ کی جب کھیتوں پر کام کرتے ہوئے اس کے باپ کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور فوری طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے بے چارہ انتقال کر گیا۔''

''اوہ۔تو یہ سارا دن اکیلی رہتی ہے؟''

''ہاں۔''

''اسے ڈر نہیں لگتا؟۔''

''ڈر کیسا' یہاں سب لوگ اپنوں کی طرح رہتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ بھاگ بھری اکیلی ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر لڑکیاں دن میں اپنا اپنا کام لے کر یہیں آ جاتی ہیں اور پھر بڑی عورتیں بھی وقتاً فوقتاً اس کی خبر گیری کرتی رہتی ہیں۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔'' رومیلہ سچ مچ بڑی متاثر ہوئی۔'' اگر شہر میں کوئی لڑکی اس طرح اکیلی رہتی ہے تو سب سے پہلے تو محلے والے ہی سو طرح کے الزامات لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور زمانے بھر کے آوارہ لڑکے اس کے دروازہ پر کھڑا ہونا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔''

''ہاں۔شکر ہے گاؤں میں ابھی یہ سب باتیں نہیں ہوتیں۔''

بھاگ بھری تانبے کے بڑے بڑے گلاسوں میں لسی بھر کر لے آئی تو دونوں اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''بھاگ بھری' تم نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔''

''لو اس میں تکلیف کی کیا بات ہے؟''۔ وہ ان کے ہاتھوں میں گلاس تھما کر خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔''اب بتاؤ کس کام سے آئی ہو؟۔''

''کام تو نہیں ہے بھاگ بھری' اصل میں کل توصیف لالا کی شادی کی تاریخ پڑ رہی

ہے۔ ہم نے سوچا تم سے کچھ ماہیے وغیرہ سیکھ لیں۔"

"ہائے بخت آوری، تجھے نہیں آتے۔"

"آتے تو ہیں پر تھوڑے جیسے۔

ع جتھے ماہی یاد آوے اوتھے بہ کے رو لینا

"اب پتا نہیں کہ اس سے پہلے کیا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بخت آوری، تو تو شہر جا کر سب کچھ بھول گئی ہے۔ یاد نہیں ہے چاچے رشید کی شادی پر ہم نے ٹپے گائے تھے۔"

"ہاں چاچے رشید کی شادی تو یاد ہے، پر ٹپے یاد نہیں۔"

"بھاگ بھری، تم اسے کیا کیا یاد دلاؤ گی، اگلی مرتبہ جب یہ آئے گی تو تمہیں بھی بھول چکی ہوگی۔"

"ہیں بخت آور!" وہ سادہ لوح سی لڑکی رومیلہ کی بات کا یقین کر گئی۔

"تم بھی کس کی باتوں میں آ گئی ہو بھاگ بھری، میں بھلا تمہیں بھول سکتی ہوں۔" پھر وہ رومیلہ سے کہنے لگی۔ "یار کمال کرتی ہو۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو، چلو بھاگ بھری، تم ٹپے یا ماہیے جو بھی ہیں گاؤ، ہم تمہارے ساتھ آواز ملائیں گے۔" رومیلہ نے فوراً موضوع بدل کر ہلکے ہلکے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔

بھاگ بھری کو بہت سارے گیت یاد تھے۔ وہ ایک کے بعد ایک گاتی چلی گئی۔ کہیں کہیں وہ دونوں بھی گانے لگتیں جہاں بھول جاتیں تو صرف ہونٹ ہلا کر رہ جاتیں۔ جبکہ بھاگ بھری لہک لہک کر گا رہی تھی کہ۔

ع میں منڈا او لینا جیہڑا سہرے وچوں اکھ مارے

تو رومیلہ کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہوگیا۔

"تم کیوں ہنستی ہو؟" وہ ہاتھ روک کر پوچھنے لگی۔

"سنو، جو کچھ تم گا رہی ہو۔ اس کا مطلب بھی سمجھتی ہو؟"

"ہاں، اچھی طرح سمجھتی ہوں، رومیلہ بہن جب تک مطلب نہ پتا ہو، گانے کا مزا ہی نہیں

آتا۔"

"یہ تو تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔" رومیلہ اس کی بات کی قائل ہوگئی۔

"کیا خیال ہے رومی، چلیں؟"

"کیوں، تمہیں بڑی جلدی ہے جانے کی؟" رومیلہ سے پہلے بھاگ بھری بول پڑی۔

"نہیں، اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔ ہم پھر آئیں گے۔" بخت فوراً چارپائی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ رومیلہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

"بخت، بیٹھو نا، کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں، پھر بہت دیر ہو جائے گی۔ کل تم سب ضرور آنا۔"

"ضرور آئیں گے، جیسے تیرا لالا ویسے ہمارا۔"

"اچھا تو خدا حافظ۔" بھاگ بھری انہیں دروازے تک چھوڑنے آئی۔

دروازے سے باہر نکلتے ہی بخت آور نے پھر چادر چہرے تک آگے تک کھینچ لی۔ واپسی میں اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ کھلے میدان سے گزرتے ہوئے رومیلہ نے دیکھا، میدان کے آخری سرے پر ایک جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی نیم کا گھنا درخت تھا۔ اس کی چھاؤں میں دو مٹکے رکھے تھے۔ قریب ہی ایک بلی بیٹھی تھی۔ وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"بخت، وہاں کون رہتا ہے؟"

"وہاں ماسی بشیراں رہتی ہے۔"

"وہ کون ہیں؟"

"پتا نہیں۔ میں خود نہیں جانتی۔ ہاں بچپن سے انہیں دیکھ رہی ہوں۔ وہ اس جھونپڑی میں اکیلی رہتی ہیں۔" پھر ذرا رک رک کر کہنے لگی۔ "ویسے رومیلہ، ماسی بشیراں کو ہاتھ دیکھنے میں کمال حاصل ہے۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔"

"چلو، چلتے ہیں۔"

"نہیں یار، پھر کسی وقت چلیں گے۔" بخت نے ٹالنا چاہا۔

"نہیں، پھر ہمیں یاد نہیں رہے گا، ابھی چلو۔" رومیلہ بڑے اصرار سے بولی۔

"چلو۔" بخت ہار مانتی ہوئی بولی۔ "لیکن ان سے پوچھو گی کیا؟"

"یہی کہ میرے نصیب میں رانجھا ہے کہ نہیں۔"

"یہ میں بتا دیتی ہوں۔"

"نہیں، میں ان ہی سے پوچھوں گی۔"

"بڑی بے ایمان ہو، چلو جلدی۔ پھر گھر بھی جانا ہے۔"

دونوں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی میدان عبور کر کے ماسی بشیراں کی جھونپڑی کے پاس آ گئیں۔

"ماسی بشیراں۔! ماسی بشیراں۔!" بخت نیم کے درخت کے پاس رک کر انہیں آوازیں دینے لگی۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک بوڑھی آواز آئی۔

"میں ہوں ماسی بشیراں، بخت آور۔"

"بختی۔ میڈی دھی۔ تو آئی ہے؟۔ آ میرے پاس آ۔" ماسی بشیراں جھونپڑی کے دروازے پر نمودار ہوتی ہوئی بولیں تو بخت جلدی سے قدم بڑھا کر ان کے سینے سے جا لگی۔

ماسی بشیراں جس طرح والہانہ انداز سے بخت کی پیشانی چوم رہی تھیں اس سے رومیلہ سوچنے لگی، شاید اللہ میاں نے یہاں کی مٹی میں محبت کی چاشنیاں زیادہ ہی سمو دی ہیں۔ جب ہی یہاں کا ہر شخص اپنے اندر محبتوں کا ایسا خزانہ چھپائے ہوئے ہے، جسے وہ سب پر بے دریغ لٹاتا ہے، پھر بھی اس میں کمی نہیں ہوتی۔

"ماسی بشیراں، یہ میری سہیلی ہے۔ یہ شہر سے آئی ہے میرے ساتھ۔"

"اچھا ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔" انہوں نے اسے بھی بہت محبت سے سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی چوم کر ڈھیروں دعائیں دیں۔

"تم دونوں اندر آ جاؤ۔"

"نہیں ماسی، ہم یہیں بیٹھیں گے نیم کی چھاؤں میں۔" بخت نے آگے بڑھ کر درخت کے ساتھ کھڑی چارپائی بچھا دی۔

"جیسے تیری مرضی۔" وہ اُن دونوں کے ساتھ بیٹھتی ہوئی پوچھنے لگیں۔ "تیرے گھر میں تو سب بھلے چنگے ہیں ناں بخت آوری۔"

"ہاں ماسی، سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ توصیف لالا کی شادی ہو رہی ہے نا۔"

"اچھا تو کب ہے؟۔ میرا تو کئی دن سے ادھر جانا ہی نہیں ہوا۔"

"کل تاریخ پڑ جائے گی۔"

"میرا رب سائیں ساتھ خیریت بنائے اسے اپنے گھر بار کا کرے اور پتر سیف کی بھی کہیں بات کی؟۔"

"نہیں ماسی، ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے۔"

رومیلہ اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر اشارہ کرنے لگی تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ماسی کے آگے کرتی ہوئی بولی۔

"ماسی، ذرا میری سہیلی کا ہاتھ تو دیکھو۔"

ماسی بشیراں نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں کے سامنے کر لیا۔ کچھ دیر تک وہ غور سے اس کا ہاتھ دیکھتی رہیں۔ پھر اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہنے لگیں۔

"پتر، زندگی میں دکھ سکھ آتے ہی رہتے ہیں۔ کوئی انسان ہمیشہ دکھی نہیں رہتا۔ اسی طرح کوئی بھی دُکھی نہیں رہتا ہر تکلیف کے بعد خوشی ضرور ملتی ہے۔ رب سائیں سے اچھی امید رکھنا۔ وہ ضرور تیرے لیے بہتر کرے گا۔"

وہ چاپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"اور پتر، خوشیوں کی کھوج میں بھاگنا چھوڑ دے۔ یہ آپ تیرے در پر دستک دیں گی۔"

"کب ماسی؟" بخت پوچھنے لگی۔

"بہت جلدی۔" رومیلہ نے اپنی مٹھی سختی سے بند کر لی۔

"بخت آور، تو بھی ہاتھ دکھائے گی۔"

"نہیں ماسی۔"

"کیوں نہیں، چلو دکھاؤ۔" رومیلہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ان کے سامنے کر دیا۔ ماسی بشیراں بڑے انہماک سے اس کا ہاتھ دیکھنے لگیں۔ پھر اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولیں۔

"ہائے ری بخت آوری، کیسا نصیب لے کر پیدا ہوئی ہے تو؟۔"

"کیوں، کیا ہوا ماسی؟۔" وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"چل رب سچا بھلا کرے گا، پریشان نہ ہو۔" ماسی نے اس کی مٹھی بند کرتے ہوئے تسلی

بھی دے ڈالی۔

''نہیں ماسی بشیراں، بتاؤ تو کیا بات ہے؟۔'' وہ جاننے کو بے قرار تھی۔

''کوئی بات نہیں ہے دھیے، بس سب ٹھیک ہے، سب خیر ہے، چلو اب تم دونوں جاؤ. اکیلی لڑکیاں ہو اندھیرا بڑھنے سے پہلے گھر پہنچ جاؤ۔'' اپنی بات کہہ کر ماسی بشیراں اٹھ کھڑی ہوئیں تو مجبوراً ان دونوں کو بھی اٹھنا پڑا۔



توصیف لالا کی شادی میں بہت زیادہ دھوم دھڑکا نہ تھا۔ پھر بھی بخت آور اور رومیلہ نے بہت انجوائے کیا۔ گاؤں کی بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ مل کر دونوں نے ماہیے گائے اور ملتانی جھومر ڈالی۔ یہ شادی جہاں سب کے لیے یادگار رہی، وہاں رومیلہ اور سیف کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا سبب بھی بنی۔ اتنی خاموشی سے دونوں نے عہد و پیمان باندھے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ بخت آور تک رومیلہ کے ہونٹوں پر سجی شرمیلی مسکان دیکھ کر نہ جان سکی کہ اس کی زندگی میں کوئی موڑ آ چکا ہے۔ وہ تو اتفاقاً توصیف لالا کے ولیمے کے روز گھر کے پچھواڑے بنے چھوٹے سے آنگن میں وہ کسی کام سے گئی تو وہاں ان دونوں کو کھڑے دیکھ کر پہلے تو وہ ٹھٹکی پھر ہنستی ہوئی ان کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔

''یہاں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟''

اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر دونوں سخت شرمندہ ہوئے۔ اور کوئی ایسا بہانہ ڈھونڈ نے لگے۔ جس سے اسے مطمئن کیا جا سکے۔ لیکن فوری طور پر انہیں کوئی بات سمجھ نہیں آئی۔ توصیف اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، کے مصداق اس پر بگڑنے لگا۔

''تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟''

''تم دونوں کو شریک راز بننے۔'' وہ اس کے بگڑنے کا نوٹس لیے بغیر اطمینان سے بولی۔

''کیا مطلب؟''

''انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میری مدد کے بغیر اس تک نہیں پہنچ سکو گے اور اب میں جا رہی ہوں۔ جب تک میرے سامنے ناک نہیں رگڑو گے، میں تمہاری مدد کرنے کا کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔'' وہ خفا ہو کر جانے لگی تو توصیف نے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑ لی۔

''میری پیاری بلکہ بہت ہی پیاری بہن۔''

"نہ۔نہ۔ مجھے جانے دو۔" وہ اکڑ گئی۔

"کیا سچ مچ ناراض ہو گئی ہو؟"

سچ مچ تم سے ناراض ہو سکتی ہوں بھلا۔" وہ ہنس پڑی۔

رومیلا دلچسپی سے دونوں کی نوک جھونک دیکھ رہی تھی کہ بخت، سیف سے بات کرتے کرتے اچانک اس کی طرف گھوم کر بولی۔

"بڑی بے ایمان ہو۔" تم سے تو میں نمٹ لوں گی۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

"گویا کچھ کیا ہی نہیں میرے سیدھے سادھے ویر کو۔"

"سب کو اپنا ویر سیدھا لگتا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔

"بس بس، تم دونوں ابھی سے مت لڑنا شروع کر دو۔" سیف نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو بولنے سے روک دیا تو دونوں بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"ہم لڑ تو نہیں رہے۔"

"پھر یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"وہ تو میں اپنی بھرجائی سے مذاق کر رہی تھی۔" بخت شرارت سے رومیلہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تو وہ چیخ پڑی۔

"کیا کیا؟"

"ٹھیک تو کہہ رہی ہے۔" سیف بھی تھوڑا شوخ ہو گیا۔

"تم دونوں بہت خراب ہو۔ میں بات نہیں کروں گی۔ اس کی گلابی رنگت میں گھلتی حیا کی سرخی اسے مزید حسین بنا رہی تھی۔ اس پر سیف کی والہانہ نظریں، وہ زیادہ دیر وہاں کھڑی نہ رہ سکی۔ اور بخت کو دھکیلتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔ کچھ دیر تک دونوں بہن بھائی خاموش کھڑے رہے۔ شاید دونوں ہی ایک دوسرے کے بولنے کے منتظر تھے۔ جب خاموشی طویل ہونے لگی تب بخت نے بولنے میں پہل کی۔

"سیف، تم رومیلہ سے مذاق تو نہیں کر رہے؟"

"کیسا مذاق؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

"بھائی، وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ اگر تم سچ مچ اس کے لیے سنجیدہ ہو تو مجھے بتا

دو۔ میں اماں سے بات کروں گی۔ دوسری صورت میں میں تمہیں اس کے جذبوں سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گی۔"

"بخت، تُو نے اپنے ویر کو اتنا گرا ہوا سمجھا ہے کہ وہ گھر آئی مہمان کے ساتھ محض دل لگی کرے گا۔"

"تم شاید برا مان گئے۔ اصل میں بات یہ ہے سیف کہ رومیلہ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی اکیلی ہے۔ پہلے وہ صرف میری دوست تھی۔ لیکن جب سے مجھے اس کے حالات معلوم ہوئے ہیں، وہ مجھے بے حد عزیز ہو گئی ہے۔ اور میں اس کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی برداشت نہیں کروں گی۔ تم نے اگر اسے سائبان دینے کا وعدہ کیا ہے تو پورا کرنا بیچ منجدھار میں چھوڑ دو گے تو اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی کھو دو گے۔"

"بیوقوف سیف جو عہد کرتا ہے، اسے پورا کرتا ہے۔ یہ بات تم سمجھ بھی لو اور اپنی سہیلی کو بھی سمجھا دینا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا ایک عزم سے بولا۔

"اسے تو میں بعد میں سمجھاؤں گی، پہلے اماں سے کہتی ہوں چھوٹے کی بھی فکر کریں۔"

"اے پگلی، ابھی اماں سے کچھ مت کہنا۔"

"کیوں؟"

"ایک ہی سال تو ہے مجھے ڈاکٹر بننے میں۔ بن جاؤں پھر بات کرنا۔"

"اگر اس دوران اماں نے کہیں اور آپ کی بات کر لی تب۔"

"نہیں اماں ایسا نہیں کریں گی۔ میں ان سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے مشورہ کیے بغیر وہ میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔ ویسے تم اپنی طرف سے اماں سے بات کر لینا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی کہہ دینا کہ تم اپنی سہیلی کو میرے لیے پسند کر چکی ہو۔"

"واہ، بڑے استاد ہو تم۔"

"تعریف بعد میں کرنا، یہ بتاؤ کہہ دو گی نا؟"

"کہہ دوں گی، تم بھی کیا یاد کرو گے۔" وہ احسان کرتی ہوئی بولی۔

"چلو، اب اندر جاؤ۔ ایسا نہ ہو اماں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو جائیں۔"

"تم نہیں چلو گے؟"

''میں بھی آ رہا ہوں تم چلو۔'' اس نے کہا تو بخت اندر آ گئی۔
رومیلہ، دلہن بنی زینت کے پاس بیٹھی اس کے حنائی ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں ۔
جانے کیا کہہ رہی تھی کہ بخت کے آنے پر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔
''بخت، بھابھی زینت کے ہاتھ کتنے خوبصورت ہیں۔ اگر ان پر مہندی سے ڈیزا
بنائے جاتے تو اور خوبصورت لگتے۔''
''ڈیزائنز بنانے کے لیے عمر پڑی ہے رومیلہ لیکن یہ مہندی صرف ایک بار لگتی ہے۔ دی
نا، اب اسے اُترتے اُترتے بھی وقت لگے گا۔ جب تک بھرجائی زینت کے ہاتھوں پر مہندی
رنگ رہے گا۔ تب تک ان کے وجود سے ہی نہیں پورے گھر سے حنا کی مہک آتی رہے گی۔''
''ہاں، یہ تو ہے۔'' رومیلہ اس کی بات کی قائل ہو گئی۔
''تمہیں بھی ہم ایسے ہی مہندی لگائیں گے یہ مت سمجھنا کہ۔''
''بخت۔'' رومیلہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسی وقت سیف اندر آ گیا۔ اس
ساتھ نواز کو دیکھ کر بخت سر پر دوپٹہ جماتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
''السلام علیکم بھائی نواز۔''
''کیسی ہے تو بخت آور؟''
''اللہ کا شکر ہے۔ آپ بیٹھیے۔''
''بس' میں ذرا بھرجائی کو دیکھنے آیا تھا۔''
''ہاں ضرور دیکھیے۔'' بخت نے زینت کے چہرے سے آنچل کھسکا دیا اور اسے بتا
لگی۔ ''بھرجائی زینت' یہ خالہ طاہرہ کے بیٹے ہیں نواز۔''
نواز نے سلامی کے روپے زینت کے ہاتھوں میں رکھے اور پلٹ کر سیف سے کہنے لگا
''اچھا سیف' میں چلتا ہوں۔ شام میں اماں کو لینے آؤں گا تو ملاقات ہو گی۔''
''بھائی نواز! ابھی تو آپ آئے ہیں۔ کھانا کھا کر جائیے گا۔''
''اگر کام نہ ہوتا تو ضرور رک جاتا۔ شام میں انشاء اللہ اطمینان سے تمہارے پاس بیٹھوا
گا۔''
''اچھا چلیے پھر آپ کو بسوں کے اڈے پر چھوڑ آتا ہوں۔''
''ارے نہیں سیف' میں چلا جاؤں گا' اچھا رب راکھا۔'' نواز' سیف کے کندھوں پر ہا

رکھے کمرے سے نکل گیا تو رومیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بخت کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اور
اس کا ہاتھ دباتی ہوئی سرگوشی میں پوچھنے لگی۔
''اے یہ گھبرو جوان کون تھا؟''
''میرا خالہ زاد۔''
''کچھ پڑھا لکھا بھی ہے۔''
''نہیں' تم اسے اجڈ گنوار کہہ سکتی ہو۔''
''میں کیوں کہوں جبکہ ایسا حسن ایسی وجاہت تو میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی۔''
''بتاؤں سیف کو؟'' بخت کے دھمکی دینے پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
''یار اچھی چیز کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہے اور سچ کہوں بخت آور ایسے اجڈ گنوار کے پیرو
باؤ گی تو مجھے افسوس نہیں ہو گا۔''
''لعنت ہو تم پر۔'' بخت اس کی کمر پر زور سے ہاتھ مارتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔
پھر ابھی وہ دونوں ٹھیک طرح سے شادی کی تھکن اتار بھی نہ سکی تھیں کہ ان کا رزلٹ آ گیا
اور وہ جی بھر کر آرام کرنے کی حسرت دل میں لیے واپس آ گئیں۔
شروع شروع میں دونوں بڑی شدت سے گھر کو یاد کرتی رہیں۔ پھر جب باقاعدگی سے
کلاسز شروع ہوئیں تو وہ بھی سنجیدگی سے پڑھائی پر توجہ دینے لگیں۔ زندگی معمول پر آ کر تھوڑی
یکسانیت کا شکار ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی دونوں جب انتہائی بوریت محسوس کرتیں تو شام کے وقت
ہاسٹل کی حدود سے نکل کر نشتر روڈ پر آ جاتیں۔ اور جب شام کے سائے گہرے ہونے لگتے تو وہ
اپنے قدم واپسی کے لیے موڑ لیتیں۔
مختلف موضوعات پر باتیں کرتے ہوئے جب ان کے قدم واپسی کے لیے مڑتے تو ان
کی باتوں کا رخ گاؤں کی طرف مڑ جاتا۔ ابا جی' اماں' توصیف لالا اور بھرجائی زینت' سب
کے بارے میں وہ ڈھیروں باتیں کرتیں۔ اور آخر میں سیف کو باتیں کرتے ہوئے رومیلہ اپنے
قدموں کی رفتار سست کر دیتی۔ وہ جانتی تھی ہاسٹل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ان کا موضوع
بدل جائے گا۔ اس لیے وہ آہستہ قدموں سے چل کر راستہ طویل کر دینا چاہتی تا کہ زیادہ سے
زیادہ سیف کی باتیں کر سکے۔
اس روز بھی وہ اپنی باتوں میں اتنی مگن تھیں کہ انہیں احساس ہی نہیں ہوا اور دونوں باتیں

کرتی ہوئی ہوٹل پرنس سے بائیں جانب اندر کی جانب الرحیم کالونی میں داخل ہوگئیں۔ کالو
قدرے پرسکون تھی۔ اس لیے وہ آزادی سے چلتی ہوئی طویل سڑک کے آخری سرے تک
پہنچیں اور جب گھروں میں بتیاں جلنا شروع ہوگئیں تو انہیں احساس ہوا۔ وہ جلدی سے واپ
کے لیے پلٹیں۔

ہوٹل پرنس کے وسیع لان میں شاید کوئی فنکشن ہو رہا تھا۔ انہوں نے ذرا دیر کو رک
دیکھا۔ اسٹیج پر ایک لڑکا مائیک ہاتھ میں لیے کوئی لطیفہ سنا رہا تھا۔ بخت نے رومیلہ کا ہاتھ دبا
چلنے کا اشارہ کیا تو رومیلہ بجائے اپنے راستے پر چلنے کے اس کا ہاتھ پکڑ کر لان کے اندر داخل
گئی۔

"یہاں کہاں جا رہی ہو؟"

"رکو، تھوڑا سا پروگرام دیکھتے ہیں، پھر چلیں گے۔" رومیلہ بیٹھنے کے لیے خالی جگہ تلا
کرتی ہوئی بولی تو وہ چڑ گئی۔

"یہ ہمارے مامے کا ہوٹل نہیں ہے۔ جو تم یوں بغیر اجازت اندر آ گئی ہوں۔"

"اجازت کی کیا ضرورت ہے؟" پھر وہ دوسری لائن میں خالی کرسیوں کی طرف اشا
کرتی ہوئی کہنے لگی۔ "چلو ادھر جگہ خالی ہے۔"

"نہیں بھئی! اگر کسی نے اٹھا دیا تو بڑی بے عزتی ہوتی۔"

"کسی کی ہمت ہے اٹھانے کی، تم چلو تو۔" وہ اسے زبردستی گھسیٹتی ہوئی اطمینان سے
ل جا بیٹھی۔

"رومیلہ! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں، ہم کس کی جگہ پر آ بیٹھے ہیں اور پھر اندھیرا بھی بڑھ گیا ہے۔ واپسی میں وارڈ
سے کیا بہانہ کریں گے۔ میری مانو تو چلی چلو۔"

"بکومت، چپ چاپ بیٹھی رہو۔ اتنا اچھا موقع بار بار تھوڑی ملتا ہے اور اگر تمہیں اتنی
جلدی ہے تو ایک دو آئٹم دیکھ کر چلے چلیں گے۔"

"وارڈن سے کیا کہو گی؟"

"کچھ بھی کہہ دوں گی، تم اس کی فکر مت کرو۔"

اسی وقت اسٹیج پر جانے کس کا نام پکارا گیا۔ انہوں نے اپنی باتوں میں سنا ہی نہیں اور
ابھی بخت کچھ اور کہنا ہی چاہتی تھی کہ رومیلہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہو جانے
کے لیے کہا اور پھر اسٹیج کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے بادل نخواستہ اسٹیج کی طرف دیکھا اور پھر
ایک دم اس کی آنکھوں میں ڈھیر ساری حیرانی اتر آئی۔ اس کے آس پاس یہاں سے وہاں
تک جیسے ایک ہی صدا تھی۔

میں قیس ہوں۔ قیس۔ قیس۔

اپنی حیرانی میں اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ اسٹیج پر کھڑا قیس بڑی بے یقینی سے اسے دیکھ
رہا تھا۔ یقین کی منزلیں طے کرنے میں جانے کتنے لمحے سرک گئے کہ اچانک آرکسٹرا کے بجنے
سے دونوں اپنی اپنی جگہ چونک گئے۔

قیس نے ایک نظر سامنے بیٹھے لوگوں پر ڈالی اور پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکے سے
مسکرا دیا۔ دوسرے لمحے اس کی خوبصورت آواز فضا میں بکھرنے لگی۔ وہ اپنے گیت کے ذریعے
اسے وہ سنہری شام یاد دلانے لگا۔ جب اپنی گاگر سے پانی پلا کر وہ نہ صرف اسے پیاسا چھوڑ گئی
تھی بلکہ اپنا اسیر بھی کر گئی تھی اور وہ انجان بنتے بنتے بھی گلابی پڑتی جا رہی تھی۔ قیس کی نظریں
مسلسل اسی پر جمی تھیں۔ اسے ڈر تھا کہ اگر لمحے بھر کو بھی اس نے نظروں کا زاویہ بدلا تو وہ پھر
کہیں کھو جائے گی اور اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

بخت جانتی تھی کہ قیس کی نظریں اسے جن راہوں پر چلنے کی دعوت دے رہی تھیں، ان
راہوں پر اس کے لیے سنگریزوں کے سوا کچھ نہیں اور اگر وہ اس کی راہوں کے سنگریزے چن
بھی لے تب بھی وہ اپنے اندر اتنا حوصلہ نہیں پاتی کہ اپنی برادری اور اپنے چاہنے والوں سے
کٹ کر زندگی گزار سکے۔ اس نے سوچا جن رستوں کا یہ راہی ہے ان کی مسافت شاید میرا مقدر
ہی نہیں۔

قیس اسے دیکھتے ہوئے بے اختیار ہوا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہ شام اتر آئی
جب کنوئیں کی منڈیر کے پاس وہ پیاسا کھڑا تھا۔ تب بھی اس کی آنکھوں میں ٹھہری کچھ پا لینے
کی چمک نے اسے بے اختیار کیا تھا کہ اگلے کئی دن تک وہ اس کے سحر سے آزاد نہ ہو پائی تھی۔
پھر بڑی مشکلوں سے اس نے اپنے آپ کو اس کی جستجو سے روکا تھا اور اب پھر وہ سامنے کھڑا
اسے وہ دن یاد دلا رہا تھا کہ وہ ہزار کوشش کے باوجود دامن دل کو بچا نہ پا رہی تھی۔ اس کے اندر

ایک شور سا برپا ہو گیا تھا جس سے گھبرا کر وہ رومیلہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس سے پہلے کہ رومیلہ اسے روکتی' وہ اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے اسے کھینچتی ہوئی لان سے باہر نکل آئی۔

قیس اسے اٹھتا دیکھ کر تھوڑا حیران ہوا پھر اگلے ہی لمحے اس نے مائک ہاتھ سے رکھ اور تیزی سے اسٹیج کے پچھلی طرف اتر گیا۔

جیسے ہی وہ دونوں ہوٹل پرنس کا درمیانی راستہ طے کر دائیں جانب مڑیں وہ جانے کس طرف سے نکل کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ ذرا میری بات سنیں گی؟''

''ہم خود اس وقت خالی ہاتھ ہیں۔ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔'' رومیلہ سر سے پیر تک اسے دیکھتی ہوئی شرارت سے بولی۔

''کیا میں آپ کو بھکاری نظر آتا ہوں؟''

''آپ تو اور بھی بہت کچھ نظر آتے ہیں۔ لیکن اس وقت ہم ذرا جلدی میں ہیں تفصیل میں نہیں جا سکتے۔ پھر کبھی ملاقات ہو جائے گی خدا حافظ۔'' وہ جیسے ہی مڑنے لگیں وہ فوراً ان کے سامنے آ گیا۔

''مجھے ان سے بات کرنی ہے۔'' وہ بخت کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا تو بخت مدد طلب نظروں رومیلہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا بات کرنی ہے؟''

وہ رومیلہ کی بات نظر انداز کرتا ہوا بخت کی طرف جھک کر بڑی بے تابی سے پوچھنے لگا۔

''آپ وہی ہیں ناں۔ وہی جس نے اپنی گاگر سے میری پیاس بجھائی تھی؟''

وہ سدا کی کمزور اور بزدل لڑکی ایک دم بہت زیادہ پریشان ہو گئی۔

''کیا آپ اس گاؤں میں نہیں رہتیں چوہدری ملک جمشید علی کے گاؤں میں۔ میں نے آپ کو بہت ڈھونڈا کہاں چلی گئی تھیں آپ؟ کہ میں آپ کی دید کی حسرت لیے چلا آیا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟'' ساری ہمتیں مجتمع کر کے وہ بس یہی کہہ سکی۔

''شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔'' وہ بجھ کر رہ گیا۔

''میں نے آپ کو واقعی نہیں پہچانا۔'' وہ بھی تھوڑا سنبھل گئی تھی۔

''حیرت ہے میں تو اس روز سے اب تک ایک لمحے کو بھی آپ کو فراموش نہ کر سکا۔ اور آپ۔''

رومیلہ بات کی گہرائی کو نہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ کچھ سمجھ گئی کہ معاملہ کیا ہے اور اس کے ہاتھ میں دبے بخت آور کے سرد ہاتھ نے اسے بولنے پر مجبور کر دیا۔

''مسٹر تعارف حاصل کرنے کا یہ پرانا طریقہ ہے۔''

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''ہم کچھ نہیں سمجھ رہے۔ آپ برائے مہربانی ہمارا راستہ چھوڑ دیں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ بخت کو اشارہ کر کے چل پڑی۔ اور وہ کتنی دیر تک وہیں کھڑا ایک بار پھر اسے اوجھل ہوتے دیکھتا رہا۔

اپنے کمرے میں آتے ہی رومیلہ اس کے سر ہو گئی۔'' سنو بغیر کسی کومے یا فل اسٹاپ کے فوراً شروع ہو جاؤ۔''

''کیا مطلب؟'' وہ نظریں چراتی ہوئی انجان بننے کی کوشش کرنے لگی۔

''دیکھو مجھے چکر دینے کی کوشش مت کرو۔ میں اس سے تمہیں بچا کر لے آئی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم مجھ سے بھی بچ جاؤ گی۔ سیدھی طرح بتاؤ معاملہ کیا ہے؟''

بخت سمجھ گئی وہ رومیلہ سے نہیں بچ سکتی۔ اس لیے اس نے اسے پانی پلانے والا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ساری بات سن کر وہ کہنے لگی۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''ایسی کوئی بتانے والی بات تو نہ تھی۔''

''تمہارے لیے نہ تھی لیکن وہ تو اب تک تمہاری گاگر کو یاد رکھے ہوئے ہے۔''

''صرف گاگر کو'' جانے یہ قیس کے جذبوں کی زورآوری تھی یا رومیلہ کی محبت کا اثر کہ تھوڑی شوخی بخت کی ذات میں سمٹ کر اس کے ہونٹوں پر چھلک آئی تھی۔

''نہیں گاگر کا تو بہانہ ہے ورنہ گوری کی سندرتا سے کون انکار کر سکتا ہے۔'' پھر ذرا توقف کے بعد بولی۔ ''تم نے اسے پہچاننے سے انکار کیوں کیا؟''

''کیا کرتی پہچان کر؟''

''دوستی۔''

''رومیلہ' تم جانتی ہو میرے گھر اور میرے ماحول کو پھر بھی ایسی بات کرتی ہو۔''

''تم نے تو خوامخواہ اپنے ماحول کو ہوا بنا لیا ہوا ہے۔ ورنہ میں نے خود دیکھا ہے تو صا
لالا کی شادی میں بھاگ بھری اور محمد حسین کس طرح سب کی نظر بچا کر چھت پر چڑھ جاتے
اور وہ شاداں اسے دیکھا تھا تم نے پانی بھرتے بھرتے کیسے کنوئیں کی منڈیر کے پیچھے غائب
جاتی تھی۔''

''وہ سب اپنے ہیں رومیلہ' ایک ہی برادری کے ایک ہی گاؤں کے وہ اگر چھت پر چ
جاتے تو انہیں یہ خوف نہیں تھا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑ
گے۔ بلکہ ایک طرح کا حجاب تھا جو انہیں سب کے سامنے بات کرنے سے روکتا تھا اور لی
کرو بھاگ بھری محمد حسین کے سپنے دیکھتے ہوئے کبھی خوفزدہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسے یقین
کہ محمد حسین اسے کبھی دھوکا نہیں دے گا۔ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ اور اگر کبھی محمد حس
نے اسے بیچ منجدھار میں چھوڑنے کی غلطی کی تو جانتی ہو کیا ہوگا۔ سارا گاؤں بھاگ بھری کا
پرست بن کر محمد حسین کو ایسی سزا دے گا کہ پھر کبھی اس گاؤں کے کسی نوجوان کو ایسی حرک
کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اس کے برعکس قیس کا تصور میری پلکوں پر اترتے ہی ہزار ہا اند
میرے اندر آ سمائیں گے۔ اور پھر کون جانے رومیلہ وہ میرا نصیب ہے بھی یا نہیں میں
آنکھیں بند کر کے رسوائیاں اپنا مقدر کیوں کروں؟۔''

''تم نے تو ساری باتیں خود ہی فرض کر لی ہیں بخت' تم تعلیم یافتہ لڑکی ہو۔ ہو سکتا ہے
کے پیش نظر تمہارے گاؤں والے۔''

''نہیں رومیلہ' تم نہیں سمجھتیں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑی۔ ''
ایسی کوئی بات ہوگی تو میری تعلیم ہی میرے لیے الزام بن جائے گی۔ گاؤں والے جو پہلے
اس حق میں نہ تھے کہ میں اپنے گھر سے اتنی دور آ کر تعلیم حاصل کروں۔ اس کے بعد تو وہ
صرف میرے لیے اپنے دروازے بند کر دیں گے بلکہ میرے گھر والوں کا وہاں رہنا بھی د
کر دیں گے اور تم نے دیکھا تھا ابا جی اپنی آبائی زمین رہن رکھتے ہوئے تو اس قدر آزر
تھے۔ گاؤں چھوڑنے پر ان کا کیا حال ہوگا۔ نہیں رومیلہ' میں ایسے راستے پر نہیں چل سکتی ج
کے سنگریزوں کی چبھن میرے علاوہ میرے گھر والوں کی روح میں شگاف ڈالنے کا باعث ہو
آخر میں اس نے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر اپنا چہرہ چھپا لیا تو رومیلہ جان نہ سکی کہ وہ تھک

ہے یا رو رہی ہے۔ رومیلہ نے فوراً اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور اٹھ کر الیکٹرک کیٹل پر
چائے بنانے لگی۔ جس وقت وہ چائے لے کر آئی' وہ اسی طرح بازوؤں میں پناہ لیے بیٹھی تھی۔

''بخت لو' چائے لے لو۔'' اس نے چپ چاپ سر اونچا کیا اور اس کے ہاتھ سے چائے کا
مگ لے لیا۔ رومیلہ نے دیکھا ضبط گریہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل
میں کڑھتی ہوئی اس کے برابر بیٹھ گئی۔ کچھ لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ دونوں بہت ہلکے
ہلکے چائے کے سپ لے رہی تھیں۔

رومیلہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی کہ وہ کچھ بولے گی لیکن جب کافی دیر ہو گئی اور وہ یونہی
چپ چاپ بیٹھی رہی' تب اس کا ضبط جواب دے گیا۔

''بخت' ایک بات پوچھوں؟۔''

''ہوں۔''

''ایمانداری سے بتانا تمہارے دل میں قیس کا کوئی خیال نہ تھا؟۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟۔''

''قیس کو آزما لینے میں کیا حرج ہے؟۔''

''رومیلہ تم مجھے ان راستوں کی آشنائی کیوں بخشنا چاہتی ہو؟۔''

''اس لیے کہ مجھے اس تصور سے ہی خوف آتا ہے کہ جب کوئی اجڈ دیہاتی تم سے اپنے
پیر دبوائے گا۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''تم سے تو نہیں دبوائے گا ناں۔ ویسے سیف کا شمار بھی دیہاتیوں ہی میں ہوتا ہے۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتی۔''

''تمہارے نہ سمجھنے سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی۔''

''وہ اجڈ نہیں ہے بہرحال تم میری بات چھوڑو' اپنی بات کرو۔''

''کیا بات کروں؟۔''

''قیس تمہیں کیسا لگا؟۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ پیشانی گھٹنوں پر ٹکا دی۔

''دیکھو بخت آور' یوں دل کو خوامخواہ اندیشوں کی آماجگاہ مت بناؤ۔ زندگی پر تمہارا بھی

کچھ حق ہے۔ اسے مکمل طور پر دوسروں کے رحم و کرم پر مت چھوڑ دو۔''

''تم میری زندگی کو روگی کیوں بنانا چاہتی ہو؟۔''

''اور تم بنا روگ کے کیوں جینا چاہتی ہو۔ جب تک درد نہیں سہو گی' دوسروں کے درد کیا بانٹو گی اور پھر ضروری تو نہیں کہ درد ہی ملے۔''

''تو اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟۔''

''میں چاہتی ہوں اب قیس ملے تو تم اسے پہچاننے سے انکار نہ کرو۔''

''ٹھیک ہے' نہیں کروں گی۔''

''یوں بجھے بجھے دل سے مت کہو' اور کچھ نہیں تو ذرا چوکھٹے پر رنگینی ہی لے آؤ۔'' رومیلہ کے شریر انداز پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

پھر کچھ دن بڑے سکون سے گزر گئے۔ رومیلہ نے پھر اس بارے میں کوئی خاص بات نہیں کی۔ شاید وہ اس کے جذبوں کو بیدار کر کے مطمئن ہو گئی تھی۔

اس روز رومیلہ' فرناز کے ساتھ کینٹ گئی ہوئی تھی۔ وہ اکیلی بہت بور ہو رہی تھی۔ تبھی چوکیدار نے آ کر بتایا کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے۔ اس کے دل میں پہلا خیال سیف کا آیا۔ اس لیے کہ وہی مہینے میں ایک آدھ بار آ جایا کرتا تھا۔ وہ جلدی سے دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھ کر لان کی طرف آ گئی لیکن سامنے قیس کو کھڑا دیکھ کر اس کے قدم سست پڑ گئے۔ وہ پلٹنا چاہتی تھی لیکن اس کی آنکھوں کی کشش اسے اپنی طرف کھینچتی چلی گئی۔ جب فاصلہ کم رہ گیا تو وہ اس کے پاس چلا آیا۔

''کیا آج بھی آپ مجھے نہیں پہچانیں گی؟۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

''میں بڑی مشکل سے آپ کو ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔'' وہ پھر بھی چپ رہی۔

''اور میں آج بھی پیاسا ہوں۔''

''لیکن میرے پاس تو گاگر نہیں ہے۔'' وہ معصومیت سے کہہ گئی۔

''کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں صرف گاگر سے ہی سیراب ہو سکتا ہوں۔''

''پھر؟۔''

''میرے کشکول میں اپنی چاہت کے انمول موتی ڈال دیجیے۔ میں روح کی گہرائیوں

تک سیراب ہو جاؤں گا۔''

''میں روایتوں میں جکڑی کمزور اور بزدل لڑکی ہوں۔ آپ کے کشکول میں چاہت کے موتی ڈال بھی دوں تو کوئی آس نہ دلا سکوں گی۔''

''کیا آپ کہیں انگیج ہیں؟۔''

''نہیں۔''

تو پھر بلا جھجک میرے کشکول کو اپنی چاہت کے موتیوں سے بھر دیجیے۔ آس کے دیئے میں خود جلا لوں گا۔''

''کیسے؟۔''

''ملک فیصل کو جانتی ہیں آپ؟۔''

''چوہدری جمشید علی کا بیٹا۔''

''ہاں۔ اس نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔''

وہ اپنے ناخنوں سے کھیلتی ہوئی جانے کیا سوچنے لگی۔

''میں اب تک آپ کے نام سے ناواقف ہوں۔''

''بخت۔ بخت آور۔ اور آپ یقیناً قیس ہیں' اسم با مسمیٰ۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

''اور آپ بخت آور ہو کر بھی اپنے آپ کو کمزور اور بزدل لگتی ہیں۔''

''کاش مجھے اپنے اسم با مسمیٰ ہونے کا یقین ہوتا تو میں چاہت کے موتیوں کے ساتھ آس کے دیئے بھی خود جلاتی۔''

''یہ یقین میں دوں گا۔ بس آپ حوصلہ نہ ہارنے کا وعدہ کریں۔'' وہ اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلاتا ہوا اتنے عزم سے بولا کہ وہ انکار نہ کر سکی۔ چپ چاپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''شکریہ بخت۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر وہیں ہری بھری گھاس پر بیٹھ گیا۔

''بخت۔ اس سنہری شام تم کہاں غائب ہو گئی تھیں کہ پھر نظر ہی نہیں آئیں۔''

''تم نے ڈھونڈا تھا مجھے؟۔''

''صرف ڈھونڈنے کی بات کرتی ہو۔ میں تو پاگل ہو گیا تھا تمہارے لیے۔ اس کے بعد

میں پندرہ دن وہاں رہا اور یقین کرو تمہارے گاؤں کا چپہ چپہ چھان مارا۔ میں نے ہر شام اُو پنگھٹ پر بیٹھ کر تمہاری راہ تکتے گزاری۔ لیکن تم پھر پلٹ کر نہیں آئیں آخر کہاں چلی گئی تھیں۔''

''کہیں نہیں' میں تو وہیں تھی۔''

''پھر نظر کیوں نہ آئیں؟۔''

''میں خوفزدہ تھی قیس کہ اگر دوبارہ تم سے سامنا ہو گیا تو کہیں میرے قدم انجانے راستوں سے آشنا نہ ہو جائیں اس لیے میں نے اپنے آپ کو گھر میں مقید کر لیا تھا۔''

''تم جانتی ہو' مجھ پر کیا گزری؟۔''

''جانتی تو نہیں لیکن اندازہ ضرور ہو گیا ہے۔''

''اچھا'' وہ ذرا سا جھینپ کر ہنس پڑا۔'' پھر تو میرے جذبوں کی صداقت کا بھی اندازہ ہو گیا ہو گا۔'' وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

''اب کبھی میری نظروں سے اوجھل نہ ہونا' میں جی نہ پاؤں گا۔''

''میں اب بھی خوفزدہ ہوں قیس' اپنی روایتوں سے نظریں چرا کر تمہارا ہاتھ تھام تو لیا ہے لیکن۔''

''جھلی لڑکی' میرا ہاتھ تھام کر بھی خوفزدہ ہو؟۔'' وہ درمیان میں بول پڑا۔'' اپنے دل سے سارے ڈر' سارے خوف اس یقین کے ساتھ نکال دو کہ تمہارے راستوں کی ساری سختیاں قیس اپنی جان پر جھیل جائے گا۔ لیکن تم پر آنچ نہ آنے دے گا۔''

''قیس۔'' اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔'' مجھے بغاوت پر مت اکسانا' میں اتنی حوصلہ مند نہیں ہوں۔''

''بیوقوف پہلے ہی قدم پر ہمت ہارے دے رہی ہو۔ میں تمہیں بغاوت پر نہیں اُکساؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

وہ کچھ دیر تک یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی' پھر اٹھتی ہوئی بولی۔'' میں اب چلوں گی۔''

''تم کہاں جاؤ گی' جانے کی بات تو مجھے کرنی چاہیے تھی۔'' وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔'' میں پھر آؤں گا۔''

وہ اثبات میں سر ہلا کر اس کے جانے سے پہلے ہی اپنے کمرے کی طرف پلٹ آئی۔

جس وقت رومیلہ واپس آئی' وہ آنکھیں بند کیے بڑے سُر میں کوئی سرائیکی راگ الاپ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑی ہو کر سننے لگی۔

اے کوکا نک دا کوکا' نہ دیوں پیاروچ دھوکا!

تے عمراں داروگ نہ لاویں' تے عمراں دا روگ نہ لاویں

انجانے میں بڑے خوبصورت رنگ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے اور بند پلکوں کے پیچھے جانے کس کے تصور نے پلکوں کو نمی بخش دی تھی۔ اس کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے لیکن آواز اتنی دھیمی ہو گئی تھی کہ باوجود کوشش کے رومیلہ سن نہ سکی کہ وہ کیا گنگنا رہی تھی۔

''سنو' میری غیر موجودگی میں کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے کیا؟۔''

اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں تو پلکوں پر رکی نمی بے اختیار اس کے رخساروں پر اتر آئی۔ خوشی و غم کے ملے جلے امتزاج نے اس کے چہرے کو اتنا دلکش بنا دیا تھا کہ رومیلہ ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''یوں کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''سچ کہو' بخت آور! اتنا سندر روپ کہاں سے چرا لائی ہو''؟۔

''کیا مطلب؟۔''

''مطلب کو چھوڑو' یہ بتاؤ کون آیا تھا یہاں؟۔''

''قیس۔''

''سچ!!!۔'' رومیلہ ہاتھوں میں پکڑے پیکٹ مسہری پر اچھال کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''تم نے مایوس تو نہیں لوٹایا اسے۔''

''نہیں' میں نے اپنی چاہت کے موتی اس کے کشکول میں ڈال دیے ہیں۔''

''بدلے میں وہ کیا دے گیا ہے؟۔''

''بدلے میں وہ میرے دل میں آس کے دیئے جلا گیا ہے۔''

''ان دیئوں کو اس یقین کے ساتھ اپنے دل میں روشن رکھنا بخت کہ خدا کوئی بہتر صورت نکال دے گا۔''

جواب میں اس نے طویل سانس لیتے ہوئے پھر پلکیں موند لیں۔

☆☆☆

فیصل' میرے دوست!

میں نے تم سے کہا تھا کہ میں صرف جواب لکھوں گا' خط نہیں لکھوں گا۔ لیکن آج اچانک دعاؤں نے مستجاب ہو کر ایسی خوشی بخش دی ہے کہ میں بے اختیار تمہیں لکھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

پوچھو گے نہیں کہ ایسی کون سی خوشی ملی ہے۔ جس نے مجھے میرے مزاج کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ سنو' وہ جو اپنی گاگر سے میری پیاس بجھا کر بھی مجھے پیاسا چھوڑ گئی تھی۔ آج اپنی چاہت کے انمول موتیوں سے مجھے روح کی گہرائیوں تک سیراب کرنے کے ساتھ میرے اس یقین کو بھی پختہ کر گئی ہے کہ میرے جذبے بودے نہ تھے۔

فیصل! وہ تمہارے ہی گاؤں کی لڑکی ہے اور یہاں ملتان میں نشتر میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے۔ میڈیکل میں پڑھنے کے باوجود اپنے رسم و رواج اور روایتوں سے بہت خوفزدہ ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ تم اسے روایتوں کی کڑی زنجیروں سے آزاد کرانے میں ہماری مدد کرو گے۔ کرو گے ناں؟۔

باقی باتیں تمہارا خط آنے پر۔ اجازت دو' خدا حافظ

تمہارا دوست

قیس"

فیصل کو خط لکھنے کے بعد قیس بڑی شدت سے اس کے خط کا انتظار کرنے لگا۔ اسے امید تھی کہ فیصل ضرور اس کی مدد کرے گا اور وہ چاہتا تھا کہ فیصل کا جواب آ جائے۔ پھر بخت کے پاس جائے تاکہ اسے فیصل کا خط دکھا کر وہ اس کے اندر سمایا خوف دور کر سکے۔

وہ اپنے ابی جان کو بھی بخت کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ ابی جان نے جس دوستانہ ماحول میں اس کی پرورش اور تربیت کی تھی۔ اس نے اسے اتنا اعتماد بخش دیا تھا کہ وہ ہر بات ان سے کہہ دیا کرتا تھا گو کہ وہ ابی جان سے بہت زیادہ بے تکلف نہیں تھا اور نہ ہی ابی جان حد سے زیادہ بے تکلفی پسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اسے اپنے پاس بٹھا کر اپنی باتوں

سے ایسا ماحول پیدا کر دیتے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر بات' ہر مسئلہ ان سے ڈسکس کر لیتا تھا۔ اس سے ابی جان کا مقصد جو وہ۔۔ اس کے روز و شب کا احوال جاننا چاہتے تھے' وہ بھی پورا ہو جاتا تھا اور ان کا احترام جو شروع سے اس کے دل میں تھا وہ بھی قائم رہتا تھا۔

اس کی پیدائش کے بعد ہی اس کی امی جان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت ابی جان ایک معمولی وکیل تھے اور پرانے ملتان کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ امی جان کے انتقال کے بعد ابی جان نہ صرف بہت تنہا ہو گئے تھے بلکہ انہیں بہت دشواریوں کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ بیک وقت قیس کی دیکھ بھال اور اپنی پریکٹس جاری رکھنا' ان کے لیے ناممکن ہو گیا تھا اور اتنے وسائل ان کے پاس نہ تھے کہ وہ قیس اور گھر کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ملازم رکھ لیتے۔

ایسے میں ان کے عزیز اور رشتہ داروں نے بہت زور دیا کہ وہ قیس ہی کی خاطر دوسری شادی کر لیں لیکن ایک تو انہیں مرنے والی سے کچھ اتنی زیادہ محبت تھی کہ وہ اس کی جگہ کسی اور کو دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسرے وہ قیس کو سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے وہ سب کا مشورہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے۔ ساتھ ہی انہوں نے ہر قسم کے حالات سے تنہا نپٹنے کا عزم کر لیا۔

انہوں نے گھر کا بیرونی کمرہ جو بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا تھا' اسے آفس بنا لیا اور یوں وہ قیس اور آفس کی ذمہ داری ایک ساتھ نبھانے لگے۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ قیس کی ذمہ داری کا بوجھ ان پر کم ہوتا گیا۔ اور آفس کی ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھتا گیا۔ اور اب جبکہ قیس انگلش میں ماسٹر کی ڈگری لے چکا تھا اور ایل ایل بی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ان کا شمار شہر کے بہترین وکلاء میں ہوتا تھا اور پرانے ملتان کے اس چھوٹے سے گھر سے نکل کر اب ان کی رہائش طارق روڈ پر تھی۔ یہ مقام انہوں نے اپنی محنت اور لگن سے حاصل کیا تھا۔

قیس کے سامنے اپنے ابی جان کی زندگی نہ صرف مثال تھی بلکہ وہ انہیں آئیڈیل تصور کرتا تھا اور ان کے نقش قدم پر چل کر وہ بھی اپنا ایک الگ مقام بنانا چاہتا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے ہر قسم پر ابی جان کی راہنمائی حاصل تھی۔ اس نے چونکہ آنکھ بھی ابی جان کو گود میں کھولی تھی اور اول دن سے اس کا ہر کام ابی جان نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ اسے بہت زیادہ سمجھنے لگے تھے۔

اکثر اس کے دل کی بات وہ اس کے کہے بنا ہی سمجھ جاتے تھے۔ ادھر کچھ دنوں سے ابی جان محسوس کر رہے تھے کہ جب سے وہ گاؤں سے واپس آیا ہے' اس کے انداز کچھ بدلے بدلے سے ہیں۔ وہ بیٹھا بیٹھا کہیں کھو جاتا تھا اور اکثر طویل سانس لیتے ہوئے وہ نظریں ایک ہی نقطے پر مرکوز کیے' جانے کیا سوچنے لگتا۔ ابی جان سمجھ تو گئے تھے اور اس سے پوچھنا بھی چاہتے تھے لیکن آج کل وہ ایک کیس کے سلسلے میں کچھ اتنے مصروف تھے کہ باوجود کوشش کے وقت نہیں نکال پا رہے تھے۔

اور جب وہ اپنے کیس سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو انہیں حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ کچھ دن پہلے جو وہ اداس اور مایوس نظر آتا تھا' اب اس میں ان دونوں باتوں کی پرچھائیں تک نہ تھی بلکہ اس کے انداز میں پہلے سے زیادہ شوخی سمٹ آئی تھی اور آنکھوں سے چھلکتا خمار کچھ ایسی ان کہی داستانیں سنا رہا تھا۔ جسے اس کے منہ سے سننے کی آرزو نے ابی جان کو اس کے ساتھ نشست جمانے پر مجبور کر دیا۔

''قیس' تمہارے دوست ملک فیصل کا کوئی خط وغیرہ آیا؟'' انہوں نے بات کی ابتداء یوں کی اور وہ جو آج کل بڑی شدت سے اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا' ان کی بات پر یوں چونکا جیسے پتا نہیں انہوں نے کیا کہہ دیا ہو۔

''کیسا خط؟'' اس کے دل کا چور زبان پر آ گیا۔

''کیا مطلب؟ تم نے ملک فیصل کے ساتھ خط و کتابت نہیں رکھی؟''

''نہیں ابی جان' اس کے ساتھ خط و کتابت تو ہے میری۔ ادھر کافی دنوں سے اس کا خط نہیں آیا''

''ہو سکتا ہے اسے کچھ مصروفیت ہو' تم ہی لکھ دیتے۔''

''میں نے اسے لکھا ہے' جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''اچھا'' وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہنے لگے۔ ''تم نے اس کے گاؤں کے احوال تو سنایا نہیں مجھے۔''

''کیا سناؤں؟''

''یہی کہ تمہیں گاؤں کیسا لگا؟ وہاں کی زندگی' وہاں کا رہن سہن طور طریقے تمہیں پسند آئے بھی یا نہیں؟''

''حقیقت تو یہ ہے ابی جان کہ وہاں کا پرسکون ماحول مجھے اچھا لگا۔ لیکن ہم جیسے لوگ جو شہروں میں پیدا ہوئے یہیں پلے بڑھے تو ہم وہاں تفریحاً تو جا سکتے ہیں لیکن رہ نہیں سکتے۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ یہاں جیسی تیز رفتاری' شور ہنگامہ' افراتفری وہاں نہیں ہے اور ہم ان چیزوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اگر ایک دن بھی رکشہ کی ہڑتال ہو جائے تو ایک عجیب سا سناٹا ہمارے اطراف پھیل جاتا ہے۔ اور ہم بجائے سکون محسوس کرنے کے کچھ بے چین سے ہو جاتے ہیں۔''

''یہ تو ہے۔ یہ بتاؤ سب سے زیادہ کس چیز نے متاثر کیا تمہیں؟''

''پنگھٹ نے۔'' بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

''صرف پنگھٹ نے۔'' یا پنگھٹ پہ پانی بھرتی کسی۔۔''

''ابی جان!'' وہ بُری طرح جھینپ گیا۔

''کیا ہم اس موضوع پر بات نہیں کر سکتے؟''

''کر سکتے ہیں۔''

''پھر بلا جھجک بتاؤ' کون تھی؟''

جواب میں اس نے بخت آور کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ ساری بات سن کر ابی جان کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے' پھر کہنے لگے۔

''بیٹا' اگر تم اس کے لیے سنجیدہ ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن جیسا کہ تم نے بتایا کہ وہ ابھی میڈیکل کے دوسرے سال میں ہے' تو میں تم سے یہی کہوں گا کہ پہلے اس تعلیم مکمل کرنے دو۔ اس دوران تم بھی ایل ایل بی کر لو۔ اس کے بعد۔''

''جی ابی جان' میرا بھی یہی خیال ہے۔'' وہ درمیان میں بول پڑا۔

''ایک بات اور میری یاد رکھو۔ میں یہ بالکل پسند نہیں کروں گا کہ تم روزانہ صبح شام اس کے ہاسٹل کے دروازے پر کھڑے نظر آؤ۔ ہاں کبھی کبھار تم اس سے مل سکتے ہو وہ بھی اس طرح کہ نہ اس کی عزت پر حرف آئے اور نہ تمہارے بارے میں کسی کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ سمجھ گئے؟''

''جی۔''

"اب تم جا سکتے ہو۔ اور سنو جس روز تم نے ایل ایل بی پاس کر لیا' اسی روز ہم گاؤں چلیں گے۔"

"تھینک یو ابی جان۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔



"قیس جیو میرے یار!

سب سے پہلے تو اس لڑکی کو میرا سلام کہنا جس کی بدولت تم نے اپنے مزاج کے خلاف کام کر کے مجھے خوشی بخشی۔ اس کے بعد مبارکباد قبول کرو کہ بالآخر تم نے اسے ڈھونڈ لیا۔ تمہارے جذبوں کی صداقت پر تو مجھے پہلے ہی یقین تھا' اب تو ایمان بھی لے آیا ہوں۔

اور سنو' جب تم نے اسے یقین دلا ہی دیا ہے کہ میں روایتوں کی کڑی زنجیروں سے اسے آزاد کرانے میں مدد کروں گا تو یہ یقین تم بھی اپنے دل میں پیدا کر لو میرے دوست کہ ملک فیصل تمہارے راستے کی سب دیواریں گرا دے گا۔ کیا میرا اتنا لکھ دینا کافی ہے یا کچھ اور بھی سننا چاہو گے؟"

"نہیں یار' اتنا ہی بہت ہے میرے لیے۔" خط پڑھ کر وہ یوں بولا جیسے ملک فیصل اس کے سامنے کھڑا ہو۔ پھر وہ خط جیب میں رکھ کر بخت کا یقین پختہ کرنے اس کے پاس چلا آیا۔

"بخت دیکھو' ملک فیصل نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

"اچھا۔" وہ اس کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھنے لگی اور قیس اس کے چہرے پر اترتا اطمینان دیکھ کر بولا۔

"آؤ کچھ لمحے یادگار کر لیں۔"

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"زیادہ دور نہیں بس قلعہ قاسم باغ چلیں گے۔"

"نہیں نہیں' مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"تم اس کے ڈرنے کی پرواہ مت کرو۔ لے جاؤ اسے باقی میں سنبھال لوں گی۔" رومیلہ جانے کدھر سے نکل کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور آتے ہی فیصلہ بھی سنا دیا۔

"رومیلہ' کیسی باتیں کرتی ہو؟" وہ سچ مچ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

"اس میں اتنا خوفزدہ ہونے کی کیا بات ہے۔ وہ تمہیں بھگا کر تو نہیں لے جائے گا۔"

رومیلہ کی بات سن کر وہ ایک دم سرخ پڑ گئی۔

"چلو جاؤ۔ تاکہ مجھے بھی کچھ لمحے تنہائی کے میسر ہوں۔ ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی ہو۔" رومیلہ اسے دھکیلتی ہوئی بولی تو وہ ہار مان کر کہنے لگی۔

"ٹھہرو' مجھے اپنی چادر تو لینے دو۔"

"صرف چادر' اگر کسی کے پاس شٹل کاک ہو تو وہ لے آؤ اور ہو سکے تو اس شٹل کاک میں قیس کو بھی چھپا لینا۔" رومیلہ نے جل کر کہا تو قیس بے ساختہ ہنس پڑا اور وہ بے چاری خجل سی ہو کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

"اور سنو' واپسی میں میرے لیے وہی والے گول گپے لانا مت بھولنا۔" رومیلہ نے پیچھے سے اونچی آواز میں کہا تو وہ پلٹ کر اس کا منہ چڑاتی ہوئی قیس کے پیچھے اس کی بائیک پر جا بیٹھی۔

پہلی بار قدموں کو روایتوں کی بندشوں سے آزاد کیا تھا' اس لیے اندر ہی اندر بہت ڈر رہی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی قیس کی خوبصورت باتیں اس کے خوف کو کسی حد تک کم کر گئیں۔ جب وہ قلعے پر پہنچے اس وقت تک وہ کافی نارمل ہو چکی تھی۔ حضرت شاہ رکن عالمؒ کے مزار کے سامنے رک کر وہ کہنے لگا۔

"آؤ ابتدا یہاں سے کریں۔"

اور وہ سہج سہج کر قدم اُٹھاتی اس کے ہمراہ مقدس درگاہ کے اندر داخل ہو گئی۔

قیس نے دیکھا۔ جالیوں کے اس پار دوپٹے کے ہالے میں اس کا چاند سا چہرہ بڑا مقدس لگ رہا تھا۔ جانے وہ کیا دعا مانگ رہی تھی کہ اس کی پلکیں بھیگتی جا رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ یونہی اٹھے رہ گئے اور وہ ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔ اس کی بند پلکیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ اور کپکپاتے ہونٹوں شاید وہ اسے ہی مانگ رہی تھی کہ وہ بنا کچھ مانگے اس کی دعاؤں پہ دل ہی دل میں یوں آمین کہنے لگا جیسے اسے یقین ہو کہ اس کی دعاؤں کا مرکز صرف وہی ہے۔

درگاہ سے باہر نکلی تو وہ کچھ خاموش خاموش سی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ڈھلوان سے نیچے اتر کر دونوں پھولوں سے سجے وسیع لان میں آ گئے۔

''یوں خاموش کیوں ہوگئی؟ کیا سوچنے لگی؟'' وہ اس کے ساتھ بیٹھتا ہوا پوچھنے لگا۔

''قیس، مجھے تمہارے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''بخت، تمہارا یوں اچانک خوفزدہ ہو جانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ پلیز اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو۔ اور پھر یہاں ہمیں کون دیکھ رہا ہے؟''

''کوئی نہیں دیکھ رہا لیکن اپنے ضمیر کی عدالت میں، میں خود اپنے آپ کو مجرم محسوس کررہی ہوں۔''

''بیوقوف ہو تم۔''

''نہیں قیس، میں جس مقصد کے تحت گھر سے نکلی ہوں، اس سے نہیں ہٹ سکتی۔''

''میں کب تمہیں تمہارے مقصد سے ہٹا رہا ہوں اور پھر میرے ابی جان کا بھی یہی خیال ہے کہ پہلے تم اپنی تعلیم مکمل کرلو پھر۔۔''

''کیا۔۔کیا مطلب؟'' وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔ ''تم نے اپنے ابی جان سے کیا کہا؟''

''کچھ نہیں صرف تمہارے بارے میں بتایا ہے۔''

''وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ میرے بارے میں کیا بتایا ہے۔؟''

''یہی کہ تم مجھے پسند ہو اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''قیس، اتنی جلدی تم نے ابی جان سے یہ بات کہہ دی۔''

''جلدی سے تمہارا کیا مطلب ہے۔؟''

وہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ ٹھوڑی گھٹنوں پر ٹکا کر جانے کیا سوچنے لگی۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگا۔

''بخت، یہ فیصلہ تو میں نے اسی دن کرلیا تھا جس روز پہلی بار تمہیں دیکھا تھا اور میری زندگی کی کوئی بات ابی جان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر بھلا اتنی بڑی بات میں کیسے ان سے چھپا سکتا تھا۔''

''انہوں نے کیا کہا؟'' وہ بہت آہستہ سے پوچھنے لگی۔''

''یہی کہ تم اپنی تعلیم مکمل کرلو اور میں ایل ایل بی کرلوں۔ پھر وہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھائیں گے''

''یہاں تک تو سب ٹھیک ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا قیس، اگر تمہارے ابی جان کو میرے گھر والوں نے مایوس لوٹا دیا تو میں کچھ نہیں کرسکوں گی۔ یہ بات بھی میں تمہیں ابھی سے بتا رہی ہوں۔ بعد میں تم مجھے الزام مت دینا۔''

''میرا خیال ہے ابی جان کے ساتھ ملک فیصل اور چوہدری جمشید علی کو دیکھ کر تمہارے گھر والے انکار نہیں کریں گے۔''

''اگر تمہیں ملک فیصل پر اتنا ہی یقین ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ابھی واپسی کے راستے اتنے دشوار نہیں ہیں کہ ہمارے قدم لہولہان ہو جائیں۔''

''بخت، کیسی باتیں کرتی ہو؟'' وہ حیرت سے کہنے لگا۔ ''میرے لیے واپسی مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے اور خدا کے لیے تم مایوسی کی باتیں کر کے میرے حوصلے پست مت کیا کرو۔''

''میرا مقصد تمہارے حوصلے پست کرنا نہیں ہے۔''

''پھر مجھے آزمانا چاہتی ہو؟''

''نہیں، بلکہ میرے اندر ایک انجانا سا خوف ہے جو مجھے کسی پل چین نہیں لینے دیتا۔''

''پھر تم ہی بتاؤ، میں تمہارا یہ خوف کس طرح دور کرسکتا ہوں۔''

وہ پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے پریشان دیکھ کر اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ کیوں اپنی باتوں سے اسے پریشان کردیتی ہے۔

''یوں کیا دیکھ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔ چلو واپس چلتے ہیں۔''

''نہیں پہلے بتاؤ، کیا بات ہے؟''

''قیس آئی ایم سوری، اپنے ساتھ میں تمہیں بھی پریشان کردیتی ہوں۔''

''اگر تمہیں احساس ہو ہی گیا ہے تو آئندہ مایوسی کی باتیں مت کرنا۔''

''نہیں کروں گی۔'' وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور جب شام گہری ہونے لگی تب انہوں نے واپسی کی راہ لی۔ جس وقت وہ گیٹ کے پاس قیس کو خدا حافظ کہہ رہی تھی، رومیلہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آکر کہنے لگی۔

''بخت، جلدی چلو سیف آیا ہے۔''

''کب؟'' وہ ایک دم بہت زیادہ پریشان ہوگئی۔



''بخت آور! کیسی ہے تو؟۔''

''میں ٹھیک ہوں سیف' تو کیسا ہے؟ کب آیا؟۔'' پہلی بار وہ اس کے کندھے سے لگتی ہوئی جھجک گئی کہ کہیں اس کے وجود سے اٹھتی قیس کی مہک اس تک ۔پہنچ کر اس کا اندر عیاں نہ کر دے۔

''گاؤں گیا تھا؟۔'' وہ اس کے بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

''نہیں تو صیف لالا آئے تھے بھرجائی کو لے کر لاہور کی سیر کرانے۔''

''اچھا کب؟۔''

''کوئی ہفتہ بھر پہلے۔بس تین چار دن رہ کر چلے گئے۔بھرجائی بہت خوش تھی۔''

''چلو شکر ہے اللہ دونوں کو خوش رکھے۔'' وہ صدق دل سے دعا کرتے ہوئے اٹھ کھڑی

ہوئی۔''چائے بناؤں تمہارے لیے؟۔اور یہاں کہاں ٹھہرے ہو؟۔''

''ٹھہرنا کہاں ہے' بس صبح چلا جاؤں گا۔اس وقت دل چاہا تم سے ملنے کو سو بغیر پروگرام کے چلا آیا۔''

''صرف مجھ سے ملنے کو؟۔'' وہ شرارت سے پوچھنے لگی۔

''ہاں۔اور میرا یہاں کون ہے بھلا؟'' بات کے اختتام پر اس نے رومیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک آنکھ بند کر لی تو وہ جھینپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم دونوں باتیں کرو۔میں چائے بناتی ہوں۔''

چائے پیتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''بخت۔اب میں چلوں گا۔''

''اتنی جلدی' ابھی بیٹھو ناں۔''

''نہیں مجھے ایک دوست سے ملنا ہے۔پھر کسی روز صبح سے آ جاؤں گا۔''

''اچھا۔'' وہ دروازے تک اس کے ساتھ چلی آئی اور جب وہ اسے خدا حافظ کہہ کر واپس آئی۔رومیلہ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟۔'' وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

''سنا ہے ڈریم لینڈ میں بڑی اچھی پکچر لگی ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''کس کے ساتھ جاؤ گی؟۔'' وہ اب بھی نہیں سمجھی تھی۔

''اسی کے ساتھ جو دوست سے ملنے کا بہانہ کر کے اٹھ گیا ہے۔'' وہ برش رکھ کر جیسے ہی جانے لگی' بخت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بڑے چالاک ہو تم دونوں۔''

''یہ سب باتیں واپسی پر سن لوں گی' اس وقت جانے دو' دیر ہو رہی ہے۔''

''ایک بات سنتی جاؤ۔''

''کہو۔''

''سیف کو میرے بارے میں کچھ مت بتانا۔''

''نہیں بتاؤں گی' اب چھوڑو۔''

وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی تو وہ کچھ دیر کھڑی بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر ہنستی ہوئی

گرنے کے سے انداز میں مسہری پر بیٹھ گئی۔

پھر وقت جیسے پر لگا کر اُڑنے لگا۔ یہی وقت پہلے رینگتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور اب شاید یہ قیس کی محبت کا اعجاز تھا کہ وہ جتنا اس کے ساتھ کو طویل کر دینا چاہتی تھی' وقت اسی تیزی سے گزر رہا تھا۔

قیس اکثر اس کے ہوسٹل آ جاتا تھا اور وہیں لان میں اس کے ساتھ بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کیا کرتی۔ کبھی کبھی وہ باہر جانے کی ضد کرتا تو وہ اس کی بات مان لیا کرتی تھی۔ ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا ورنہ زیادہ تر وہیں لان ہی میں بیٹھتے تھے۔ کبھی رومیلہ بھی ان کے ساتھ آ بیٹھتی تو تینوں ساری فکروں سے آزاد ہو کر دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں کرتے اور کبھی کسی ایک موضوع پر جم کر بحث کرتے۔ یہ شامیں جو قیس کے سنگ گزرتیں اپنے اندر ڈھیر ساری رنگینیاں لیے ہوتیں جن کا عکس بخت کے رخساروں پر چھلکتا دکھائی دیتا اور آنکھوں کی روشن قندیلیں مقابل کو بن پیے ہی مدہوش کرنے لگتیں۔

کبھی جب ان کی باتوں کا رخ بخت کے گاؤں کی طرف مڑ جاتا تو وہ ایک دم بہت خوفزدہ ہو جاتی تھی اور بے شمار اندیشے اس کی زبان پر آ کر قیس کو بھی پریشان کر دیتے۔ ایسے میں رومیلہ کبھی تو ان لوگوں کو حوصلہ دیتی اور کبھی چیخ پڑتی تھی۔

''تم دونوں بہت بزدل ہو۔ ان راستوں پر اگر قدم رکھ ہی دیے ہیں تو اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو۔ یوں ڈرتے رہو گے تو کیسے کام چلے گا؟۔ اور بخت' تم تو یوں اندیشوں میں گھر کر کسی دن مر جاؤ گی۔''

''ایسا نہ کہو رومیلہ۔'' قیس فوراً اسے ٹوک دیتا۔

''اچھا ہے ناں' ایک ہی بار رو کر بیٹھ جانا۔ اس کے ساتھ تو تمہیں زندگی بھر رونا پڑے گا۔''

''رو لوں گا لیکن تم ایسی بات منہ سے مت نکالو۔''

''چہ۔ چہ۔ بے قوف۔'' وہ اس کا مذاق اُڑاتی۔

''اڑا لو جتنا مذاق اڑا سکتی ہو۔ تمہارا وقت بھی آئے گا۔''

''تم دونوں کی طرح میں بزدل نہیں ہوں۔''

''ہاں دیکھ لیں گے تمہاری بہادری بھی۔''

''دیکھ لینا وقت آنے پر سارے زمانے سے ٹکرا جاؤں گی۔'' وہ اتنے جوش سے کہتی کہ قیس اور بخت حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگتے۔

یونہی کبھی لڑتے کبھی ہنستے بہت سارے دن گزر گئے۔ ہر گزرتا دن ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت کی جڑیں مضبوط کرتا گیا۔ وہ جو شروع میں اس سے کہتی تھی کہ اب بھی وقت ہے۔ اب بھی پلٹ جاؤ' اب خود اس کے لیے پلٹنے کا تصور ہی سوہان روح تھا۔ وہ صرف اس کے دل ہی میں نہیں بستا تھا' اس کی سانسوں میں بھی مہکتا تھا اور ہر رات سونے سے پہلے وہ یہ دعا کرنا کبھی نہ بھولتی۔ ''میرے خدا قیس کو میرا نصیب کر دے۔''

اس روز قیس نے آتے ہی اس سے کہا۔

''بخت' چلو میں تمہیں اپنے ابی جان سے ملواؤں۔''

''مجھے۔؟'' وہ کتنی دیر تک اپنی طرف اشارہ کیے کھڑی رہی۔ ''کیوں؟''

''میں نے ان سے تمہارا ذکر کیا تھا' وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں؟''

''لیکن قیس میں نہیں جا سکوں گی۔''

''کیوں؟''

''اچھا نہیں لگتا' پتا نہیں وہ کیا سوچیں؟''

''وہ کچھ نہیں سوچیں گے' بس تم چلو۔''

''نہیں قیس' میں ابھی اتنی آزاد نہیں ہوئی کہ بنا کسی بندھن کے تمہارے ابی جان سے مل آؤں۔''

''سنو۔ میرے ابی جان بہت روشن خیال آدمی ہیں۔ وہ اس بات کو بُرا نہیں سمجھتے۔''

''وہ بُرا نہیں سمجھتے لیکن مجھے تو بُرا لگتا ہے۔''

''آخر کیا برائی ہے اس میں؟''

''چلو' میں مانتی ہوں بُرائی نہیں ہے لیکن ایک جھجک میرے آڑے آتی ہے۔''

''میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔''

''یہ تو اور بھی شرم کی بات ہے۔''

''چلو میں تمہیں ابی جان کے پاس چھوڑ کر ہٹ جاؤں گا۔''

''آخر تم اتنے بضد کیوں ہو؟''

''اس لیے کہ میں ابی جان سے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں لے کر آ رہا ہوں اور وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''میرے خدا۔ تم نے مجھ سے پوچھے بنا ہی۔''

''ہاں اس لیے کہ مجھے یقین تھا تم میری بات نہیں ٹالو گی۔'' وہ بڑے مان سے بولا۔

''اچھا' میں رومیلہ سے کہہ کر آتی ہوں۔'' وہ ہار مانتی ہوئی بولی۔

''اور ذرا اپنا حلیہ بھی درست کر لینا۔ آخر کو سسرال جا رہی ہو۔'' وہ شرارت سے بولا تو وہ جلدی سے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

طارق روڈ کے وسیع رقبے پر پھیلے بنگلے کے اندر جب اس نے بائیک روکی تو وہ تھوڑی نروس ہو گئی۔

''دیکھو' پیشے کے اعتبار سے ابی جان وکیل ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی عادت کے مطابق تم پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیں لیکن تم گھبرانا مت۔''

''تم تو مجھے ابھی سے ڈرا رہے ہو۔''

''نہیں۔'' وہ ہنس پڑا۔ ''میں تمہیں ایک بات بتا رہا تھا۔ ویسے ابی جان بہت شفیق انسان ہیں۔ خیر اب چلو' وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔'' اور وہ آہستہ قدموں سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔

''وسیع اور جدید طرز سے سجے ڈرائنگ روم میں ابی جان سامنے ہی صوفے پر بیٹھے کچھ پڑھنے میں مصروف تھے' وہ انہیں دیکھ کر رک گئی۔

''ابی جان۔ یہ بخت آور ہے۔'' وہ انہیں متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا تعارف بھی کروا گیا۔

''آؤ بیٹا۔ رک کیوں گئیں؟'' وہ کتاب میز پر رکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے تو وہ جوان کی شخصیت سے مرعوب ہو گئی تھی' ان کے لہجے کی شیرینی سے حوصلہ پا کر آگے بڑھ آئی۔

''السلام علیکم۔''

''جیتی رہو بیٹا' خوش رہو۔ آؤ میرے پاس بیٹھو۔'' وہ کچھ جھجکتی ہوئی ان کے پاس جا بیٹھی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''بخت آور۔''

''پڑھتی ہو؟''

''جی میڈیکل کے دوسرے سال میں ہوں۔''

وہ اس کے بارے میں یہ سب کچھ جانتے تھے لیکن اس وقت جس طرح اس کے اندر کا خوف اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا تو وہ محض اس کا خوف دور کرنے کی غرض سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگے۔ باتیں کرتے ہوئے کسی کسی وقت وہ بڑی محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتے اور شاید یہ ان کے جادو بھرے ہاتھوں کا شفیق لمس ہی تھا کہ وہ بہت جلد نارمل ہو کر ان سے باتیں کرنے لگی۔

جس وقت قیس ملازم کے ساتھ ٹرالی میں چائے اور ... ڈھیر سارے لوازمات لیے کمرے میں آیا وہ بڑے اعتماد کے ساتھ ابی جان سے باتیں کر رہی تھی۔ اسے اتنا پر اعتماد دیکھ کر اسے ایک گونہ خوشی محسوس ہوئی۔ وہ ملازم کو جانے کا اشارہ کر کے خود ہی ٹرالی دھکیلتا ہوا ان کے پاس لے آیا تو ابی جان نے اسے بیٹھنے کا کہہ کر ٹرالی بخت کے سامنے گھسیٹ لی۔

''لو بیٹا چائے بناؤ۔'' پھر ذرا توقف کے بعد بولے۔ ''ہم بھی بیٹی کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے کا مزہ چکھیں۔''

وہ چپ چاپ چائے بنانے لگی۔ پھر چائے کے دوران وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے بار بار اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے کی کچھ اس طرح تعریف کرتے رہے کہ وہ شرمندہ ہو گئی۔

چائے کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے اب اجازت دیجیے۔''

''پھر آؤ گی ناں؟''

''جی۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''ہاں' تمہارے آنے سے یہ مکان گھر لگنے لگا ہے اور جب تک تمہاری خوشبو یہاں رہے گی' یہ گھر ہی رہے گا۔ کیا سمجھیں؟'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے کہنے لگے۔

''جی۔'' وہ اپنی نظروں میں آپ معتبر ہو گئی۔

''قیس، جاؤ شام گہری ہونے سے پہلے بخت آور کو چھوڑ آؤ۔ اور سنو، میری گاڑی لے جاؤ۔'' انہوں نے جیب سے گاڑی کی چابیاں نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ پہلے تو ان کی اس عنایت پر حیران ہوا پھر جلدی سے ان کے ہاتھ سے چابیاں لے کر باہر نکل آیا۔

''بخت، لگتا ہے تم ابی جان کو بہت زیادہ پسند آ گئی ہو۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

''کیسے؟''

''ایسے کہ آج سے پہلے مجھے اس گاڑی کی طرف دیکھنے تک کی اجازت نہ تھی اور آج محض تمہاری وجہ سے ابی جان نے مجھے اسے چلانے کیا اجازت دی ہے۔''

''اچھا۔'' وہ تھوڑی مغرور ہو کر ہنس پڑی۔

قیس نے ذرا سی گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر ٹیپ آن کر دیا۔ عالمگیر کی خوبصورت آواز کار کے اندر بکھر کر دونوں کی خوبصورت لمحوں کی یاد دلا گئی۔ آخر میں وہ ٹیپ بند کرتے ہوئے ذرا سا اس کی طرف جھک کر سرگوشی میں پوچھنے لگا۔

''یاد ہے وہ پنگھٹ؟'' وہ سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے ہنس پڑی۔

''بخت، میں وہ سنہری شام کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس شام کا ایک ایک لمحہ میری آنکھوں میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔ اور میں اکثر شب تنہائی میں اُن لمحات کو سوچتے ہوئے کھو جاتا ہوں۔ تمہاری آنکھوں میں سمٹ آنے والی وہ کچھ حیرت اور کچھ خوف کی پرچھائیں جنہوں نے مجھے کچھ اس طرح اپنا اسیر کر لیا تھا کہ میں تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے یاد ہے ملک فیصل نے کس کس طرح نہ میرا مذاق اڑایا تھا لیکن اس وقت بھی مجھے اپنے جذبوں پر یقین تھا اور تم نے دیکھا میرے جذبوں کی زور آوری۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ سر جھکائے چپ چاپ اپنے ناخنوں سے کھیلتی رہی وہ گاڑی کینٹ کی طرف موڑتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم کچھ نہیں کہو گی؟''

''کیا کہوں؟''

''اس شام کے حوالے سے کوئی بات۔''

''نہیں قیس، میرے ماحول نے مجھے کچھ سوچنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ اس شام کا تصور ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر گیا اور یہ خوف ہی تھا کہ جب بھی مجھے تمہارا خیال آیا، میں نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو مصروف کر لیا۔

''کیا اس طرح تم میرے خیال سے دامن بچانے میں کامیاب ہوئیں؟''

''پتا نہیں۔''

وہ ہنس پڑا۔

''بیوقوف۔'' پھر ادھر اُدھر نظریں دوڑاتا ہوا پوچھنے لگا۔ ''پان کھاؤ گی؟''

''نہیں، اب واپس چلو، کافی دیر ہو گئی ہے۔''

اس نے گاڑی نشتر روڈ کی طرف موڑ دی۔ اس کے ہوسٹل کے سامنے وہ گاڑی رکتے ہی کہنے لگا۔

''کل چار بجے آؤں گا۔ تیار رہنا، جھیل پر چلیں گے۔ رومیلہ سے بھی کہہ دینا، اسے بھی ساتھ لے چلیں گے۔'' پھر وہ اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولنے لگا۔

''شکریہ۔'' وہ اترتے ہی بولی۔

''کل چار بجے یاد رکھنا۔''

''ابھی تو جانے دو، کل آئے گی تو دیکھا جائے۔''

''دیکھا جائے گا نہیں، بس میں ٹھیک چار بجے آؤں گا۔''

''اچھا بابا آ جانا۔ خدا حافظ۔'' وہ اس کی سائیڈ سے نکل کر جلدی سے گیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے کچھ نئے پن کا احساس ہوا اور وہ دروازے کے پاس رک کر اندر کا جائزہ لینے لگی۔ رومیلہ میز پر کھانے پینے کی مختلف چیزیں سجا رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکی کہ اتنا اہتمام کس لیے کر رہی ہے۔

''رومیلہ، کون آ رہا ہے؟'' اس کے پوچھنے پر رومیلہ ایک دم اٹھتی ہوئی چیخ پڑی۔

''بخت۔ بخت آج میں بہت خوش ہوں۔ بہت خوش۔''

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے گئی۔

یار پوچھو تو سہی کہ میں کیوں خوش ہوں۔''

''کیوں خوش ہو؟''

''پتا ہے، میرے ڈیڈی آئے ہیں۔'' خوشی کا اظہار اس کی زبان سے ہی نہیں ہو رہا تھا،

اس کا چہرہ بھی انجانی مسرت سے دمک رہا تھا۔

''اچھا' کب کہاں ہیں؟۔'' وہ ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''تمہارے جانے کے بعد آئے تھے' ابھی ذرا مارکیٹ تک گئے ہیں۔

'یہ تو خوشی کی بات ہے۔''

''ہاں بخت' میں تو اس وقت سے یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہاری خوش نصیبیاں شاید مجھ پر بھی اثر انداز ہوگئی ہیں جو یوں اچانک کچھ خوشیاں میری جھولی میں آ گری ہیں۔''

''بیوقوف۔'' وہ ہنس پڑی۔

''اور پتا ہے بخت' ڈیڈی بہت نادم ہیں کہ اتنا عرصہ وہ میری ذات سے غافل رہے۔ انہوں نے اتنی بار مجھ سے معذرت کی کہ میں شرمندہ ہوگئی۔'' خوشی کے ساتھ اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں تو بخت نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''خدا ایسی ہزاروں خوشیاں تمہارا نصیب کرے۔''

''آمین۔'' وہ اس سے الگ ہو کر اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

'لاؤ میں تمہاری کچھ مدد کر دوں۔'' بخت لوازمات سے سجی میز کی طرف آتی ہوئی کہنے لگی۔

''نہیں' یہ سب میں نے کر لیا ہے' بس ڈیڈی کا انتظار ہے۔''

''آخر وہ گئے کہاں ہیں؟۔''

''پتا نہیں' بس کہہ رہے تھے کہ ابھی آ رہا ہوں اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آ کر تمہیں ایک سرپرائز دوں گا۔ اب پتا نہیں کیا سرپرائز دیں گے۔ میں تو اس وقت سے سوچ سوچ کر تھک گئی۔'' بخت اس کا گال تھپکتی ہوئی مسکرا دی۔

''اور ہاں بخت' اپنی خوشی میں تم سے یہ پوچھنا تو بھول ہی گئی کہ مل آئیں اپنے سسرال سے۔''

''ہٹو بدتمیز۔'' وہ ایک دم گلابی پڑ گئی۔

''اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے؟ آخر تم گئی تھیں کہ نہیں؟۔''

''گئی تو تھی۔''

''پھر۔؟''

''پھر کیا؟۔''

''یوں نہیں مانو گی۔ یہ بتاؤ' کیسے ہیں قیس کے ابی جان' اور تمہارے ساتھ کس طرح پیش آئے۔''

''کیا بتاؤں یار' اس کے ابی جان بہت شفیق' بہت مہربان ہیں۔ اتنی محبت سے اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرتے رہے کہ میں بہت سارے اندیشیوں سے آپ ہی آپ نکل گئی۔''

''انہوں نے تمہیں پسند کیا؟۔''

''ان کے انداز۔۔ سے تو یہی لگتا تھا۔''

''چلو ایک مرحلہ تو طے ہوا۔''

''ہاں' لیکن اصل مرحلہ باقی ہے۔'' اس نے طویل سانس لے کر اپنے آپ کو کرسی پر گرا دیا۔

''اللہ چاہے گا وہ بھی حل ہو جائے گا۔ بس تم اپنے چوکھٹے پر مایوسی مت لایا کرو۔ مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔'' وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''شاباش۔۔ یونہی ہنستی رہا کرو۔''

اسی وقت دروازے پر دستک سن کر رومیلہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا خیال ہے ڈیڈی آ گئے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے جلدی سے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اس کے ڈیڈی ہاتھ میں بڑا سا پیکٹ اٹھائے اندر آ گئے۔

''یہ کیا ہے ڈیڈی؟۔'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''پہلے بتاؤ' چائے تیار ہے۔''

''بالکل تیار ہے آیئے۔'' وہ انہیں میز کے پاس لے آئی۔

''گڈ۔ اب یہ کھول کر ان سب چیزوں کے درمیان رکھ دو۔'' انہوں نے پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ جلدی سے ان کے ہاتھ سے لے کر کھولنے لگی۔ بخت اس کے ڈیڈی کے پیچھے کھڑی یہ تمام کاروائی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کس لیے ہے ڈیڈی؟۔'' وہ بڑا سا کیک میز پر رکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

''کیا؟۔'' وہ چیخ پڑی۔ ''کیا واقعی آج میری برتھ ڈے ہے۔''

''کیوں تمہیں یاد نہیں تھی؟''

''مجھے تو کبھی بھی یاد نہیں رہی ڈیڈی۔''

''آئی ایم سوری بیٹا' یہ تمہاری نہیں میری غلطی ہے۔''

''آپ کی کیوں' میری غلطی ہے۔ مجھے یاد رکھنی چاہیے تھی۔'' اس نے فوراً الزام اپنے سر لے لیا۔

''چلو اب اس کیک کو کاٹنے کی رسم ادا کرو۔'' ڈیڈی نے کہا تو اس کی نظر ان کے پیچھے کھڑی بخت پر پڑی وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

''ڈیڈی۔ اس سے تو آپ ملے نہیں' یہ میری دوست ہے بہنوں جیسی دوست بخت آور۔'' ڈیڈی نے پلٹ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ماشاء اللہ۔''

''ڈیڈی ایگزیم کے بعد میں اسی کے ساتھ اس کے گاؤں گئی تھی۔ سچ بہت مزا آیا تھا۔''

''اچھا تو اب چھٹیوں میں تم اسے اپنے ساتھ کراچی لانا۔'' پھر وہ پلٹ کر بخت سے کہنے لگے۔'' کیوں بیٹا آؤ گی ناں؟''

وہ بس سر جھکا کر رہ گئی۔

''چلو رومی بیٹا' اب تم کیک کاٹو۔'' ڈیڈی کے کہنے پر وہ بخت کا ہاتھ پکڑے پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔

چائے کے بعد کافی دیر تک ڈیڈی اس کے پاس بیٹھے رہے اور وہ کسی چھوٹی سی معصوم بچی کی طرح ان کے کندھے سے لگی باتیں کرتی رہی۔ پھر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ڈیڈی' پھر کب آئیں گے؟''

''ابھی دو تین دن یہاں ہوں' کل صبح آؤں گا تم میرے ساتھ چلنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ انہیں چھوڑنے باہر تک آئی۔

اگلے دن ٹھیک چار بجے قیس انہیں لینے آ گیا اور رومیلہ اپنے ڈیڈی کے ساتھ گئی ہوئی تھی اور وہ جانے کیوں کچھ گھبرا رہی تھی۔

''چلو ناں' رومیلہ کو پھر کسی دن لے چلیں گے۔'' وہ ضد کرنے لگا۔

''نہیں قیس' ہم بھی پھر کسی دن چلیں گے۔''

''کیوں آج کیوں نہیں؟''

''بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہارے دل کو؟'' پھر وہ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کچھ ست بھی لگ رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''

''ہاں ٹھیک ہوں۔''

''پھر چلو' تھوڑی تفریح سے فریش ہو جاؤ گی۔ زیادہ دیر نہیں ہوگی۔ جلدی واپس آ جائیں گے۔''

اس کے اتنے اصرار پر وہ مجبور ہو گئی۔ اور دل نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پیچھے بائیک پر آ بیٹھی راستے بھر وہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کرتا رہا۔ وہ تو سن ہی نہیں سکی۔ بس کچھ عجیب عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ پہلے بھی وہ کئی بار اس کے ساتھ جا چکی تھی لیکن ایسی کیفیت تو اس کی کبھی نہ ہوئی تھی جو اس وقت ہو رہی تھی۔ ایک انجانا سا خوف کچھ اس طرح سے اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھا کہ وہ ہزار کوشش کے باوجود اس میں سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ اس نے سوچا صبح تک وہ بالکل ٹھیک تھی بلکہ رومیلہ کی خوشی میں شریک ہو کر اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ خوشی صرف رومیلہ کی نہ ہو' وہ بھی اس میں برابر کی شریک ہو۔ پھر جب رومیلہ اپنے ڈیڈی کے ساتھ چلی گئی۔ اس کے بعد بھی وہ کافی دیر تک ٹھیک رہی تھی۔ دوپہر میں جب وہ کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آئی' اس وقت جانے کیوں وہ اچانک اداس ہو گئی تھی اور اب تک نہ سنبھل پائی تھی۔

''بخت کہاں کھوئی ہوئی ہو؟'' بار بار پکارنے پر بھی جب اس نے جواب نہیں دیا تو قیس اس کا بازو جھنجوڑ کر پوچھنے لگا۔

''کہیں نہیں' یہیں تو ہوں۔''

''خاک یہاں ہو۔ ذرا بتاؤ تو میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''تم۔۔؟'' وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم شاید انجوائے نہیں کر رہی' آؤ کشتی کی سیر کرو گی۔''

''نہیں' بس یہیں سے دیکھیں گے۔'' وہ اس کے ساتھ کنارے کنارے چلنے لگی۔

''بخت' پوچھو گی نہیں کل امی جان نے تمہارے بارے میں کیا رائے دی؟'' اسے

خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگا۔ لمحہ بھر کو وہ قدم روک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر پانی پر نظریں جماتی ہوئی بولی۔

''کیا مجھے پوچھنا چاہیے؟۔''

''گویا تمہیں یقین ہے کہ ابی جان نے تمہیں ناپسند نہیں کیا؟۔''

''میں نے یہ کب کہا۔''

''کہا نہیں تو کہہ دو۔''

''میں کیوں کہوں؟۔''

''چلو میں کہے دیتا ہوں۔'' وہ کچھ دیر رُک کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''پتا ہے بخت' تم سے ملنے کے بعد تو جیسے ابی جان کے پاس اور کوئی موضوع ہی نہیں رہا۔ ان کی ہر بات کا رخ آپ ہی آپ تمہاری طرف مڑ جاتا ہے۔'' وہ کچھ نہیں بولی بس مسکرا کر رہ گئی۔

''اور ان کا کہنا ہے کہ ضروری نہیں کہ میں ایل ایل بی کرلوں۔ پھر وہ تمہارے گھر جائیں' وہ اس سے پہلے بھی تمہارے گھر جانے کو تیار ہیں۔''

''نہیں قیس' جلدی بازی میں کوئی کام نہ کرنا۔'' وہ ایک دم بول پڑی۔

''میں نے بھی ان سے یہی کہا ہے ملک فیصل کے آنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں لیکن وہ کہتے ہیں' فیصل پتا نہیں کب آئے۔''

''پھر تم نے کیا کہا؟''

''میں نے ان سے کہا ہے کہ پہلے چوہدری ملک جمشید علی سے بات کریں۔ تمہارے ابا جی چوہدری صاحب کی بات تو نہیں ٹالیں گے ناں؟۔''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی قیس۔''

''یار تھوڑی آس تو بندھا دو۔''

''میں تو خود آس و نراس کی کیفیت میں گھر کر اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتی ہوں۔ تمہیں کیا آس دلاؤں؟۔''

''چلو یہ کام بھی میں کر لیتا ہوں۔'' وہ رک کر اس کا ہاتھ تھامتا ہوا ایک عزم سے کہنے لگا۔ ''سنو میری ساری تدبیروں کے بعد اگر مجھے یہ یقین ہوگیا کہ میں مر کر ہی تم تک پہنچ سکوں

گا تو میرا یقین رکھنا بخت کہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔''

''قیس۔'' اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

''بخت' ان پانیوں کو پلکوں کے اندر ہی روک لو۔ اگر یہ موتیوں کی صورت تمہارے رخساروں پر ڈھلک آئے تو میں شاید کوئی گستاخی کر بیٹھوں۔''

وہ ایک دم پلکیں جھپکتی ہوئی اپنا ہاتھ چھڑا کر اس سے دور ہٹ گئی۔

''ایسی باتیں کرو گے تو میں تمہارے ساتھ بھی نہیں آؤں گی۔''

''اچھا بابا' نہیں کروں گا ایسی باتیں' تم بھی مایوسی کی باتیں کر کے میرا دل مت جلایا کرو۔''

''اب واپس چلو' بہت دیر ہوگئی ہے۔'' اس نے فوراً واپسی کے لیے قدم موڑ لیے۔

''ارے ارے۔ ادھر منہ سے بات نکالتی ہو' ادھر عمل کر ڈالتی ہو۔'' وہ جلدی سے قدم بڑھا کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''قیس تنگ مت کرو' واپس چلو۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' وہ اتنی عاجزی سے بولی کہ اسے اس کی بات ماننی پڑی۔

واپسی میں اس نے جان بوجھ کر طویل راستہ اختیار کیا' اور کہیں کہیں بائک کی اسپیڈ اتنی کم کر دیتا کہ پیدل چلتے لوگ اس سے آگے نکل جاتے۔ وہ اس کی شرارت سمجھ رہی تھی۔ پھر بھی چپ تھی۔ جانتی تھی اس وقت وہ اس کی کوئی بات نہیں سنے گا۔ بمشکل بیس منٹ کا راستہ اس نے ایک گھنٹے میں طے کیا۔ ہوسٹل کے گیٹ پر بائیک سے اترتے ہی وہ کہنے لگی۔

''تم بہت بے ایمان ہو۔''

وہ شرارت سے ہنس پڑا۔ ''پھر کب آؤں؟۔''

''کوئی ضرورت نہیں پھر آنے کی۔'' مصنوعی خفگی لہجے میں سموتے ہوئے چہرے پر جھک آنے والے بالوں کو ایک ہاتھ کی مدد سے پیچھے کرتے ہوئے اس کی نظروں کا زاویہ جیسے ہی بدلا۔ وہ زرد پڑ گئی۔ گیٹ پر ابا جی کھڑے حیرت اور غیر یقینی سے ایک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ اندر تک لرز کر رہ گئی۔ قیس اس کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھ کر پریشانی سے پوچھنے لگا۔

''کیا ہوا بخت' تم ٹھیک تو ہو؟۔''

''قیس سامنے ابا جی' کھڑے ہیں۔ تم پلیز چلے جاؤ۔'' اس کے ساتھ ہی وہ مرے مرے

قدموں سے ابا جی کے پاس آ گئی۔

''ابا جی۔ آپ کب آئے؟'' بڑی مشکل سے اس کے ہونٹوں سے یہ جملہ ادا ہوا۔

ابا جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یونہی چپ چاپ کھڑے اسے دیکھتے رہے اور وہ نظریں زمین پر جمائے ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ خاموشی کے یہ چند لمحے اس کی جان پر بنائے دے رہے تھے۔ اور اسے اپنے پیروں پر کھڑا رہنا دشوار لگ رہا تھا۔

''بخت آور بابا' میرے ساتھ آ۔'' ابا جی کی ٹوٹتی آواز اس کے اندر شگاف ڈال گئی تو وہ مرے مرے قدموں سے ان کے پیچھے چل پڑی۔ تانگے پر بیٹھتے ہوئے اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ قیس ابھی تک وہیں کھڑا حیران پریشان اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کچھ دیر کو ہی سہی' وقت تھم جائے اور وہ اپنی پیاسی آنکھوں کو اس کے دیدار سے سیراب کر لے لیکن۔

نہ وقت تھما' نہ وہ سیراب ہوئی۔ ہاں لمحہ بہ لمحہ اس سے دور ہوتی گئی۔

بس میں بھی ابا جی اس کے برابر بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ اور وہ باریک دوپٹے میں پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بھی بے پناہ ہوئی جا رہی تھی۔ پہلی بار اسے چادر کی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا۔ وقتی طور پر ہی سہی' وہ اس کی پناہ میں چھپ تو سکتی تھی۔

راستے بھر وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی کہ پتا نہیں ابا جی اس کے ساتھ کیا سلوک کریں اور وہ ابا جی کو کیونکر مطمئن کر سکے گی۔ اور پتا نہیں ابا جی اس کا یقین کریں گے بھی یا نہیں۔ ایسے میں بے شمار سوالوں کے درمیان گھری وہ بار بار ابا جی کی طرف کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی جو اس سے یوں لاتعلق بیٹھے تھے۔ جیسے وہ ان کے ساتھ موجود ہی نہیں۔

پھر جیسے ہی گاؤں کے قریب بس رکی' وہ چپ چاپ ابا جی کے ساتھ نیچے اُتر آئی۔ سامنے ہی ان کے گاؤں کا کوچوان رحمت اپنا تانگہ لیے کھڑا تھا۔ جب تک ابا جی اس سے بات کرتے' وہ جلدی سے آ کر اس میں بیٹھ گئی۔ پھر ابا جی کے بیٹھتے ہی رحمت کوچوان تانگے کو بڑی سڑک سے موڑ کر کچی سڑک پر لے آیا جو مختلف موڑ کاٹتی ہوئی اس کے گھر سے آگے تک جاتی تھی۔

کئی بار وہ ابا جی کے ہمراہ کبھی توصیف لالا کے ہمراہ اور کبھی سیف کے ہمراہ اس راستے سے گزری تھی اور ہمیشہ کچی سڑک کے اطراف دور تک پھیلے کھیتوں اور ان میں لہلہاتی فصلوں کو

دیکھتے ہی اس کے سفر کی تمام تھکن پل میں اتر جاتی تھی اور قریب سے گزرتے گنوں سے لدے اونٹوں کی قطاروں کو وہ دلچسپی سے دیکھا کرتی۔ لیکن اس وقت نہ تو لہلہاتے کھیت اسے اپنی طرف متوجہ کر سکے تھے اور نہ ہی اونٹوں کے گلے میں بندھی گھنٹیاں اس کے دل میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔ اسے تو اپنے اطراف ہر جگہ یہاں سے وہاں تک بس ابا جی کی سرد نظریں دکھائی دے رہی تھیں۔ اور ان سرد نگاہوں میں ایک ہی سوال۔

''بخت آور' تم نے میرا مان کیوں توڑا؟''

چڑھتے سورج کی زرد پہلی کرنیں ماحول کو بہت خوبصورت بنا رہی تھیں اور وہ ایک ہی زاویے سے بیٹھی تھک جانے کے باوجود اپنے اندر ہلنے کی سکت نہیں پا رہی تھی۔ اس کا پورا وجود جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے احساس تک نہیں ہوا کہ سر سے آنچل ڈھلک کر شانوں پر آ ٹکا اور بادِ صبا کو اس کے بالوں سے اٹکھیلیاں کرنے کا موقع مل گیا اور جب تانگہ اس کے گھر جانے والی سڑک پر مڑا۔ اسی وقت دائیں موڑ سے بڑے چوہدری صاحب ملک جمشید علی کی جیپ تانگے کے پیچھے آ رکی۔ کوچوان نے چاہا کہ اپنا تانگہ کنارے پر کر لے تاکہ بڑے چوہدری کی جیپ کو راستہ مل جائے۔ لیکن سڑک تنگ ہونے کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا۔

چوہدری صاحب پہلے تو راستہ نہ ملنے پر سخت جھنجلائے لیکن پھر جیسے ہی ان کی نظر بخت آور پر پڑی ان کی ساری جھنجلاہٹ پل میں غائب ہو گئی۔ وہ غیر یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے ہلکے سے بڑبڑائے۔ ''جگنو'' ان کی بڑبڑاہٹ سن کر ساتھ میں بیٹھا ڈرائیور حیات محمد بڑے ادب سے پوچھنے لگا۔

''وڈے سائیں' مجھ سے کچھ کہا؟''

بڑے چوہدری نے پہلے سر کو نفی میں ہلایا۔ پھر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اپنی مونچھ کو حرکت دیتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''اوئے حیات محمد' اے چھوکری کون اے؟''

''وڈے سائیں' یہ اپنے نور محمد دی دھی اے۔ اوتھاں ملتان ڈاکٹری پڑھ دی اے (یہ اپنے نور محمد کی لڑکی ہے۔ وہاں ملتان میں ڈاکٹری پڑھتی ہے)۔''

''اچھا۔'' پہلے نظر نہیں آئی؟''

''سائیں' اے ملتان ہوندی اے۔ (یہ ملتان میں ہوتی ہے)''

''ہوں۔'' کہہ کر بڑے چوہدری صاحب خاموش ہو گئے۔

جس وقت وہ ابا جی کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی۔ اماں لسی بلو رہی تھیں' اسے دیکھ کر وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

''بخت آور' خیر تو ہے۔ تو یوں ننگے سر کیسے آ گئی؟۔''

اس نے جیسے سنا ہی نہیں کہ اماں کیا کہہ رہی ہیں۔ وہ تو بس ابا جی کر سرد نگاہوں سے چھپ جانا چاہتی تھی اور اس وقت بہترین پناہ گاہ اماں کی آغوش کے سوا اور کون سی ہو سکتی تھی بھلا۔ وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔ ابا جی نے رک کر ایک نظر اسے دیکھا اور چپ چاپ اندر چلے گئے۔ اور اماں اسے سینے سے لگائے سوال پر سوال کیے جا رہی تھیں۔

''بخت' میری دھی تو ٹھیک ہے ناں؟۔ اس طرح کیسے آئی؟ تیرے ابا جی تو تجھ سے ملنے گئے تھے۔ پھر تجھے ساتھ کیسے لے آئے؟ تیری پڑھائی ختم ہو گئی ہے کیا؟۔''

''اماں مجھ سے کچھ مت پوچھ۔ بس مجھے کہیں چھپا لے۔'' وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن آنسو آپ ہی آپ پلکوں کی سرحدیں پار کر آئے۔

اماں اس کے رونے سے پریشان ہو کر زینت کو آواز دینے لگیں۔

''کوار (دلہن) دیکھ تو میری دھی کو کیا ہو گیا ہے؟۔''

''کیا ہوا اماں؟۔'' اماں کے پکارنے پر زینت بھاگی چلی آئی۔ پھر اس پر نظر پڑتے ہی وہ چیخ پڑی۔

''اری بخت آور' تو کب آئی اور یہ تو رو کیوں رہی ہے؟۔''

وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''ہا ہائے۔ تو تو اماں کو بھی پریشان کر رہی ہے۔ چل اندر چل کر آرام سے بیٹھ۔'' بھرجائی زینت اسے اماں سے الگ کر کے اندر لے آئی۔

اسے یہاں آئے تین دن ہو گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ نہ ہی ابا جی نے اس سے کوئی باز پرس کی تھی۔ اماں اور بھرجائی زینت اس کی دلجوئی کرنے کے ساتھ ساتھ اصل بات معلوم کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن اس نے تو جیسے اپنے ہونٹ سی لیے تھے۔ اماں کوئی بھی بات پوچھتیں۔ جواب میں وہ ایسی خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی کہ اماں کا کلیجہ کٹ کر رہ جاتا۔ اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر باہر نکل جاتیں۔

غیر ارادی طور پر وہ منتظر تھی کہ کب ابا جی اسے بلا کر باز پرس کرتے ہیں لیکن ابا جی تو جیسے اسے خاموشی کی مار دے رہے تھے۔ آج تین دن ہو گئے تھے' انہوں نے ایک لفظ نہ کہا تھا۔ اس سے تو اس سے' اماں تک سے انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا جب ہی تو اماں اسے کرید رہی تھیں۔ ابا جی کی طویل خاموشی اسے اندر ہی اندر دہلائے دے رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی' ابا جی اس سے پوچھیں' اس سے باز پرس کریں اور اگر وہ غلطی پر ہے تو اسے سزا دیں لیکن یوں خاموش رہ کر اس کا امتحان نہ لیں' آخر اس کا ضبط جواب دے گیا تو وہ خود ہی ابا جی کے پاس چلی آئی۔

''ابا جی۔ آپ خاموش کیوں ہیں؟۔ مجھ سے کچھ پوچھتے کیوں نہیں؟۔''

''آہستہ بول بخت آور' دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ بات اگر باہر نکل گئی تو اپنی ہی جگ ہنسائی ہو گی۔ یہ جو تھوڑی بہت عزت ہے' یہ بھی مٹی مین رل گئی تو جینے کو کیا رہ جائے گا۔''

''ابا جی۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ قیس بُرا لڑکا نہیں ہے۔''

''بخت آور۔'' ابا جی دبی دبی آواز میں چیخ پڑے۔ زبان کو لگام دے' ہمارے ہاں دھیوں' بہنوں کی زبان پر غلطی سے بھی کسی نامحرم کا نام آ جاتا ہے تو ہم ان کی زبانیں گدی سے کھینچ لیتے ہیں۔''

''تو کھینچ لیجیے میری زبان۔ گھونٹ دیجیے میرا گلا۔ لیکن میرے سر سے دست شفقت کھینچ کر مجھے بے سائبانی مت بخشیے' آپ کی خاموشی مجھے بے موت مار رہی ہے۔''

''تو مر جاتی۔ میں خدا کی رضا جان کر صبر کر لیتا لیکن تو نے۔ تو نے بخت آور۔'' ابا جی نے اپنی پیشانی دونوں ہاتھوں پر ٹکا لی۔

''اگر میرا جرم ناقابل معافی ہے تو گلا گھونٹ کر مار دیجیے مجھے' یہ بار بار مرنے جینے کا عمل بڑا تکلیف دہ ہے ابا جی۔'' وہ ان کے پیروں پر سر رکھ کر سسک سسک کر رو پڑی۔

''تو سمجھتی ہے یوں رو کر اپنی پیشانی پر لگا داغ دھو سکے گی۔ نہیں بابا' یہ داغ تو سات سمندروں کا پانی بھی نہیں دھو سکتا۔''

''ابا جی۔'' وہ سر اٹھا کر حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ''نہیں ابا جی' میری پیشانی پر کوئی داغ نہیں ہے۔''

"پھر روتی کیوں ہے؟۔"

"مجھے آپ کی خاموشی مارے ڈالتی ہے۔"

"مجھے چپ ہی رہنے دے بخت آور۔ بات اگر صرف تیری ذات کی ہوتی تو کچھ کہہ لیتا ستم تو یہ ہے کہ کچھ کہتا ہوں تو اپنی ہی عزت پر حرف آتا ہے۔ تو نے تو مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

"نہیں ابا جی' میں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا۔" اس کے رونے میں شدت آ گئی۔ اسی وقت اماں کسی کام سے اندر آ گئیں۔ اسے یوں بلک بلک کر روتے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"بخت آور' میری دھی کیا ہو گیا ہے تجھے؟۔ ایسے کیوں رو رہی ہے؟۔ توصیف کے ابا! کیا کہہ دیا ہے تو نے میری دھی کو جو یہ یوں رو رو کے ہلکان ہو رہی ہے۔"

"میں نے کیا کہنا ہے اسے۔" ابا جی کی آواز بہت دھیمی ہو گئی۔

"پھر یہ کیوں روتی ہے؟۔ جب سے آئی ہے چپ چاپ ہے۔ کچھ بولتی بھی نہیں۔" پھر وہ بخت کا سر اپنے سینے سے لگاتی ہوئی بولیں۔ "میری دھی' مجھے بتا' تجھے کیا ہو گیا ہے؟"

وہ اور شدت سے رونے لگی۔ ابا جی کچھ دیر تک اس کے ہلتے وجود کو دیکھتے رہے۔ پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگے۔

"توصیف کی ماں! شام میں اپنی بہن کے گھر چلی جا۔ اس سے کہہ آ کر بخت آور کی بات پکی کر جائے۔ میں جلد ہی اس کی شادی کر دوں گا۔"

"ابا جی۔۔" وہ سر اٹھا کر حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"بخت آور۔ تو اپنے کمرے میں جا اور جب تک نواز ڈولی لے کر نہ آ جائے' میں تجھے باہر نکلتے نہ دیکھوں۔"

اس کے ساتھ ہی ابا جی کمرے سے باہر نکل گئے۔

یہ سزا تھی جو ابا جی نے اسے سنائی تھی۔ کہ وہ احتجاج کا حق رکھتے ہوئے بھی احتجاج نہ کر سکتی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ اپنے اندر جرأت پیدا کر لیتی لیکن اب اس مقام پر تو بالکل بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے لہو رنگ آنکھوں سے اماں کی طرف دیکھا اور بمشکل اپنے وجود کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

چوہدری ملک جمشید علی جو بظاہر ایک مضبوط چٹان کی مانند تھے۔ کبھی کبھی وقت انہیں ایسے مقام پر لا کھڑا کرتا جہاں وہ بالکل بے بس ہو کر رہ جاتے تھے۔ ایام جوانی میں انہوں نے ایک بار جو شکست کھائی تھی' اسے وہ اب ایک عمر گزرنے کے باوجود نہ بھول پائے تھے۔ گو کہ انتقامی جذبے کو انہوں نے دل کے کسی گوشے میں دفن کر دیا تھا پھر بھی کبھی کوئی ایسی بات ہو جاتی جو ان کے اندر ایک آگ لگا دیتی جس میں ان کا پورا وجود سلگنے لگتا۔ دل کا وہ بند گوشہ جس میں انہوں نے انتقامی جذبے کو چھپا رکھا تھا' آپ ہی آپ کھل جاتا اور ان کی شخصیت کی مضبوط بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتا تھا۔

وہ اپنا آپ کسی پر عیاں نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے جب انتقامی جذبہ ان کے ہر جذبے پر غالب آ کر ان کی شخصیت کو کمزور کرنے لگتا۔ تب ایسے میں وہ اپنے آپ کو چھوٹی حویلی میں مقید کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ اپنی شخصیت کا کمزور پہلو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاتے تھے لیکن اپنے آپ کو نہ بچا پاتے تھے۔

آج برسوں بعد بخت آور کو دیکھ کر ایک نام اُن کے ہونٹوں کی قید سے آزاد ہوا تھا۔ اس وقت تو انہوں نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا تھا لیکن سینے کے اندر جو ایک شور برپا ہو گیا تھا' اسے دبانے میں وہ ناکام ہو گئے تھے۔ ہر دھڑکن جیسے صدا دے رہی تھی۔

"جگنو۔"

"جگنو۔"

"جگنو۔"

اور اس نام کے ساتھ ہی شکست کے احساس نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ بمشکل حویلی تک آئے تھے۔ ان کی لہو رنگ آنکھوں کو دیکھ کر لمحہ بھر کو بڑی چوہدرانی سہم گئیں پھر ہمت کر کے پوچھنے لگیں۔

"خیر تو ہے ملک جی؟"

"ہاں' سب خیر ہے' میں ذرا چھوٹی حویلی جا رہا ہوں۔"

"چھوٹی حویلی۔" چوہدرانی جی بڑبڑا کر رہ گئیں۔

یہ لفظ ''چھوٹی حویلی'' اپنے اندر ایک داستان چھپائے ہوئے تھا جس سے وہ ناواقف نہیں تھیں لیکن حیران ضرور تھیں کہ آج پانچ برس بعد چوہدری جی چھوٹی حویلی کی طرف جا رہے تھے۔ ''خدا خیر کرے۔'' وہ اندر ہی اندر دہل گئیں۔

''ملک جی۔۔'' وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھیں کہ چوہدری جی نے انہیں ٹوک دیا۔

''فیصل کی ماں تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اپنے معاملات میں داخل اندازی پسند نہیں کرتا۔ پھر تمہارے روکنے کا مقصد۔۔؟''

''میں آپ کو صرف یہ احساس دلانا چاہتی ہوں ملک جی کہ ندا بیٹی اب جوان ہو گئی ہے۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

''مجھے اپنی ذمہ داریوں کا اچھی طرح احساس ہے فیصل کی ماں' گاؤں بھر کی خبر گیری کرتا ہوں تو اپنی اولاد سے کس طرح غافل ہو سکتا ہوں۔''

''بات غفلت کی نہیں ہے ملک جی' جوان بیٹی کی موجودگی میں چھوٹی حویلی کا رخ کرنا۔''

''فیصل کی ماں۔'' چوہدری جی کی دھاڑ کے سامنے ان کی بات ہونٹوں ہی میں رہ گئی۔'' اچھی طرح سن لو اپنے بارے میں' میں خود بہتر سمجھتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔''

وہ کچھ نہیں بولیں۔ بس خاموشی سے سر جھکا لیا۔ جان گئی تھیں کہ ملک جی اس وقت کچھ نہیں سنیں گے۔ چوہدری کچھ دیر تک ان کی طرف دیکھتے رہے پھر مضبوط قدموں سے باہر نکل آئے۔ ان کا رخ چھوٹی حویلی کی طرف تھا۔

اونچی اونچی دیواروں کے درمیان گھری چھوٹی حویلی میں داخل ہوتے ہی ان کی عجیب کیفیت ہو گئی چاروں طرف پھیلے پر اسرار سناٹے میں ان کے قدموں کی آواز ایک گونج پیدا کر رہی تھی۔ لیکن وہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر بے اختیار بڑے ہال کمرے میں چلے آئے جس میں بے شمار نادر اشیاء سجی تھیں۔

وہ کچھ دیر کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر نظروں کے زاویے بدل بدل کر ایک ایک چیز کو دیکھتے رہے ہر چیز پر گرد کی ایک دبیز تہہ سی جم گئی تھی لیکن انہیں اس کی پروا نہیں تھی۔ ان کی نظریں اپنی مطلوبہ شے کو تلاش کر رہی تھیں۔ جب نظریں ہر طرف سے مایوس ہو گئیں تو وہ بڑھ کر دائیں جانب دیوار میں نصب بڑی سی الماری میں تلاش کرنے لگے۔ تھوڑی سی تلاش کے

بعد انہیں ان کی مطلوبہ چیز مل گئی۔ جسے کسی متاع عزیز کی طرح دونوں ہاتھوں میں تھام کر انہوں نے پیر کی ٹھوکر سے الماری بند کی اور آ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک فریم شدہ تصویر تھی جس پر نظر جمتے ہی ان پر ایک جنون سوار ہو گیا۔

''تو کیا سمجھتی تھی جگنو' مجھ سے بھاگ سکے گی۔ نہیں' ابھی یہ دنیا اتنی بڑی نہیں ہوئی کہ میں تجھے ڈھونڈ نہ سکوں۔ ارے میں تو تجھے پاتال میں سے نکال لاتا۔ اور تو چوہدری ملک جمشید علی سے ٹکر لینے کا مطلب جانتی ہے؟۔'' وہ تصویر سے یوں مخاطب تھے جیسے وہ زندہ سلامت ان کے سامنے کھڑی ہو۔ ''نہیں جگنو! اگر تجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو مجھ سے بھاگنے کی غلطی کبھی نہ کرتی۔ اب تجھے اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ جگنو بہت دن ہو گئے ہیں اس حویلی کے درو دیوار پر سناٹے کو حکمرانی کرتے ہوئے۔ اب یہ سناٹا ٹوٹ جانا چاہیے۔ اور تو جانتی ہے اس حویلی پر صرف دو چیزیں حکمرانی کر سکتی ہیں۔ سناٹا یا پھر تیری آواز۔ پچھلے پانچ برسوں میں سناٹوں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ اب تیری باری ہے۔ ہاں جگنو اب تیری باری ہے دیکھ تو یہ درو دیوار تیری آواز سننے کے منتظر ہیں۔ بول کب آئے گی؟۔''

ایک خفیف مسکراہٹ نے ان کے ہونٹوں کو کیا چھوا کہ پل میں ان کی شخصیت ہی بدل گئی۔ کچھ دیر آنکھوں میں سمٹ آنے والی نفرت اور انتقام کی پرچھائیاں جانے کہاں جا چھپیں کہ ان کی جگہ بے بسی و بے چارگی آ سمائی اور وہ کسی معصوم بچے کی طرح تصویر پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اور اب جب وہ تصویر سے مخاطب ہوئے تو جانے کہاں سے اتنا درد ان کی آواز میں آ سمایا۔

''جگنو۔ وہ کمی کمین تجھے کیا محبت دے گا جو ملک جمشید علی نے تیرے لیے اپنے سینے میں چھپا رکھی ہے۔ رب دی سوں۔ تو سات جنم بھی لکھوا لا تو جمشید علی کی محبت میں کمی نہیں پائے گی۔ وہ ہر جنم میں تجھے پہلے سے بڑھ کر چاہے گا کہ تو اپنی قسمت پر ناز کرے گی۔ ہاں اس حویلی کی حکمرانی میں نے تیرے لیے رکھ چھوڑی ہے۔''

تصویر سے سر اٹھاتے ہوئے وہ جیسے التجا کرنے لگے۔

''اب مجھے چھوڑ کر نہ جانا' جگنو! تیری جدائی مین جو گزر گئی وہی بہت ہے۔ اب مزید جدائیاں میرا مقدر مت کرنا کہ اب جمشید علی تجھ سے جدا ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔''

دو متضاد کیفیات نے ان کی شخصیت کو عجیب رنگ دے دیا تھا۔ کبھی وہ بڑی محبت سے تصویر سے مخاطب ہوتے اور کبھی ان کے لہجے میں بے پناہ نفرت سمٹ آتی۔ یونہی صبح سے شام ہوگئی اور پھر تاریکی نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا لیکن چوہدری صاحب ہر احساس سے عاری فریم ہاتھ میں لیے جانے کیا سوچ گئے۔

اور اس رات کی سحر جب ہوئی تو برسوں بعد ایک بار پھر آسمان کے سینے پر چمکتا ہر ستارہ نہ صرف ان کی شب بیداری کا گواہ تھا بلکہ ان کے فیصلے پر نوحہ کناں بھی۔



ابا جی نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور اس میں بظاہر کسی ترمیم کی گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ مچل مچل کر روئی۔ لیکن دل کی بے قراری بڑھتی ہی گئی۔ قیس سے بچھڑ جانے کا خیال اسے تڑپائے دے رہا تھا انجانے میں وہ بہت دور نکل گئی تھی کہ اب واپسی مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھی۔

اس کی پور پور میں اس کی محبتوں کی چاشنیاں سمائی تھیں اور ہر سانس اس کے نام سے مہکتی تھی۔ وہ اس پر اوندھی لیٹی کسی معجزے کو آواز دینے لگی۔ تبھی بھرجائی زینت بنا آہٹ کے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"اری بخت آور' کیوں رو رو کر ہلکان ہوتی ہے؟ مجھے بتا کیا بات ہے؟"

"بھرجائی زینت' مجھ نصیبوں جلی کو اکیلا چھوڑ دے۔"

"جھلی' مجھے بتا تو سہی۔" بھرجائی زینت اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر محبت سے بولیں۔

"کیا بتاؤں؟" وہ سر اٹھا کر بھرجائی زینت کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک امید کی ہلکی سی کرن نے جگمگا کر اسے تھوڑا حوصلہ بخش دیا۔

"بھرجائی زینت' میرا ایک کام کرے گی؟"

"ایک کیا' تو سو کام کہہ' میں سب کر دوں گی۔"

"تو بھرجائی زینت' کسی طرح سیف کو بلوا دے۔"

"سیف کو؟" بھرجائی زینت اس کی طرف دیکھتی ہوئی کچھ سوچنے لگی۔

"بلوا دے گی ناں؟" وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں' کیوں نہیں۔ تیرا لالا آ جائے تو اس سے کہوں گی جا کر سیف کو لے آئے گا۔"

"کہاں گئے ہیں توصیف لالا؟"

"وہ وڈے چوہدری جی کے کام سے ساتھ والے پنڈ گیا ہے۔"

"کب آئیں گے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی بخت آور۔ آج شام میں آ جائے یا پھر وہ ایک دن کے بعد۔"

"نہیں بھرجائی' توصیف لالا کو ابھی آنا چاہیے' اسی وقت۔" اس نے بے بسی سے پھر اپنا سر چارپائی کی پٹی پر ٹیک دیا۔

"مجھے بتا تجھے سیف سے کیا کام ہے؟"

"تو نہیں سمجھے گی بھرجائی' تو نہیں سمجھے گی۔" اس کے آنسو پھر تواتر سے بہنے لگے۔

"جھلی۔ ایسی روتی جائے گی تو میں کیا سمجھوں گی جب تک بات نہیں بتائے گی۔"

"کوئی بات نہیں ہے' بس تو مجھے میرے حال پہ چھوڑ دے۔"

"ایسے کیسے چھوڑ دوں۔ چل اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لے۔ میں تیرے لیے روٹی لے کر آتی ہوں۔"

"نہیں بھرجائی' مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"تجھے میرے سر کی قسم بخت آور' اٹھ جا۔" بھرجائی زینت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے اپنی قسم دی تو وہ مجبوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

کھانا اس نے کیا کھانا تھا۔ بس اماں اور بھرجائی زینت کی خاطر تھوڑا سا زہر مار کر لیا اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔

تقدیر کے آگے اس کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئی تھیں۔ سوچتے سوچتے اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا تو اس نے تھک کر تکیے پر سر رکھ لیا۔ قریب ہی جیسے کوئی اپنا آپ منوا رہا تھا۔

"میں قیس ہوں۔ قیس۔"

"ہاں۔ تم قیس ہو اور میں بدبخت بخت آور۔" ڈھیر ساری تلخی نے اس کی زبان کو چھو لیا۔ "ہاں قیس' مجھے اپنے اسم با مسمیٰ ہونے کا یقین کبھی بھی نہ تھا' پھر تم کیوں مجھے یقین دلانے آ

گئے تھے۔ کیوں۔ کیوں؟۔" یونہی اپنے آپ سے الجھتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

شام میں جس وقت اماں' ابا جی کی ہدایت کے مطابق اپنی بہن کے گھر جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اسی وقت بڑے چوہدری ملک جمشید علی کو حویلی سے تین چار خواتین اپنی ملازم عورتوں کے سروں پر چاندی کے بڑے بڑے تھال اٹھائے چلی آئیں۔ اماں نے ان کی مرعوب کر دینے والی شان وشوکت کو حیرت سے دیکھا اور کتنی دیر تک ناک پر انگلی رکھے' کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

"ہم بڑے چوہدری صاحب کے گھر سے آئے ہیں۔" ان میں سے ایک خاتون نے۔۔تفاخر سے کہا تو اماں جیسے ہوش میں آ گئیں۔

"اری زینت۔ جلدی کر اندر سے چادریں لے آ۔ چوہدرانیوں کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا۔" بوکھلاہٹ میں اماں وہیں سے چلا کر زینت سے کہنے لگیں تو زینت نے جلدی سے چادریں لا کر چارپائیوں پر بچھا دیں۔ ان سب کے بیٹھتے ہی اماں پوچھنے لگیں۔

"بی بی اساں غریباں دے گھر کیویں آئے ہو (ہم غریبوں کے گھر کیسے آنا ہوا)؟۔"

"اساں بخت آور دے واسطے آئے ہیں (ہم بخت آور کے لیے آئے ہیں)۔"

"بخت آور دے واسطے؟" اماں یا تو سمجھی نہیں یا پھر انہیں یقین نہیں آیا کہ وہ کھڑی ایک ایک کی شکل دیکھے گئیں۔



آپ کی بات ٹھیک ہے چوہدارنی جی' پر اگر بخت آور کے ابا جی کے سامنے بات ہو جاتی تو۔۔"

"ہاں ہاں بلاؤ بخت آور کے ابا جی کو' ہم ان کے سامنے منہ میٹھا کر لیتے ہیں۔" انہوں نے پھر منہ میٹھا کرنے کی بات کر کے اور کسی بات کی گنجائش نہ چھوڑی تو اماں جلدی سے ان کے لیے چائے پانی کا انتظام کرنے لگیں۔

اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کو تقدیر کی مہربانی سمجھیں یا کوئی اور رنگ دیں کہ یوں بیٹھے بٹھائے اچانک ان کی بیٹی کے نصیب کھل گئے تھے۔ اس سادہ لوح عورت کے لیے یہ خیال ہی خوش کن تھا کہ ان کی بیٹی چوہدرانی بن کر راج کرے گی۔ وہ پچھلے کئی دن سے بخت آور کو مسلسل روتے دیکھ کر پریشان ہوتی رہی تھیں۔ اس وقت چوہدرانیوں کی آمد نے ساری پریشانیاں کہیں پیچھے دھکیل دی تھیں۔ ایک عجیب خوشی تھی جو سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔

پھر جیسے ہی ابا جی آئے۔ چوہدرانیوں کے اشارے پر ان کی ملازم عورتوں نے بڑے

بڑے تھالوں پر سے کپڑے ہٹا دیے۔ مٹھائی' کپڑے' زیور اور شادی کے اخراجات کے لیے رقم۔ ابا جی کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایک ایک چیز کو حیرت سے دیکھے گئے۔ جب چوہدرانیوں نے ابا جی سے اپنے آنے کا مقصد کا بیان کیا تو اماں کی طرح وہ بھی کافی دیر تک غیر یقینی کیفیت میں کھڑے رہے۔ اگر انہیں کچھ سوچنے اور کہنے کی مہلت دی جاتی تو شاید وہ کوئی بہتر فیصلہ کر سکتے لیکن چوہدرانیوں نے انہیں سوچنے اور کہنے کو وقت ہی نہیں دیا اور جھٹ پٹ منہ میٹھا کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر جاتے جاتے کہنے لگیں۔

''اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو حویلی چلے آنا۔''

ابا جی بس سر ہلا کر رہ گئے۔

ان سب کے جانے کے بعد زینت' بخت آور کے پاس آ کر کہنے لگی۔

''اڑی بخت اور' تو تو سچ مچ بخت آور ہے۔ دیکھ تو بیٹھے بٹھائے رب نے کیسے تیرا نصیبہ کھول دیا ہے۔''

''کیا ہوا بھرجائی زینت؟۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''ابھی وڈے چوہدری کے گھر سے عورتیں آئی تھیں تیرا پیغام لے کر اور منہ میٹھا کر کے ہی گئی ہیں۔''

''میرا پیغام لائی تھیں۔ کس کے لیے؟۔'' اس کے ذہن میں پہلا خیال ملک فیصل کا آیا۔

''وڈے چوہدری جی کے لیے۔''

بھرجائی زینت' کیا کہہ رہی ہے تو؟۔ بڑے چوہدری جی کو کیا ضرورت ہے' جوان اولاد کی موجودگی میں شادی کرنے کی؟ اور پھر وہ تو عمر میں مجھ سے۔''

''اڑی کملی چوہدریوں کی عمر نہیں دیکھی جاتی۔ زمینیں جائیدادیں دیکھی جاتی ہیں۔ [illegible] بخت آور چوہدرانی بن کر راج کرے گی تو۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ حیران حیران نظروں سے زینت کی طرف دیکھے گئی۔

''اچھا۔ میں محلے میں مٹھائی بانٹ آؤں۔ یہ بھر بھر تھال لے کر آئی تھیں چوہدرانیاں۔'' وہ دونوں بازو پھیلا کر بولی۔ ''اور تیری سکھیوں کو بھی بلا لاؤں۔ یہی دو دن تو ہیں۔ جی بھر کے ڈھولک بجا لیں۔''

''بھرجائی' اتنی جلدی؟۔''

''ارے ان کا بس چلتا تو ابھی اٹھا کر لے جاتیں تجھے۔ پتا نہیں انہوں نے یہ دو دن کیسے دے دیئے؟۔''

''بھرجائی زینت' ایک بات تو بتا۔''

''ایک کیا' سو باتیں پوچھ' میں سب بتاؤں گی۔''

''ابا جی خوش ہیں؟۔''

''لے خوش کیوں نہیں ہوں گے بھلا ان کی دھی رانی چوہدرانی بننے جا رہی ہے' کوئی مذاق تو نہیں۔''

''اچھا۔'' اس کے اندر کا سارا درد آنکھوں میں سمٹ آیا تو اس نے اپنی پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔ پلکوں کے اندر ایک دم ڈھیر سارا پانی جمع ہو کر چھلکنے کو بے تاب ہو گیا جسے اس نے روکنے کی کوشش نہیں کی۔



وہ حیران لڑکی ہمیشہ اسے حیران چھوڑ کر اوجھل ہو جاتی تھی۔ اس وقت وہ حیران کھڑا اسے اوجھل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ جس وقت وہ بالکل ہی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تب وہ گھر جانے کے بجائے رومیلہ کے پاس آ گیا۔ اسے تنہا دیکھ کر رومیلہ اس سے پوچھنے لگی۔

''بخت کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟۔''

''میں نے اسے نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' وہ آزردگی سے بولا۔

''کیا مطلب؟۔''

''ابھی ہم آئے تو گیٹ پر اس کے ابا جی کھڑے تھے۔''

''میرے خدا۔ انہوں نے تم دونوں کو دیکھا تو نہیں؟۔''

''دیکھ لیا تھا انہوں نے۔''

''پھر؟۔''

''پھر وہ بخت کو اپنے ساتھ لے گئے۔''

''کہاں؟''

''میں نہیں جانتا۔ لیکن وہ بہت خوفزدہ تھی۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔'' رومیلہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"یہ سوچو رومیلہ! اب کیا کریں؟۔"

"ابھی ہم کچھ نہیں کر سکتے قیس! ابا جی اسے یقیناً گاؤں لے گئے ہوں۔ کچھ دن انتظار کرو۔ اگر وہ آ گئی تو ٹھیک ورنہ میں خود جا کر معلوم کروں گی۔"

"کچھ دن کی بات مت کرو رومیلہ! مجھے فوراً اس کے بارے میں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو تم۔؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "چلو دو دن انتظار کر لو۔ پھر میں کچھ سوچوں گی۔" پھر ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔ "مرد ہو! ذرا ہمت کرو۔ یوں منہ لٹکا کر بیٹھو گے تو میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔" وہ افسردگی سے ذرا سا مسکرایا اور اٹھ کر چل دیا۔

"پھر یہ دو دن اس کی تمام زندگی پر بھاری ہو گئے۔ ایک ایک پل کاٹنا دشوار ہو گیا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وقت کو پر لگا دے۔ جس طرح وہ اپنی روایتوں سے خوفزدہ تھی اسے سوچ سوچ کر وہ پریشان ہوتا رہا۔ ابی جان کو بھی اس نے ابھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ چاہتا تھا پہلے اس کے حالات جان لے اس کے بعد ابی جان سے بات کرے۔

تیسرے دن وہ دوپہر کے وقت رومیلہ کے پاس جا پہنچا۔ اسے دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"میرے بھائی! ذرا شام کو انتظار کر لیتے۔"

"یہ میرے لیے ممکن نہ تھا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"اچھا تم بیٹھو! میں سیف کو فون کر کے آتی ہوں۔ ہو سکتا ہے اس سے کچھ معلوم ہو جائے۔"

وہ اسے بیٹھنے کا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی تو وہ ایک بار پھر انتظار کی سولی پر لٹک گیا۔ کوئی بیس منٹ کے بعد وہ واپس لوٹی اور آتے ہی کہنے لگی۔

"قیس۔ میں بخت کے گاؤں جا رہی ہوں۔"

"کیوں! وہ ٹھیک تو ہے نا؟۔"

"یہی معلوم کرنے تو جا رہی ہوں۔"

"سیف کیا کہہ رہا تھا؟۔" وہ بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"سیف کچھ نہیں جانتا۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ ابھی گاؤں جا رہا ہے۔ اس نے مجھے بھی چلنے کے لیے کہا ہے۔ میں نے سوچا اسی بہانے بخت کی خیریت معلوم کر آؤں۔"

"کیا میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟۔"

"تم کیا کرو گے جا کر؟۔"

"پھر میں کیا کروں؟۔" وہ چیخ پڑا۔

"میری واپسی کا انتظار۔"

"رومیلہ! یہ انتظار ہی میرا مقدر کیوں ہو گیا ہے؟۔"

"آرام سے بھائی! آرام سے۔ میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔ بس تم دعا کرو معاملہ گڑبڑ نہ ہو۔"

"رومیلہ۔۔۔ رومیلہ۔"

وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ رومیلہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

"دیکھو! میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو مجھے بسوں کے اڈے پر چھوڑ دو! سیف کی بس وہیں آئے گی تو میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

"چلو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ اپنا بیگ اٹھا کر اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

راستے میں اس نے بڑی سہولت سے سیف کو قیس اور بخت آور کے بارے میں بتا دیا اور جب آخر میں اس نے کہا کہ ابا جی نے بخت کو قیس کے ہمراہ دیکھ لیا تھا۔ جبھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں تو سیف ایک دم پریشان ہو گیا۔

"رومیلہ! یہ اچھا نہیں ہوا۔ پتا نہیں ابا جی نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو؟۔"

"کیا کریں گے وہ؟۔" وہ بھی پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

"تم نہیں جانتیں ہماری روایتوں کو۔ اگر ابا جی نے اسے زندہ دفن کر دیا تو بھی یہ کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔"

"سیف۔ سیف! کیا کہہ رہے ہو؟۔" اس کی پریشانی میں تھوڑا سا خوف شامل ہو گیا تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"کیا ٹھیک کہہ رہے ہو؟۔ حیرت ہے تم پڑھے لکھے ہو کر بھی۔"

"میری بات مت کرو رومیلہ! میں تمہاری طرح سوچ سکتا ہوں لیکن ابا جی کو نہیں سمجھا سکتا۔"

"کیوں۔ کیوں نہیں سمجھا سکتے؟۔"

''وہ کہیں گے کہ تعلیم نے مجھے بے غیرت بنا دیا ہے اور بے غیرتی کا طعنہ تو میں
بھی نہیں سن سکتا۔''

''تو تم بخت کے لیے کچھ نہیں کرو گے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے' مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔

''بھئی ابا جی کو سمجھاؤ بلکہ قائل کرو کہ بخت پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ اسے رواتوں کی
نہ چڑھائیں۔''

''ہاں۔ ایسی کوشش تو میں ضرور کروں گا۔ اور پلیز' تم پریشان مت ہو۔'' سیف نے
کر اس کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا تو اس نے طویل سانس لیتے ہوئے سر
پشت سے ٹیک دیا۔

جس وقت وہ سیف کے ہمراہ اس کے گھر میں داخل ہوئی تو ڈھولک کی تیز آواز نے
کا استقبال کیا ساتھ لڑکیوں کے ہنسنے اور گانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ دروازے
میں قدم روک کر سوالیہ نظروں سے سیف کی طرف دیکھنے لگی۔ سیف نے کندھے اچکا کر لا
کا اظہار کیا۔ اور اسے لیے ہوئے اندر آ گیا۔

آنگن میں توصیف لالا اور بھرجائی زینت دریاں بچھا رہے تھے۔ سیف بیگ
توصیف لالا کے سینے سے جا لگا۔

''توصیف لالا' یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''اپنی بخت آور کی شادی ہو رہی ہے وڈے چوہدری جی کے ساتھ۔'' توصیف لالا
آواز میں خوشی کے ساتھ ساتھ تھوڑا غرور بھی سمٹ آیا تھا۔ ان کی بات سن کر رومیلہ نے
ہو کر سیف کی طرف دیکھا۔ جواب میں اس نے کندھوں کو یوں ہلکے سے جھٹکا دیا۔
ہوں' پانی سر سے گزر چکا ہے' اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''بھابی زینت' بخت کہاں ہے؟'' وہ سیف کی طرف سے رخ موڑ کر بے تابانہ
سے پوچھنے لگی۔

''اپنے کمرے میں ہے۔ اور سب لڑکیاں بھی وہیں ہیں۔ تو ادھر ہی چلی جا
زینت اسے جواب دے کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہو
کے کمرے میں آ گئی۔ سامنے ہی وہ مہندی سے بھرے تھال میں دونوں ہاتھ اور پاؤں

بیٹھی تھی۔ اور اس کے بالوں کی بے شمار مینڈھیاں دوپٹے سے نکل کر اس کے چہرے کا احاطہ
کیے ہوئے تھیں۔

رومیلہ کچھ دیر کھڑی حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ کسی صورت میں میڈیکل کی طالبہ
نہیں لگ رہی تھی۔ اس میں اور گاؤں کی دوسری لڑکیوں میں ذرا برابر فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔
گھٹنوں سے ٹھوڑی ٹکائے ایک ٹک مہندی کے تھال کو دیکھتے ہوئے وہ جانے کیا سوچ رہی تھی
کہ آنکھوں میں ڈھیر ساری ویرانی اتر آئی تھی۔ رومیلہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے
پاس آ گئی۔

''بخت۔'' اس کے پکارنے پر وہ ذرا سی گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''اتنی جلدی' یہ سب کیسے ہو گیا؟''

''کوئی سوال مت کرو رومیلہ' کہیں ایسا نہ ہو میں سارے الزام تمہارے سر پر رکھ دوں۔''

''میں سارے الزام خوشی سے سہہ لوں گی لیکن خدا کے لیے یوں مظلوم مت بنو۔ وہ بڈھا
چوہدری۔ کیا تم اس کے ساتھ خوش رہ سکو گی یا اس کی زمینوں کی کشش نے تمہارے دل سے
اس کا خیال مٹا دیا ہے جو صرف نام ہی کا قیس نہیں ہے بلکہ۔''

''رومیلہ۔۔ پلیز آہستہ بولو' ابھی یہ نام میرے اور ابا جی تک محدود ہے۔ اگر دوسروں کی
زبان پر آ گیا تو میرے لیے جینے کی سب راہیں مسدود ہو جائیں گی۔''

اتنا ہی خوف ہے تو ان راہوں کی مسافرت کیوں قبول کی' آج نہیں تو کل کسی نہ کسی کی
زبان پر یہ نام آ ہی جائے گا۔''

''میں مجبور ہوں رومیلہ۔ کچھ نہیں کر سکتی۔ تم پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''ہونہہ۔ مجبور ہو اور سنو تمہارے وہ آدرش کیا ہوئے؟ کیا تمہیں اپنی آپا کو واپس نہیں
لانا؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ اگر آپا واپس آ گئیں تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میری راہوں کے
سنگریزے چننے بیٹھ جائیں گی۔ اور میں ان کی انگلیاں لہولہان نہیں کر سکتی۔''

''بخت آور۔ بخت آور' کاش میرے اختیار میں ہوتا تو میں کل تمہاری ڈولی کے بجائے

تمہارا جنازہ اٹھوا دیتی۔''

''میں تمہیں اپنا خون بہا معاف کرتی ہوں رومیلہ چاہو تو اپنا شوق پورا کر لو۔''

''لعنت ہو تم پر۔'' یہ بتاؤ واپس جا کر اس سے کیا کہوں؟''

''جو تمہارا دل چاہے کہہ دینا لیکن اس تک میری ایک التجا ضرور پہنچا دینا۔''

''خدا کے لیے یہ افسانوی التجامت کرنا کہ کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر لیتا۔'' وہ آزردگی کے باوجود ہنس پڑی۔

''اب جلدی بتاؤ' کیا التجا ہے؟''

''اس نے کہنا' وہ میرے گاؤں کا رخ کبھی نہ کرے اور پلیز اب تم اس کے حوالے سے کوئی بات مت کرنا مجھ سے۔''

''ٹھیک ہے' میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گی۔ لیکن تم جب سب ناتے توڑ رہی بیٹھی ہو تو خدا کے لیے اپنے چہرے پر دلہنوں والی شرمیلی مسکان سجا کر گئے دنوں کی پرچھایاں مٹا دو تاکہ مجھے بھی اطمینان ہو کہ تم ناخوش نہیں ہو۔ ورنہ میں خواہ مخواہ تمہارے لیے کڑھتی رہوں گی۔'' وہ کچھ دیر تک رومیلہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتی ہوئی پیشانی گھٹنوں پر ٹکا لی۔

''اگلے دن اس کی بارات بہت شان سے آئی۔ نکاح کے بعد وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ رومیلہ ابھی ابھی چوہدری ملک جمشید علی کو دیکھنے کے شوق میں بھاگ بھری وغیرہ کے ساتھ چھت پر چڑھ گئی تھی۔ وہ اس وقت بالکل خالی الذہن تھی۔ نہ گئے دنوں کی کسک اور نہ آنے والے لمحوں کی رنگینی کچھ بھی تو ذہن میں نہ تھا۔ سونے کی چوڑیوں سے بھری کلائیاں گھٹنوں کے گرد لپیٹے ہر احساس سے عاری چہرہ بھاری زیوارت کے بوجھ سے آپ ہی آپ جھکا جا رہا تھا۔

دروازے پر آہٹ سن کر اس نے یونہی بیٹھے بیٹھے ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا پھر ابا جی کے پیروں پر اس کی نظریں جم گئیں۔ کوئی بات تو تھی اس کی نظروں میں کہ ابا جی دروازے ہی میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خاموشی کی ایک مضبوط دیوار تھی۔ جو دونوں کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔

وہ بولنے سے مجبور تھی کہ حیا آڑے آ رہی تھی۔ اور ابا جی شاید حوصلہ ہار گئے تھے۔

لمحے یونہی چپ چاپ ان کی دسترس سے نکل گئے۔

''بخت آور'' سارے حوصلے مجتمع کر کے ابا جی کے ہونٹوں سے بس یہی ایک نام نکلا اور وہ تو جیسے منتظر تھی تڑپ کر اٹھی اور ان کے سینے سے جا لگی۔ فراخ سینے کی پرشفقت پناہوں میں آتے ہی سارے شکوے لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے۔ بس آنسوؤں کی برسات تھی جو ابا جی کے سینے پر برس رہی تھی اور ان کے بوڑھے ہاتھوں کا شفیق لمس جو اسے حوصلے اور ثابت قدمی کا درس دے رہا تھا۔ اس نے چند لمحوں میں اپنے سارے آنسو ابا جی کے سینے میں منتقل کر دیے۔

اور کیسا فراخ تھا وہ سینہ اور کیسی وسعتیں تھیں' اس میں کہ اس کی اب تک کی حیات کا ہر پل ہر لمحہ اس میں امر تھا اور اب اس کی باقی ماندہ حیات کی نہ صرف خوشیوں کی مسرتوں کی دعائیں اس میں مچل رہی تھیں بلکہ اس کے راستوں کی سختیاں سمیٹ لینے کی تڑپ بھی تھی۔

باہر رخصتی کے لیے شور ہونے لگا تو اس کی سکھیاں گاتی ہوئی چلی آئیں۔

دھیاں تے تن پرایا وے بابلا !!!

تو پیار اینا کیوں پایا وے بابلا

ابا جی اسے یونہی سینے سے لگائے ہوئے باہر لے آئے۔ جہاں سے چوہدرانیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ پھر اسے نہیں یاد' کب اماں اور بھائیوں نے اسے سینے سے لگا کر دعاؤں سے نوازا۔ وہ تو اب تک اپنے آپ کو ابا جی کی شفیق پناہوں میں محسوس کر رہی تھی۔

چوہدرانیوں نے جیسے ہی اسے چوہدری ملک جمشید علی کے ساتھ گاڑی میں بٹھایا فضا میں ہر طرف گولیوں کی آواز گونجنے لگی۔ جانے خوشی کا یہ کون سا انداز تھا۔ جس میں اس کی سسکیاں دب کر رہ گئی تھیں۔ راستے بھر گولیوں کی آواز گونجتی رہی۔ پھر اچانک ہر طرف سناٹا پھیل گیا۔

چھوٹی حویلی کے سامنے صرف چوہدری صاحب کی گاڑی رکی۔ باقی سارا ہجوم راستے میں ہی کہیں رہ گیا تھا۔ ویسے بھی کسی کو یہاں تک آنے کی اجازت نہ تھی۔

جس وقت چوہدری صاحب اسے لے کر حویلی میں داخل ہوئے اس کے استقبال کو سناٹے کے ساتھ ساتھ گہری تاریکی تھی۔ اس نے پلکوں کی جھریوں سے دیکھا اور پھر پوری آنکھیں کھول دیں۔ کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اندازے سے چوہدری صاحب کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگی۔ طویل راہداری سے گزرتے ہوئے چوہدری صاحب کے بھاری قدموں کی

آواز ایک گونج پیدا کر رہی تھی۔ جسے تاریکی نے پراسرار بنا دیا تھا۔ وہ کچھ خوفزدہ ہونے لگی۔ لیکن پھر اپنی کمر پر چوہدری صاحب کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے اس کی ڈھارس بندھی۔ جانے کتنا طویل راستہ تھا کہ جو ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کی نظریں اندھیرے میں ادھر اُدھر بھٹکنے لگیں۔

بالآخر ایک جگہ چوہدری صاحب رک گئے تو اس نے بھی اپنے قدموں کو روک لیا۔ فوراً ہی چوہدری صاحب اسے چھوڑ کر پرے ہٹ گئے۔ اسے لگا جیسے اب تک وہ ان کے ہاتھ کے سہارے ہی چلی آ رہی تھی۔ اُن کا ہاتھ ہٹتے ہی وہ ڈگمگا گئی اور قریب تھا کہ وہ اپنے پورے قد کے ساتھ نیچے آ گرتی۔ اس نے سہارے کے لیے ادھر اُدھر ہاتھ پھیلائے اور کسی سخت چیز سے ہاتھ ٹکراتے ہی اس نے مضبوطی سے نہ صرف اسے تھام لیا بلکہ قدم بڑھا کر اپنے پورے وجود کو سہارا بھی دے دیا۔

اس کی سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں جیسے مفقود ہو گئی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ چوہدری صاحب کے قدموں کی آواز دور ہوتی ہوئی بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ اب کسی طرف کوئی آواز کوئی آہٹ نہ تھی۔ گہرے سناٹے میں اسے اپنی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے خوفزدہ ہو کر اپنا سر وہیں ٹیک دیا تھا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ بس چند لمحے ہی گزرے تھے اسے یوں کھڑے ہوئے کہ ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود اسے روشنی کا احساس ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ یونہی کھڑی رہی۔ اتنی سی مسافت میں ہی اس کے سارے حوصلے جواب دے گئے تھے کہ اب خود سر اٹھانے کی سکت بھی نہ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو سرزنش کرنے لگی۔

''بخت آور! ابھی تو جانے کتنی کڑی مسافتیں طے کرنا باقی ہیں۔ تم ابھی سے حوصلہ ہار دے رہی ہو۔''

چوہدری صاحب کے قدموں کی آواز پھر سنائی دینے لگی۔ وہ اپنی ساری توانائی صرف کر کے سیدھی کھڑی ہو گئی اور جیسے ہی پلکوں کے در وا ہوئے۔ اس کے حلق سے تیز چیخ بلند ہو کر سناٹے کو چیرتی ہوئی دور تک گونجنے لگی۔

اندھیرے میں وہ جسے ستون سمجھ کر اپنے وجود کو سہارا دیئے کھڑی تھی' وہ کسی خوفناک جانور کی شبیہہ تھی جسے دیکھ کر اس کی چیخیں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اور اس سے چند قدم

کے فاصلے پر کھڑے چوہدری ملک جمشید علی اپنے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لیے اس کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی نڈھال ہو گئی۔ اور ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکنے لگی۔

''بالآخر تو نے اس سناٹے کو توڑ ہی دیا بخت آور۔'' قریب ہی چوہدری صاحب کی آواز سن کر اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔ اور سہمی سہمی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''چوہدری صاحب یہ۔ یہ سب کیا ہے؟۔'' اس کا اشارہ ادھر اُدھر رکھے مجسموں کی طرف تھا۔

''سنا تھا تو ڈاکٹری پڑھتی ہے پر تیرا دل تو اتنا سا ہے۔ میں تو تجھے یونہی یہ کمرہ دکھانے لایا تھا۔''

وہ سمجھ نہیں سکی کہ چوہدری صاحب محض اپنا کمرہ دکھانے لائے تھے یا اس کا امتحان لینا چاہتے تھے۔

''ان سب چیزوں کا میرا ڈاکٹری پڑھنے سے کیا تعلق؟۔'' اس کا خوف کسی حد تک دور ہو گیا تھا۔ اس لیے اب وہ قدرے اطمینان سے کھڑی تھی اور اس کا یہی اطمینان چوہدری صاحب کو ناگوار گزرا۔

''بخت آور' جتنے سوال کر سکتی ہے اس وقت کر لے۔ اس کے بعد تیری طرف سے کوئی سوال نہیں ہوگا۔''

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ چوہدری صاحب کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر بھی وہ کچھ نہ جان سکی' پھر بھی اس کی چھٹی حس جیسے خبردار کر رہی تھی کہ اس کے ساتھ کوئی انہونی ہو گئی ہے۔ غیر ارادی طور پر وہ قدم بڑھا کر چوہدری صاحب کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ ان کی بظاہر قد آور شخصیت کے سامنے وہ کسی چھوٹی سی بچی کی طرح کھڑی تھی۔ پوچھنے کو بہت کچھ تھا۔ لیکن ان کے چہرے پر ٹھہرا جلال اس کے حوصلے پست کیے دے رہا تھا' بڑی ہمت کے بعد وہ صرف اتنا کہہ سکی۔

''چوہدری صاحب' میں تھک گئی ہوں۔''

جواب میں چوہدری صاحب کا طویل قہقہہ در و دیوار ہلائے دے رہا تھا۔ وہ راہ فرار

ڈھونڈنے لگی۔ ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی اس کی نظریں بار بار چوہدری صاحب کے چہرے پر جا ٹھہرتیں جو کسی وحشی درندے کی طرح مسلسل قہقہے لگائے جا رہے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ اس لمبے چوڑے شخص کو جھنجھوڑ کر رکھ دے اور اس سے پوچھے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا بھیانک مذاق کیوں کر رہا ہے لیکن اس وحشی درندے کو چھونے کے لیے بھی حوصلہ چاہیے تھا جو اس کے اندر بہر حال نہیں تھا۔

قہقہوں کے شور سے اس کا سر پھٹنے لگا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو مضبوطی سے جکڑ لیا اور گھٹنوں کے بل وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔ اسے یوں فرش پر گرتے دیکھ کر چوہدری صاحب کے قہقہے دم توڑ گئے۔ اس کے بعد بس چند لمحوں کے لیے ہی انہوں نے رک کر اسے دیکھا اور پھر تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

دروازہ بند ہونے کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا اور یونہی بیٹھے بیٹھے نظروں کا زاویہ بدل بدل کر چوہدری صاحب کو تلاش کرنے لگی۔ جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ کمرے میں تنہا رہ گئی ہے۔ کچھ دیر پہلے چوہدری صاحب کی موجودگی جو اس کے اندر تھوڑا بہت حوصلہ پیدا کر رہی تھی' اب تنہائی کا احساس ہوتے ہی سارا حوصلہ ساتھ چھوڑ گیا۔ ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی لیکن بند دروازے نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ ڈالا لیکن اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ یہ اس کی شب زفاف تھی جو اس نے بے جان مجسموں کے درمیان گھر کر کبھی روتے سسکتے' کبھی چیختے چلاتے اور کبھی اپنے ہی بازوؤں کی پناہوں میں منہ چھپا کر گزاری۔ اور اس سے ذرا پرے اپنی خوابگاہ میں چوہدری ملک جمشید علی اس کی ہر پکار سے بے نیاز اطمینان کی نیند سوتے رہے۔

صبح چوہدری صاحب ہال کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو دروازے کے سامنے ہی وہ نیچے فرش پر سو رہی تھی۔ وہ اس کے قریب دوزانو بیٹھ کر اسے دیکھنے لگے۔ بند پلکوں پر آنسوؤں کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے اور نیم وا ہونٹ ایسے خشک تھے جیسے دو بوند پانی کے لیے ترستے رہے ہوں۔ اس کے چہرے سے ہوتی ہوئی ان کی نظریں اس کے ہاتھوں پر جا ٹکیں۔ حنائی ہاتھ رات بھر دروازہ پیٹنے سے زخمی ہو گئے تھے۔ ہتھیلیوں پر کہیں کہیں خون جما

دکھائی دے رہا تھا۔

اس کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد چوہدری صاحب نے اسے بازوؤں پہ اٹھایا اور لا کر خوابگاہ میں لٹا دیا۔ پھر وہ فوراً حویلی سے باہر نکل آئے۔ انہیں دیکھتے ہی ان کا ڈرائیور حیات محمد اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ باقی سب ملازموں نے بھی اس کی تقلید کی اور ہاتھ باندھ کر مودبانہ انداز میں بولے۔

''سلام وڈے سائیں۔''

''اوئے حیات محمد' جیپ لے کر آ۔'' چوہدری صاحب کا حکم سنتے ہی حیات محمد گیراج کی طرف چلا گیا تو وہ دوسرے ملازموں سے مخاطب ہوئے۔

''اوئے نور محمد کے گھر سے کوئی آئے تو کہہ دینا کہ چوہدری جی اپنی گھر والی کے ساتھ لاہور گئے ہیں۔''

''جی وڈے سائیں۔ اور کوئی حکم؟۔''

''نہیں۔ اور سنو کسی کو حویلی کے نزدیک بھی نہیں جانے دینا۔''

''چنگا سائیں۔''

حیات محمد جیپ لے آیا تو چوہدری صاحب اس میں سوار ہو کر جانے کس طرف نکل گئے۔

اس کی آنکھ ہلکی سی آہٹ سے کھلی تھی۔ وہ یونہی لیٹے لیٹے گردن گھما کر اس طرف دیکھنے لگی جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر عورت میز پر کھانے پینے کی چیزیں رکھ رہی تھی۔ چند لمحوں تک وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی فوری طور پر وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ کہاں ہے اور یہ عورت کون ہے۔ ذہن پر ذرا سا زور ڈالتے ہی اسے گزری شب یاد آئی تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنے اطراف دیکھتے ہوئے اسے یاد آیا کہ وہ یہاں تو نہیں سوئی تھی۔ پھر اسے یہاں کون لایا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ مسہری سے اتر کر میز پر کھانا رکھتی عورت کے پاس آ گئی۔

''سنو ماسی' چوہدری صاحب کہاں ہیں؟۔''

جواب میں خاموشی۔

''میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔'' وہ اس کا کندھا ہلا کر کہنے لگی لیکن وہ بغیر اس کی طرف

دیکھے یوں اپنے کام میں مصروف رہی جیسے ہر احساس سے عاری ہو۔

''اگر تم کچھ بول نہیں سکتیں تو کچھ اشارے ہی سے بتا دو۔'' اس کی منت بھرے لہجے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عورت چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔ وہ پہلے تو اسے جاتے ہوئے حیرت سے دیکھتی رہی پھر خود بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔

طویل راہداری پار کر کے وہ برآمدے میں آ گئی۔ سامنے خوبصورت لان پر سورج کی زرد پہلی کرنیں نچھاور ہو کر ماحول کو سنہرا پن بخش رہی تھیں۔ گہری سانس لیتے ہوئے تازہ اور معطر ہوا اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر لان میں آ گئی۔ مختلف قسم کے پھولوں پر جیسے ٹوٹ کر بہار آئی تھی۔ ہر ڈالی پر شبنم سے بھیگے پھول مسکراتے دکھائی رہے تھے۔

لان کے آخری سرے پر اونچی سیسہ پلائی دیوار کے ساتھ مالٹے کے درخت ایک قطار سے کھڑے تھے۔ فضا میں کچے پکے مالٹوں کی مہک رچ بس گئی تھی۔ وہ ماحول کی خوبصورتی میں کھو کر کچھ دیر کو گزری شب کی تلخیاں فراموش کر بیٹھی۔ لیکن جلد ہی اسے ایک عجیب سناٹے کا احساس ہوا اور یہ احساس کہ ان بلند و بالا دیواروں کے درمیان وہ بالکل تنہا ہے' اسے خوفزدہ کر گیا۔ کہیں کوئی آواز' کوئی آہٹ نہیں تھی۔ صبح کا نغمہ گاتی چڑیاں بھی شاید اس حویلی کا راستہ نہ جانتی تھیں۔ جبھی ان کا چہکار بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ خاموشی کا احساس ہوتے ہی خوبصورت ماحول پر اسرار لگنے لگا تو وہ اندر چلی آئی۔

قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر وہ اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ وہ ابھی تک عروسی لباس میں تھی۔ اسے یاد آیا رواج کے مطابق ابھی اس کے بابل کے گھر سے کوئی اس کے لیے ناشتا لے کر آئے گا۔ وہ جلدی سے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی اور الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔

نہانے کے بعد وہ نہ صرف فریش ہو گئی تھی بلکہ اس کا ذہن سوچنے سمجھنے کے قابل بھی ہو گیا تھا۔ اب وہ اطمینان سے بیٹھ کر گھر والوں کا انتظار کرنے کے ساتھ ساتھ چوہدری صاحب کے بارے میں سوچنے لگی۔ ان کی پراسرار شخصیت کی گتھیاں سلجھاتے سلجھاتے وہ خود الجھ گئی۔

جانے کتنا وقت گزر گیا جب اس نے اٹھتے ہوئے سوچا۔ ''پتا نہیں اماں کے گھر سے ابھی تک کوئی آیا کیوں نہیں۔'' جبکہ حویلی کے باہر چوہدری صاحب کے ملازم تو صیف لالا' بھرجائی زینت' سیف اور رومیلہ سے کہہ رہے تھے۔

''او جی۔ وڈے سائیں تو صبح منہ اندھیرے ہی اپنی گھر والی کے ساتھ لاہور چلے گئے ہیں۔''



قیس کی دیوانگی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ وہ صبح شام ہاسٹل آ کر رومیلہ کے بارے میں معلوم کرتا لیکن ہر روز اسے مایوسی ہوتی۔ آج چار دن ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے۔ نہ خود آئی تھی' نہ کوئی خبر بھیجی تھی۔ اسے زیادہ پریشانی بخت کی طرف سے تھی اور وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ پتا نہیں وہاں اس پر کیا گزری اس کے گھر والوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ہر لحہ اس کے ہونٹوں پر اس کے لیے دعائیں مچلتی رہیں کہ خدا کرے بخت خیریت سے ہو اور کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی ہو۔ لیکن اندر ہی اندر اس کا دل بیٹھا جاتا۔ اس کا دل چاہتا وہ خود جا کر اس کے بارے میں معلوم کر آئے لیکن پھر یہ سوچ کر کہیں اس کے جانے سے وہ کسی مشکل میں نہ گرفتار ہو جائے۔ وہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیتا۔ اس کے بے قرار دل کو کسی طرح قرار نہیں آ رہا تھا۔ بار بار نگاہوں کے سامنے بخت کا خوفزدہ چہرہ گھوم جاتا۔

''اُف میرے خدا! ابا جی کے ساتھ جاتے ہوئے وہ کس قدر خوفزدہ تھی۔ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ پریشانی سے سوچے جاتا۔ ایسے میں ملک فیصل کا خیال اسے اندھیرے میں روشنی کی کرن جیسا لگا۔ اس نے فوراً کاغذ قلم اٹھایا اور تمام حالات ملک فیصل کو لکھ دیے۔ آخر میں اس نے التجاء کی کہ اگر وہ کچھ دن کے لیے صرف اس کی خاطر آ جائے تو وہ اس کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولے گا۔

ملک فیصل کو خط لکھنے کے بعد وہ تھوڑا مطمئن ہو گیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ دوستی کی لاج ضرور رکھے گا۔ اور اپنی پہلی فرصت میں اس کے پاس آئے گا۔ اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ ملک فیصل کے آتے ہی وہ ابی جان کو مجبور کرے گا کہ وہ جتنی جلد ہو سکے' بخت کو اس گھر میں لے آئیں۔ اب وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگر بخت نے کوئی احتجاج کیا تو وہ اس کی کوئی بات نہیں سنے گا۔ بیوقوف لڑکی خوامخواہ ڈرتی رہتی ہے۔ وہ اپنے آپ سارے پروگرام بنا کر خود کو مطمئن کر رہا تھا۔

پانچویں دن شام کو وہ رومیلہ کا پتا کرنے گیا تو وارڈن سے معلوم ہوا کہ وہ آ چکی ہے۔ وہ سیدھا اس کے کمرے میں آ گیا۔ وہ الیکٹرک کیتل پر چائے بنانے میں مصروف تھی۔ اسے دیکھ

کر وہ ہلکے سے مسکرائی۔

''آؤ قیس، کیسے ہو؟۔''

''میری بات چھوڑو، یہ بتاؤ بخت کیسی ہے اور تم نے اتنے دن کیوں لگا دیئے؟'' وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بے تابی سے پوچھنے لگا۔

''کتنے دن، آج پانچویں دن تو آ گئی ہوں۔'' وہ اس کے سوال کا پہلا حصہ نظر انداز کر گئی۔

''بخت کیوں نہیں آئی؟۔''

''وہ اب کبھی نہیں آئے گی۔'' وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر پیالیوں میں چائے ڈالتے ہوئے بولی۔

''کیوں؟۔''

''کیا ساری باتیں ابھی پوچھ لو گے؟۔ لو چائے پیو۔''

''مجھے نہیں پینی چائے، تم اس کے بارے میں بتاؤ۔'' رومیلہ کچھ دیر خاموش رہ کر اس کی طرف دیکھنے لگی جس انداز سے وہ کھڑا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ زیادہ دیر تک وہ اسے چکر نہیں دے سکے گی۔

''رومیلہ۔ چپ کیوں ہو؟۔ بتاؤ نا بخت کیسی ہے اور وہ کیوں نہیں آئی؟۔''

''وہ۔۔ وہ بیوقوف لڑکی روایتوں کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔''

''کک۔ کیا مطلب؟۔''

''قیس۔ یوں حوصلہ چھوڑ دو گے تو میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔''

''کیوں میرا ضبط آزما رہی ہو۔ کہہ دو جو کچھ بھی ہے۔ میں سب سننے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔''

''کیا یہ بھی کہ وہ مرگئی ہے؟۔''

''نہیں۔'' وہ چیخ پڑا۔ ایسا بھیانک مذاق مت کرنا میرے ساتھ کہ زندگی پر سے اعتبار اٹھنے لگے۔ میری سانسوں کی دور اسی کے ساتھ بندھی ہے وہ نہ رہی تو قیس کہاں جی پائے گا بھلا۔''

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں میرے بھائی، حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود اس پر مٹی ڈال کر

آئی ہوں اور تم میرے سامنے زندہ سلامت بیٹھے ہو۔''

''مت کہو ایسا رومیلہ پلیز، ایسا کچھ مت کہو۔ مجھے بتاؤ اس نے میرے لیے کیا سندیسہ بھیجا ہے؟''

''تمہیں اس کے زندہ ہونے کا اتنا یقین کیوں ہے قیس؟۔''

''اس لیے کہ پورب سے آتی ہوائیں اس کی سانسوں مہک لیے آتی ہیں۔''

اس کے اتنے یقین پر رومیلہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ اسے اصل صورتحال سے آگاہ کر دے۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی۔

''سنو۔۔ وہ زندہ بھی ہے تو اب تمہارے لیے نہیں ہے۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''اس کی شادی ہوگئی ہے۔'' وہ اس سے یوں نظریں چراتے ہوئے بولی جیسے اس سارے واقعے کی ذمہ دار وہ خود ہو۔ اور وہ اب بھی غیر یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میرا یقین کرو قیس، میں غلط نہیں کہہ رہی۔'' ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔ ''پوچھو گے نہیں کس کے ساتھ؟۔''

وہ کیا پوچھتا۔ زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''چوہدری ملک جمشید علی کے ساتھ۔'' اسے ساکت بیٹھے دیکھ کر وہ خود ہی بتانے لگی۔

''اوہ میرے خدا! اتنی جلدی یہ سب کیسے ہوگیا؟۔'' وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامتا ہوا بڑبڑایا۔

کتنی دیر ہوگئی وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ تب رومیلہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''قیس ایک دن اسی جگہ پر میں نے بخت کو سہارا دیا تھا اور اسے مجبور کیا تھا کہ وہ تم سے مل لے اور آج تم سے التجا کرتی ہوں، پلیز اپنے آپ کو سنبھالو۔''

''رومیلہ، میں نے بڑے خلوص سے مانگا تھا اسے، پھر وہ میرا نصیب کیوں نہ بنی۔'' اس کی آواز کا درد رومیلہ کو تڑپا گیا۔

"بی ایزی قیس۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے اور چائے بناتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تو قیس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں رومیلہ، مجھے چائے کی خواہش نہیں۔ ہاں کچھ دیر کو ایک مہرباں بہن کی طرح مجھے اپنا کندھا مستعار دے دو جس پر سر رکھ کر میں آنسو بہا سکوں۔"

"قیس پلیز۔"

"مت روکو مجھے۔ میرا دل درد سے پھٹ جائے گا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اس کے کندھے پر اپنی پیشانی ٹکا دی۔

ایک برسات بخت آور کی آنکھوں سے برسی تھی جسے ابا جی نے اپنے سینے میں جذب کر لیا تھا اور اب قیس کی آنکھوں سے برس رہی تھی جسے وہ دھان پان سی لڑکی بڑے حوصلے سے اپنے کندھے میں جذب کر رہی تھی۔



چوہدری ملک جمشید علی کو اچھی اور نایاب چیزیں جمع کرنے کا شوق تھا اور انہوں نے بخت آور کو بھی ایسی ہی نایاب چیز سمجھ لیا تھا جو اس نے چھوٹے سے گھر سے اٹھا کر اپنی حویلی کے اس حصے میں سجالی تھی جہاں ان کے شوق کی ایسی بے شمار چیزیں سجی تھیں۔ شروع شروع میں تو وہ باقاعدہ اسے بڑے سے ہال کمرے میں کبھی کسی سنگ مرمر کے مجسمے کے پاس کھڑا کر دیتے اور اس سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے کبھی اس کی تعریف کرتے تو کبھی مجسمے کی اور کبھی مونالیزا کی بڑی سے تصویر کے پاس بٹھاتے ہوئے اس سے فرمائش کرتے کہ وہ اپنے ہونٹوں پر ایسی الوہی مسکراہٹ سجا دے جو مونالیزا کی خوبصورت مسکراہٹ کو مات کر دے۔ وہ ان کی ایسی حرکتوں سے حیران ہو ہو جاتی۔

اسے ڈر لگنے لگا کہ کبھی کسی مجسمے کے پاس کھڑی کھڑی وہ خود مجسمہ نہ بن جائے۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ وہ عادی ہو گئی۔ وہ جان گئی کہ اس کی حیثیت چوہدری صاحب کے نزدیک کسی ڈیکوریشن پیس سے زیادہ نہیں ہے۔

شروع شروع میں چوہدری صاحب باقاعدہ اس کے پاس آتے رہے بالکل اس طرح جب وہ کوئی نادر چیز خریدتے تھے تو روزانہ آ کر اس کے درشن کر جاتے تھے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا تھا۔ جب تک کوئی دوسری نایاب چیز جو چوہدری صاحب کی توجہ اپنی

جانب مبذول نہ کر لیتی اور وہ اسے حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگ جاتے۔

اسے بڑی حویلی میں جانے کی اجازت نہ تھی جہاں بڑی چوہدرانی اپنے بچوں کے ساتھ مقیم تھیں۔ اور نہ ہی اُدھر سے کوئی اس طرف آتا تھا۔ بابل کے گھر سے اس کا ناتا اسی روز ٹوٹ گیا تھا جس روز وہ بڑے چوہدری کے ہمراہ اس گھر کی دہلیز پار کر آئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے گھر والے اس سے ملنے کیوں نہیں آتے۔ ہاں کبھی وہ سوچتی ضرور تھی کہ پتا نہیں اس کے گھر والے خود ہی اس کے پاس نہیں آتے یا چوہدری صاحب نہیں آنے دیتے۔

اس چھوٹی حویلی میں جہاں بخت آور مقیم تھی، نادر اشیاء سے بھرے ہال کمرے کے علاوہ چار کمرے اور تھے۔ جن میں سے ایک ڈرائنگ روم کی طرز پر سجایا گیا تھا۔ ایک ڈائنگ روم اور باقی دو بیڈ روم جن میں بڑی بڑی مسہریاں، دیواروں میں نصب الماریاں اور آبنوسی کرسیاں سجی تھیں۔ پھر طویل گیلری سے گزر کر گول برآمدہ تھا۔ جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سنگ مرمر کے ستون سر اٹھائے کھڑے تھے۔ برآمدے سے چار سیڑھیاں نیچے اتر کر سرخ اینٹوں سے بنا صحن اور صحن کے اس طرف خوبصورت لان جو مختلف اقسام کے پھولوں سے سجا تھا۔

شروع کے چار پانچ مہینے جب چوہدری صاحب اس کے پاس آتے تھے تو اسے اپنے ہونے کا احساس ہوتا تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ وہ اس دوسری نادر اشیاء کی طرح یہاں رکھ کر جیسے بھول گئے تھے۔ اسے ان کا انتظار تو نہیں رہتا تھا لیکن پھر بھی ان کی آمد اسے زندگی کا پتا دیتی تھی اور وہ کچھ دیر کو خوفزدہ کر دینے والی تنہائی سے نکل جاتی تھی۔

ادھر دو مہینے ہو گئے تھے، چوہدری صاحب نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ وہ بالکل تنہا ہو گئی تھی۔ بس ایک ملازمہ تھی جو تینوں وقت ٹیبل پر کھانا سجا کر چلی جاتی۔ وہ بس چپ چاپ اسے آتے اور جاتے ہوئے دیکھتی رہتی۔ وہ اب تک یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ آخر چوہدری صاحب نے کس مقصد کے تحت اس سے شادی کی ہے اور کس جرم کی پاداش میں اسے قید تنہائی بخش دی ہے۔ اس نے تو سنا تھا کہ چوہدری لوگ نوعمر بیویوں کو ہتھیلی کا پھپولا بنا کر رکھتے ہیں اور ان کے ناز نخرے اٹھاتے ہیں کہ دیکھنے والے ان کی قسمت پر رشک کرتے ہیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی بالکل برعکس تھا۔ اس کے ناز نخرے اٹھانا تو دور کی بات چوہدری صاحب تو اسے اپنی جمع کی ہوئی بے جان چیزوں سے زیادہ اہمیت ہی نہ دیتے تھے۔

کبھی کبھی اسے لگتا۔ جیسے وہ کوئی شہزادی ہو اور اسے ایک خوفناک دیو نے قید کر رکھا ہو

اور کسی دن اچانک کسی طرف سے کوئی شہزادہ آ کر اسے اس قید تنہائی سے نجات دلانے کے ساتھ ساتھ اس خوفناک دیو کا بھی خاتمہ کر دے گا۔ اور وہ ایک دم آزاد ہو کر شہزادے کے ساتھ چل پڑے گی۔ شہزادے کا خیال آتے ہی اس کے تصور میں قیس در آتا اور وہ اس کے تصور سے دامن بچاتے بچاتے بھی بُری طرح الجھ جاتی۔

اس کے سنگ گزرے بے شمار خوبصورت لمحات اس کی نگاہوں میں سما کر ارد گرد کا ہوش بھلا دیتے۔ اور وہ گھٹنوں بیٹھی اسے سوچتے ہوئے بہت دور نکل جاتی۔ کبھی اسے رومیلہ یاد آتی اور اس کی طویل بحثیں اور رومیلہ کو سوچتے ہوئے اسے لگتا جیسے وہ اس کے سامنے کھڑی کہہ رہی ہو۔ بخت' تم نے تو کہا تھا کہ اپنے اتنے چاہنے والوں سے کٹ کر تم جی نہ پاؤ گی پھر اب؟۔ وہ سر جھٹک کر رومیلہ کے تصور سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتی لیکن وہ پھر آ موجود ہوتی۔

''بخت۔ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ تم تھوڑا سا احتجاج کر کے قیس کا دامن تھام لیتیں۔ کم از کم خود تو پر سکون رہتیں۔ اور یقین کرو تمہیں مطمئن دیکھ کر تمہارے گھر والوں کو بھی اطمینان رہتا کہ تم دور ہو تو کیا ہوا' مطمئن تو ہو۔'' وہ بے بسی سے اپنا چہرہ بازوؤں میں چھپا لیتی تو رومیلہ جیسے اسے جھنجوڑنے لگتی۔ ''مجھے بتاؤ' روایتوں کی بھینٹ چڑھ کر کیا پایا تم نے؟۔''

''خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ رومیلہ۔'' وہ اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ کر اونچی آواز میں چیخ پڑتی اور اس کی چیخیں اونچی دیواروں سے ٹکرا کر پلٹ آتیں۔ وہ بے بسی سے ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ اور اس کی آنکھوں میں ڈھیر ساری ویرانی اتر آتی۔ تب اسے لگتا جیسے اماں اس کی آنکھوں کی ویرانی دیکھ کر پریشانی سے پوچھ رہی ہوں۔

''بخت میری دھی' کیا ہوا تجھے؟۔''

''اماں۔۔'' وہ بازوؤں میں منہ چھپا کر سسک سسک کر رو پڑی۔ ''اماں' میں اکیلی ہو گئی ہوں۔ یہاں میرا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ مجھے اپنے شفیق بازوؤں کی پناہیں بخش دو۔''

''اماں۔ اماں۔۔ توصیف لالا۔ بھرجائی زینت۔'' وہ دیوانوں کی طرح ایک ایک کو پکارنے لگی اس کی آواز کی بازگشت اونچی دیواروں سے ٹکرا کر پوری حویلی میں گونجنے لگی تھی اور پھر اپنی ہی آواز کی بازگشت سنتے سنتے اس نے گھبرا کر اپنا چہرہ گھٹنوں پر رکھ لیا۔

''میرے خدا' کوئی اور آواز کیوں نہیں سنائی دیتی؟۔ یہ تنہائیاں میرا مقدر کیوں کر دی ہیں تو نے؟۔ میں نے ابا جی کا مان توڑ کر ان کا دل دکھایا تھا۔ شاید اسی کی پاداش میں تو نے یہ

آزمائش میرے نصیب میں لکھ دی ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

اس روز چوہدری صاحب جانے کیسے راستہ بھول گئے۔ وہ ایک ٹک ان کی طرف دیکھے گئی۔

''بخت آور' تو ٹھیک تو ہے ناں؟۔'' ان کے پوچھنے پر وہ چونک گئی۔

''جی۔''

''تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟۔''

''نہیں چوہدری صاحب' تکلیف کیا ہونی ہے۔ بس اکیلے میں جی گھبراتا ہے۔''

''اچھا اچھا اس کا انتظام بھی کر دوں گا۔'' وہ یوں بولے جیسے اس پر احسان کر رہے ہوں۔ پھر غور سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس کی شہابی رنگت ماند پڑ گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد گھیرے ہوتے حلقے اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی ویران بنا رہے تھے۔ جسم کمزوری کی طرف مائل تھا۔

''بخت آور' لگتا ہے' تو کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے۔'' اس کا بغور جائزہ لینے کے بعد وہ کہنے لگے۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ بس چپ چاپ سر جھکا لیا۔

''اچھا' اب میں چلتا ہوں۔'' وہ فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چوہدری صاحب۔'' وہ بس اسی قدر کہہ سکی۔

''میں نے کہا ناں۔ تیرے اکیلے پن کا بندوبست کر دوں گا۔'' وہ جیسے اس کے پکارنے سے ہی اس کی بات سمجھ گئے۔ پھر جاتے جاتے رک کر کہنے لگے۔'' بہت زیادہ گھبرائی ہے کیا؟۔''

''جی۔۔''

''ٹھیک ہے' میں صبح آؤں گا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ چلے گئے۔

''فی الحال اس کے لیے یہی بہت تھا کہ چوہدری صاحب نے اس کی بات سن لی تھی۔ وہ سوچنے لگی پتا نہیں اس کی تنہائی دور کرنے کے لیے چوہدری صاحب کیا انتظام کریں گے۔ کبھی اس کے تصور میں اپنے ہی جیسی کوئی لڑکی چلی آتی اور کبھی کسی ہنستے کھیلتے بچے کا تصور اسے گدگدانے مجبور کر دیتا۔ رات بھر خوابوں کے جزیروں میں اپنا ہاتھ وہ کسی دوسرے ہاتھ میں محسوس کرتی رہی۔

صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ اسے چوہدری صاحب کا انتظار تھا اور اس کا یہ انتظار زیادہ طویل نہیں ہوا۔ اسے بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ چوہدری صاحب آ گئے۔ انہیں دیکھ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی لیکن پھر ان کے ہاتھوں پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ قریب تھا کہ اس کے حلق سے چیخ برآمد ہوتی' اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور غیر ارادی طور پر اس کے قدم پیچھے کی طرف اٹھنے لگے۔

چوہدری صاحب ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ لیے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ سیاہ رنگ کا کتا جس کی سرخ زبان پوری کی پوری باہر نکلی آ رہی تھی' چلا آ رہا تھا۔ اس نے ستون کا سہارا لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

''بخت آور۔ یہ میں تیرے لیے لایا ہوں۔''

''میرے لیے؟'' وہ حیرت سے کبھی چوہدری صاحب کو دیکھتی کبھی کتے کو۔

''ہاں' تو کہہ رہی تھی ناں کہ اکیلے میں جی گھبراتا ہے۔''

''چوہدری صاحب۔'' وہ مزید حیران ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے اور چوہدری صاحب اس کی حالت سے بے خبر کتے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگے۔

''بڑی اعلیٰ نسل کا کتا ہے۔ میں نے خاص طور سے تیرے لیے منگوایا ہے۔ کچھ دن میں تجھ سے مانوس ہو جائیگا۔'' پھر زنجیر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگے۔ ''لے اسے کہیں باندھ لے۔''

''میں۔۔'' وہ ڈر کر اور پیچھے ہٹ گئی۔

''ڈرتی کیوں ہے بخت آور' لے پکڑ اسے۔'' ان کا لہجہ ایک دم بدل گیا تو اس نے جلدی سے بڑھ کر زنجیر ان کے ہاتھ سے لے لی۔ زنجیر اس کے ہاتھ میں آتے ہی کتے نے بھونکنا شروع کر دیا۔

''اوئے آرام سے جا۔'' چوہدری صاحب کی آواز سن کر اس کا بھونکنا بند ہو گیا۔ جب اسے باندھ کر آئی تو چوہدری صاحب جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

''چوہدری صاحب' اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ دیر کے لیے اماں کے گھر ہو

آؤں۔''

''نہیں۔'' وہ اتنی زور سے چلائے جیسے پتا نہیں اس نے کیا کہہ دیا ہو۔ پھر وہ رکے نہیں۔ تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی وہ دیوار سے سر ٹیک کر بُری طرح رو پڑی۔

چوہدری صاحب کی شخصیت اس کے لیے ایک معمہ بن گئی تھی جو کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ جتنا ان کے بارے میں سوچتی' اتنا ہی ان کے بارے میں الجھتی چلی جاتی۔ رات بھر دیکھنے والے خوبصورت خواب کی جتنی بھیانک تعبیر چوہدری صاحب نے اسے دی تھی' اس سے اس کی ساری امیدیں دم توڑ گئی تھیں۔ اور سوچتے سوچتے وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ چوہدری صاحب اس سے یقیناً کسی بات کا بدلہ لے رہے ہیں۔

''کس بات کا؟'' اس رخ پر جب وہ سوچنے بیٹھی تو اس کے ذہن میں پہلا خیال قیس کا آیا۔ ''کیا چوہدری صاحب جانتے ہیں کہ میں قیس کے ساتھ۔'' اس سے آگے سوچنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

شام کو جب وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی تو دیوار کے ساتھ درخت سے بندھا کتا اسے دیکھتے ہی بھونکنے لگا۔ وہ چونک کر اس کو دیکھنے لگی۔ اس سناٹے کو چیرتی ہوئی اس کی آواز بڑی عجیب سی لگ رہی تھی پھر بھی بے خیالی میں ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو گئی کہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی یہاں موجود ہے۔ وہ جلدی سے ڈرائنگ روم میں گئی۔ اور دوپہر کی رکھی ہوئی روٹی اٹھا کر اس کے لیے لے آئی۔

اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر اس نے روٹی کا ٹکڑا اس کی طرف اچھال دیا جسے اس نے بڑی خوبصورتی سے دانتوں میں پکڑ لیا۔ کافی دیر تک وہ اس کے ساتھ یہ حرکت کرتی رہی۔ ادھر وہ روٹی کا ٹکڑا اچھالتی ادھر وہ دانتوں میں پکڑ لیتا۔ جب روٹی ختم ہو گئی تو وہ اس کے لیے کٹورے میں پانی لے آئی لیکن پانی اس کے آگے رکھنا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ کافی سوچنے کے بعد اس نے کٹورا زمین پر رکھ دیا پھر ایک لکڑی کی مدد سے کٹورا کتے کی طرف دھکیل دیا۔

روزانہ تینوں وقت وہ اسی طرح اسے کھانا کھلاتی۔ کچھ نہ کرنے سے اسے یہ کام بھی غنیمت لگنے لگا۔ کچھ دن کے بعد ہی اسے احساس ہو کہ پہلے جو وہ اسے دیکھتے ہی بھونکنے لگتا تھا اب اس پر نظر پڑتے ہی وہ صرف اپنی جگہ سے اٹھنے پر اکتفا کرتا۔ اب اس کا بھونکنا صرف

اس وقت ہوتا جب کافی دیر تک وہ اس کے سامنے نہیں جاتی تھی۔

پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ شروع میں جو وہ کتے کے وجود کو محسوس کر کے اپنی تنہائی سے نکلنے لگی تھی' اب اسے پھر تنہائی کا احساس زیادہ ہونے لگا۔

دن بھر وہ سارے کمروں میں چکراتی پھرتی اور شام ہونے کے ساتھ وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آ بیٹھتی۔ اب تو وہ سب کو سوچتے سوچتے بھی تھک چکی تھی۔

اس روز بھی وہ یونہی خالی الذہن بیٹھی تھی کہ اپنے پیچھے آہٹ سن کر وہ چونک کر پیچھے کی طرف گھوم گئی۔ اس کے سامنے انیس بیس برس کی ایک خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔

''میں ندا ہوں۔۔ندا جمشید علی۔۔'' جواب میں مسکرانے کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی جھلملانے لگیں۔

''چھوٹی ماں' تمہاری مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ جھلملاتی آنکھیں دیکھ مجھے بچپن میں پڑھی ایک کہانی کی شہزادی یاد آ گئی ہے۔ جو شہزادے کو دیکھ کر پہلے ہنس پڑتی ہے اور پھر رونے لگتی ہے۔ وجہ یہ بتاتی ہے کیونکہ اتنے عرصے بعد کسی انسان کی شکل دیکھی' اس لیے ہنس پڑی اور روئی اس لیے کہ ابھی دیو آ کر اسے کھا جائے گا۔ کیا تم نے بھی وہ کہانی پڑھی تھی؟'' وہ بے تکلفی سے اس کے برابر بیٹھتی ہوئی پوچھنے لگی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا تمہیں اپنے اوپر اس شہزادی کا گمان نہیں ہوا؟''

''پتا نہیں' تم یہ بتاؤ یہاں کیسے آئیں؟'' وہ ایک دم خوفزدہ ہو کر اپنے آس پاس دیکھنے لگی۔

''پچھلے دروازے سے۔ لیکن تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟''

''تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

''نہیں۔ لیکن۔۔'' ندا رک گئی اور غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر جیسے چونک کر بولی۔ ''میرے خدا۔ چھوٹی ماں تم تو ہو بہو ویسی ہو۔ ذرا برابر بھی فرق نہیں۔''



کیسی ہو میں؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' وہ الجھ کر پوچھنے لگی۔

''کیا تم حویلی کے اس حصے میں نہیں جاتی جہاں ہم سب رہتے ہیں۔'' ندا اس کے سوال نظر انداز کرتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''نہیں۔''

''تمہارے پاس بھی کوئی نہیں آتا۔''

''نہیں۔''

''یہ تو۔ بہت برا ہوا۔'' وہ ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔''

''ندا جمشید علی تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں تم کیا کہنا چاہتی ہو پلیز صاف صاف کہو۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر منت سے بولی۔

''کچھ نہیں چھوٹی ماں میں اب جا رہی ہوں اگر کسی کو میرے یہاں آنے کی خبر ہو گئی تو بہت برا ہوگا۔''

''نہیں ندا کچھ دیر رک جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم سے کوئی سوال نہیں کروں گی۔ لیکن تم مت جاؤ۔'' وہ التجا کرنے لگی۔

''چھوٹی ماں میں پھر آنے کی کوشش کروں گی لیکن اس وقت مجھے مت روکو۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی اور وہ کتنی دیر تک اس کی بے معنی باتوں میں الجھتی رہی۔

اگلے دن وہ بڑی بے قراری سے شام کا انتظار کرتی رہی اسے تھوڑی امید تھی کہ شاید ندا جمشید علی آج بھی آ جائے۔ اور وہ اس سے باتیں کر کے اپنا دل کا بوجھ ہلکا کرے۔ وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ جب سے وہ گئی تھی تب سے اب تک وہ بے شمار سوالوں میں آ گھری تھی اور کسی ایک سوال کا بھی اسے جواب نہیں مل رہا تھا۔ اس کا آنا اور پھر خوفزدہ ہو کر بھاگ جانا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ مسلسل اسی کے بارے میں سوچتی رہی اور سوچ سوچ

کر الجھتی رہی یہاں تک کہ پوری شام اس نے برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھے اس کے انتظار میں بتا دی لیکن وہ نہیں آئی۔ وہ حرماں نصیب لڑکی گہرے دکھ کے احساس میں گھر کر سوچنے لگی۔

''ندا جمشید علی اس دل کا بوجھ پہلے ہی کیا کم تھا کہ تم مزید اضافہ کر گئی ہو۔'' اس کے آنسو پلکوں کی منڈیروں پہ آ رکے جنہیں کسی مہربان کندھے پر سر رکھ کر بہانے کی آرزو میں وہ چلتی ہوئی اس بے زبان جانور کے پاس آ بیٹھی جسے چوہدری صاحب اس کی تنہائیوں کا رفیق بنا گئے تھے کتا شاید اپنی مالکن کو دکھوں کے پل صراط پر تنہا رکھڑے دیکھ کر جان گیا تھا کہ وہ کوئی بات اس کے ساتھ شیئر کرنے آئی ہے اس لیے وہ اگلے دونوں پیر اٹھا کر اسے راز داری اور وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا عام حالات میں وہ اسے چھونا تو دور کی بات شاید کبھی اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی لیکن اس وقت اس کا وجود اسے نہ صرف غنیمت بلکہ نعمت لگا وہ اس کی گردن میں بازو ڈال کر مچل مچل کر روئی اور تڑپ تڑپ کر ایک ایک کو آواز دینے لگی۔



''توصیف کے ابا' جب سے میری دھی گئی ہے اس کی کوئی خیر خبر نہیں ملی پتا نہیں وہ کس حال میں ہے۔''

''اری نیک بخت تو پریشان کیوں ہوتی ہے چوہدریوں کے گھر گئی ہے تری دھی خوش ہی ہوگی۔'' ابا جی گو کہ خود اس کی طرف سے خاصے پریشان تھے پھر بھی اماں کو تسلی دینے لگے۔

خوش ہوتی تو آتی ناں میں تو اس کی شکل دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔'' اماں کو شاید وہ آج بہت زیادہ یاد آ رہی تھی۔

''وڈے لوگوں کے وڈے کام ہوتے ہیں توصیف کی ماں اسے فرصت ملے گی تو ادھر کا چکر بھی لگا لے گی۔''

''وڈے لوگوں کے دکھ بھی وڈے ہوتے ہیں اللہ سائیں مہربانی کرے پتا نہیں میری دھی'' ......اماں کسی اندیشے کو زبان دینے سے ڈر رہی تھیں۔

''تو فکر نہ کر میں جا کر اس کا پتا کر آؤں گا بلکہ وڈے چوہدری جی سے اجازت لے کر اسے دو چار دن کے لیے لے آؤں گا۔''

''کب جائے گا تو میں تو کہتی ہوں کہ ابھی چلا جا میرا دل ہول رہا ہے بیٹھے بیٹھے

کانوں میں اس کی آواز آنے لگتی ہے۔ اتنے دن میری دھی ملتان بھی تو رہی ہے پر مجھے کبھی اس کی طرف سے اتنی فکر نہیں ہوئی اب تو لگتا ہے۔'' اماں پھر چپ ہو گئیں۔ لیکن ان کے چہرے پر پھیلے فکر و تردد کے آثار ابا جی سے چھپے نہ رہ سکے۔

''فکر نہ کر توصیف کی ماں میں سویرے ہی اس کے پاس جاؤں گا۔''

''ابھی کیوں نہیں ہو آتا۔'' ممتا کی بے قراری عروج پر پہنچ چکی تھی۔

''دھی کے گھر خالی ہاتھ کیسے چلا جاؤں توصیف آ جائے تو اس سے کچھ منگوا کر رکھ سویرے میرے ساتھ کر دینا۔'' اپنی بات کہہ کر ابا جی فوراً اٹھ کر چلے گئے ان سے اماں کی پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی اور بیچاری اماں وقتی طور پر اپنی پریشانی بھول کر یہ سوچنے لگیں کہ صبح انہیں بخت آور کو کیا کیا چیزیں بھیجنی چاہئیں۔ اپنے ساتھ انہوں نے زینت کو بھی شامل کر لیا۔

صبح نماز کے بعد ہی ابا جی ڈھیر سارا سامان جو اماں نے رات ہی بخت آور کو دینے کے لیے باندھ دیا تھا لے کر حویلی کی طرف چل پڑے۔ چلتے ہوئے اماں نے بار بار تاکید کی تھی کہ وہ وڈے چوہدری جی کی اجازت سے بخت آور کو ساتھ لیتے آئیں اس لیے ابا جی کے جاتے ہی اماں جلدی جلدی کام نمٹانے لگ گئیں۔ وہ جانتی تھی ان کی بیٹی گھر میں پھیلی ہوئی چیزیں پسند نہیں کرتی۔ ساری فالتو چیزیں اٹھا کر انہوں نے پچھلے آنگن میں ڈال دیں پھر چارپائیوں پر ڈھلے ہوئے کھیس بچھا کر وہ اس کے لیے ناشتے کا انتظام کرنے لگیں۔ انہیں یاد آیا بخت آور ناشتے میں چائے ضرور پیتی ہے وہ بھاگم بھاگ توصیف کے کمرے میں جا پہنچیں۔

''توصیف اٹھ میرا پتر جلدی سے چائے کی پتی لے آ۔''

''اماں یہ تو نے چائے کب سے پینی شروع کر دی۔'' توصیف لالا حیرت سے پوچھنے لگے۔

''میں کہاں پیتی ہوں پتر اپنی بخت آور کے لیے بناؤں گی۔''

''بخت آور آئی ہے کہاں ہے؟ توصیف لالا فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تیرے ابا جی اسے لینے گئے ہیں بس آتی ہوگی۔''

''اماں پہلے اسے آ تو لینے دے۔''

"آ جائے گی آ جائے گی۔" اماں بڑے یقین سے بولیں۔ "تو جلدی سے پتی لے آ تجھے پتا ہے چائے نہیں ہوگی تو میری جھلی دھی ناشتہ بھی نہیں کرے گی۔" اس کے آنے کے خیال سے ہی اماں کا لہجہ شہد آگیں ہوگیا تھا۔

"چل اماں آج بخت آور کے طفیل مجھے بھی چائے نصیب ہو جائے گی۔"

"کملا ہے تو تو۔ پھر وہ وہیں سے زینت کو آواز دے کر کہنے لگیں۔" اری زینت میری دھی ذرا جلدی سے مکھن نکال دے تجھے پتا ہے بخت آور آئے گی تو پھر کوئی کام نہیں کرنے دی گی۔"

"اماں فکر نہ کر میں اس کے آنے سے پہلے سارا کام کرلوں گی۔"

"شاباش میری دھی ذرا جلدی جلدی ہاتھ چلا۔" اماں زینت کو تاکید کرتی ہوئی باورچی خانے میں چلی آئیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کی پسند کی سب چیزیں ایک ہی وقت میں بنالیں بادام کا حلوہ اور مکھن لگے پراٹھے انہوں نے بنالیے تھے پھر انہوں نے صرف انگاروں کی آنچ پر دودھ کی پتیلی رکھ دی بخت آور بالائی بہت شوق سے کھاتی تھی اس لیے انہوں نے سوچا اس کے آتے ہی وہ دودھ پر سے بالائی اتارلیں گی۔

توصیف لالا چائے کی پتی لے کر آئے تو اماں کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگیں۔ "پتر ہوسکتا ہے بخت آور کے ساتھ وڈے چوہدری جی بھی آ جائیں۔"

"کیا پتا اماں وڈے آدمی ہیں آتے ہیں کہ نہیں آتے۔"

"اچھا یہ تو بتا وڈے چوہدری جی چائے پیتے ہیں کہ نہیں۔"

"اماں اگر آ گئے تو ان سے پوچھ لینا چائے بنتے۔ کون سی دیر لگتی ہے اور اماں بخت آور کے لیے بھی ابھی سے چائے مت بنا دینا ٹھنڈی ہو جائے گی تو وہ منہ بھی نہیں لگائے گی۔"

"لے اب میں اتنی کملی تھوڑی ہوں۔" ہنسی آپ ہی آپ ان کے ہونٹوں سے چھلک رہی تھی۔ "پتر ذرا جا کر بڑی سڑک تک دیکھ آ۔ تیرے ابا جی اسے لے کر آ رہے ہیں۔"

"اماں ابا جی اسے لے کر سیدھا یہیں آئیں گے کہیں اور نہیں جائیں گے ذرا دیر صبر کر بس ابا جی آتے ہی ہوں گے۔" توصیف لالا کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر ابا جی اندر چلے آئے اپنے تئیں وہ بنا آہٹ کے آئے تھے لیکن اماں کا تو رواں رواں منتظر تھا وہ لپک کر ابا جی کی طرف بڑھیں۔

"توصیف کے ابا لے آئے میری دھی کو کہاں ہے وہ؟" ان کی متلاشی نظریں ابا جی کے پیچھے بھٹکنے لگیں جواب میں وہ یوں سر جھکا کر کھڑے ہو گئے جیسے خطاوار وہی ہوں۔

"توصیف کے ابا کیوں نہیں آئی وہ کیا کہہ رہی تھی تو خود تو اس سے مل کر آیا ہے ناں مجھے بتا وہ کیسی تھی خوش تو تھی ناں۔" اماں بے تابی سے سوالوں پر سوال کیے گئیں۔

"اری نیک بخت ذرا صبر کر کیوں پاگل ہوئی جا رہی ہے۔"

"میں پاگل نہیں ہوں گی تو اور کون ہوگا مجھے بتا وہ کیوں نہیں آئی۔"

"چوہدری صاحب کے آدمیوں نے بتایا ہے کہ وہ یہاں نہیں ہے لاہور گئی ہوئی ہے۔"

"جھوٹ بولتے ہیں وہ تو نے خود جا کر حویلی میں دیکھا تھا۔"

"کیا بات کرتی ہے توصیف کی ماں اب کیا میں حویلی کے اندر جاتا اور پھر چھوٹی حویلی تو باہر ہی سے اتنی اجاڑ اور ویران لگتی ہے بس ایک کتے کے بھونکنے کی آواز آتی ہے۔ میرے خیال میں تیری دھی کا یہاں دل نہیں لگتا ہوگا جب ہی وڈے چوہدری جی اسے ہر جگہ اپنے ساتھ لے جاتے ہوں گے۔"

"میرا دل نہیں مانتا توصیف کے ابا۔" اماں انتہائی آزردگی سے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہیں بیٹھتی ہوئی بولیں۔ "مجھے لگتا ہے میری دھی خوش نہیں ہے روزانہ خواب میں اسے روتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ تو مجھے وڈی چوہدرانی جی کے پاس لے چل میں اس سے پتا کرتی ہوں۔"

"تو تو کملی ہے۔" پھر وہ توصیف سے کہنے لگے۔ پتر تو ہی اپنی ماں کو سمجھا۔"

"میں کیا سمجھاؤں ابا جی۔ اماں ٹھیک ہی تو کہتی ہیں آخر وڈے چوہدری جی اسے یہاں لے کر کیوں نہیں آتے میں کتنی بار حویلی گیا ہوں ان کے آدمی مجھے باہر ہی سے ٹال دیتے ہیں۔"

"پھر تو ہی بتا میں کیا کروں آخر میری بھی تو دھی ہے میرا بھی اس سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔" ابا جی کا اپنا حوصلہ بھی جواب دے گیا تو وہ بھی وہیں اماں کے پاس بیٹھ گئے۔

"ابا جی اگر آپ کہیں تو میں سیف کے پاس چلا جاتا ہوں ہو سکتا ہے لاہور میں اس کا بخت آور سے میل ہوا ہو۔"

"پتر چوہدری جی کیا کہیں گے کہ ہم ان کی ٹوہ لیتے پھر رہے ہیں۔"

"چوہدری جی کو کیا پتا چلے گا میں سیف سے ملنے کے بہانے جاؤں گا۔"

"توصیف ٹھیک کہتا ہے۔" اماں درمیان میں بول پڑی۔ "چوہدری جی کو کیا پتا چلے گا۔ میں تو کہتی ہوں اج ہی چلا جا۔"

"نہیں توصیف کی ماں تو نہیں جانتی چوہدریوں کی اپنی باتیں ہوتی ہیں کوئی بات ضرور ہے جو وہ ہماری دھی کو ہم سے ملنے نہیں دے رہا اور اگر اسے بھی بھنک مل گئی کہ ہم اس پر شک کر رہے ہیں تو وہ ہمارا جینا دوبھر کر دے گا۔" اباجی کے اندر اچانک یہ خیال آ سمایا تھا کہ کہیں چوہدری صاحب قیس کے بارے میں تو نہیں جان گئے اور اسی خیال سے خوفزدہ ہو کر وہ توصیف کو لاہور جانے سے منع کرنے لگے۔

"توصیف کے ابا تو پھر کوئی اور راستہ نکال مجھے میری دھی سے ملانے کا اب اس کو دیکھے بغیر مجھ سے رہا نہیں جاتا۔" اماں بھرے لہجے میں بولیں تو اباجی صرف سر ہلا کر رہ گئے۔



آج پھر وہ سرِشام ہی برآمدے کی سیڑھیوں پہ آ بیٹھی تھی گو کہ روزانہ یہاں بیٹھنا اس کا معمول تھا لیکن پچھلے تین دنوں سے وہ انتظار کی سولی پر لٹکی تھی۔ ندا جمشید علی دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے اب تک نہ آئی تھی اور اس سے ایک ایک پل کاٹنا مشکل ہو رہا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا وہ پچھلے دروازے کے پاس جا کر اسے آواز دے کر بلا لے لیکن جس طرح وہ لڑکی خوفزدہ ہو کر بھاگی تھی اس سے اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ خود سے اسے بلانے جائے۔

اسے یونہی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے شام سے رات ہو گئی اس کی آس کے دیے بجھنے لگے تو وہ شکستہ قدموں سے اندر چلی آئی جس وقت وہ سونے کے لیے لیٹی تو روح اتنی بوجھل ہو رہی تھی کہ وہ تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ رات کے بے کراں سناٹوں میں اس کی سسکیوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔

"چھوٹی ماں تم رو رہی ہو؟" اپنے کندھوں پر ہلکا سا دباؤ محسوس کر کے وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔

"مجھے آنے میں دیر ہو گئی تم شاید مایوس ہو گئی تھیں۔"

"ندا پہلے میرے سوالوں کے جواب دو اس کے بعد کچھ کہنا۔" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

"میں جانتی ہوں تم کیا پوچھنا چاہتی ہو۔ لیکن چھوٹی ماں میں ہر سوال کا جواب نہیں دے سکوں گی۔" وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر طویل سانس لے کر بولی۔

"چلو پہلے اپنے بارے میں بتاؤ جب تم چوہدری صاحب کی بیٹی ہو تو پھر اس بات سے لاعلم کیوں ہو کہ میں حویلی کے اس حصے میں نہیں جاتی اور وہاں سے کوئی یہاں نہیں آتا۔"

"اصل میں چھوٹی ماں میں یہاں نہیں رہتی۔"

"پھر کہاں رہتی ہو۔"

"میں نے اسی سال نشتر میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لیا ہے اور میں وہیں ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ ابھی کچھ دن پہلے میں یہاں آئی تو مجھے پتا چلا کہ بابا جان نے شادی کر لی ہے میں تمہیں دیکھنے کے شوق میں چلی آئی۔"

"تم نشتر میڈیکل کالج میں پڑھتی ہو؟" اس کے ذہن میں سارے سوال مٹ گئے یاد رہا تو صرف اتنا کہ وہ نشتر کالج سے آئی ہے اس جگہ سے جہاں اس نے اپنی زندگی کے سنہرے دن بتائے تھے۔

"ہاں لیکن تم نشتر کالج کے نام پر چونک کیوں گئی۔"

"تمہیں پتا ہے میں بھی وہیں پڑھتی تھی۔"

"سچ یہ کب کی بات ہے؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"ابھی کی۔" وہ یوں بولی جیسے کل ہی کی بات ہو۔ "میں میڈیکل کے دوسرے سال میں تھی کہ میری شادی ہو گئی۔"

"تب تو چھوٹی ماں تم بہت بے وقوف ہو تمہیں احتجاج کرنا چاہیئے تھا۔"

"ہاں رومیلہ بھی یہی کہتی تھی۔"

"کون رومیلہ؟"

"میری دوست' میرے ساتھ پڑھتی تھی اور ہم دونوں ایک ہی کمرے میں رہتے تھے وہ اب بھی وہیں رہتی ہو گی کیا تم اسے جانتی ہو؟"

"نام تو کچھ کچھ ذہن میں آ رہا ہے لیکن شاید ٹھیک سے نہیں جانتی۔"

"اب جانا تو اس سے ضرور ملنا وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بہت مخلص ہمدرد اور وفادار اور اگر ہو سکے تو اسے میرے پاس لے آنا میں تو کسی اپنے کی شکل دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔"

"یہ ممکن تو نہیں ہے چھوٹی ماں پھر بھی میں کوشش کروں گی۔" بالکل غیر ارادی طور پر ندا کی زبان سے یہ جملہ پھسل گیا۔

"کیوں۔ کیوں ممکن نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ ندا تمہارے بابا جان نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔ ایسا کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے مجھ سے جس کی پاداش میں انہوں نے مجھے یہ قید تنہائی بخش دی ہے۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی اور اس کے کندھے جھنجوڑ کر کہنے لگی۔ "پلیز ندا مجھے بتاؤ تمہارے بابا جان نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔"

"چھوٹی ماں پلیز۔" ندا نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "میں تمہارے سوال کا جواب نہیں دے سکوں گی لیکن تم سے یہ ضرور کہوں گی کہ یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

"بھاگ جاؤں کہاں۔"

"کہیں بھی لیکن خدا کے لیے جتنی جلد ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ۔"

"کیوں چلی جاؤں میں آخر کیوں؟" وہ چیخ پڑی۔

"میں تمہارے کیوں کا جواب نہیں دے سکتی چھوٹی ماں آخر تم سمجھتی کیوں نہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکوں گی ندا جب تک تم مجھے بتاؤ گی نہیں۔" ندا کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اُٹھتی ہوئی بولی۔

"مجھے تم پر رحم آتا ہے چھوٹی ماں آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں۔"

"تھوڑی دیر کے لیے اپنے سوال روک لو۔ میرے ساتھ آؤ تمہیں سب سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔" ندا اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ تو وہ چپ چاپ اس کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

طویل گیلری تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بخت نے بڑھ کر سوئچ آن کر دیا اچانک ہر طرف دودھیا روشنی پھیل گئی۔ ندا نے اس کا ہاتھ تھام کر چلنے کا اشارہ کیا تو وہ بے آواز قدموں سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔

ابھی وہ دونوں گیلری کے آخری سرے پر پہنچ بھی نہ پائی تھیں کہ بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز دور دور تک سنائی دینے لگی۔ دونوں ایک دم اپنی جگہ رک گئیں۔

"کون ہو سکتا ہے؟" ندا سرگوشی میں پوچھنے لگی۔

"چوہدری صاحب کے سوا اور کوئی نہیں آتا یہاں۔"

"یہ تو بہت برا ہوا چھوٹی ماں اگر بابا جان نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو۔۔" ندا خوفزدہ ہو کر راہ فرار ڈھونڈنے لگی۔

"تم کہیں چھپ جاؤ۔ ٹھہرو میں پہلے لائٹ آف کر دوں۔" بخت اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑی ہوئی اور فوراً سوئچ آف کر دیا۔

اندھیرے میں دور سے آتی چوہدری صاحب کے بھاری قدموں کی آواز ماحول کو پراسرار۔۔۔ بنا رہی تھی بخت نے چاہا کہ دوبارہ ندا کے پاس جائے لیکن اس کے پیروں نے ہلنے سے انکار کر دیا اور وہ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔

"بخت آور۔" چوہدری صاحب کی زوردار آواز نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔ اس نے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

"بخت آور سو گئی ہے کیا؟" اپنے قریب چوہدری صاحب کی آواز سن کر وہ سہمی سہمی آواز میں بولی۔

"نہیں تو چوہدری صاحب۔"

"پھر یہ اندھیرے میں کھڑی کیا کر رہی ہے بتی جلا۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آن کر دیا۔ وہ فوراً سر گھما کر اس کی طرف دیکھنے لگی جہاں اس نے ندا کو چھوڑا تھا وہ وہاں موجود نہیں تھی اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے وہ چوہدری صاحب کی طرف متوجہ ہوئی وہ بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔

"کیا بات ہے چوہدری صاحب آیئے اندر چل کر بیٹھیں۔" وہ اپنے آپ پر کافی حد تک قابو پا چکی تھی پھر بھی لہجے کی لرزش چھپانے میں ناکام ہو گئی تھی اس لیے چوہدری صاحب اسے جواب دینے کی بجائے مشکوک نظروں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ جس انداز سے چوہدری صاحب نظروں کا زاویہ بدل بدل کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

اسے ان پر کسی خوفناک دیو کا گمان ہونے لگا۔ اسے لگا جیسے ابھی ان کے ہونٹ حرکت [illegible] کر ایک ہی صدا دیں گے۔

"آدم بو۔ آدم بو۔" چاروں طرف بھٹکتی ہوئی نظریں بالآخر اس پر ٹک گئیں۔ اور وہ اندر [illegible] ہوئی نظریں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

"بخت آور کون آیا تھا یہاں۔ بالآخر انہوں نے اپنے شبہے کو زبان دے دی۔"

"جی۔" اس کے حلق سے بمشکل پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"میں پوچھتا ہوں یہاں کون آیا تھا۔"

"کوئی نہیں چوہدری صاحب۔ یہاں آپ کی اجازت کے بغیر کون آ سکتا ہے بھلا۔"

"پھر تو اس وقت یہاں کھڑی کیا کر رہی تھی۔"

"آپ کی آواز سن کر میں اپنے کمرے سے نکلی تھی اندھیرے میں سوئچ بورڈ تلاش کرنے میں دشواری ہو رہی تھی جب ہی میں......" چوہدری صاحب کچھ دیر تک اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے رہے پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہنے لگے۔

"مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کبھی مت کرنا۔ بخت آور۔ یاد رکھ اگر میری غیر موجودگی میں کسی نے یہاں آنے کی جرأت کی تو سب سے پہلے میں تیری بوٹی بوٹی کر کے اس کتے کے آگے ڈال دوں گا سمجھی۔" پھر چوہدری صاحب نے اس کے لرزتے وجود کو مسہری پر پٹخ دیا۔

"میں کچھ دنوں کے لیے شہر جا رہا ہوں تجھے کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا میں لیتا آؤں گا۔" اس کا دل چاہا کہہ دے کہیں سے تھوڑا سا زہر مل جائے تو لیتے آئیے گا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔

"تجھے میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگتا شاید۔" اسے خاموش پا کر وہ کہنے لگے۔

"نہیں تو چوہدری صاحب میں تو روز آپ کا انتظار کرتی ہوں آپ ہی نہیں آتے۔"

جواب میں ان کا طویل قہقہہ سناٹے کی چادر میں شگاف ڈال گیا۔

"تو انتظار کرتی ہے میرا۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"فکر نہ کر زیادہ دن تجھے انتظار کی سولی پر نہیں لٹکنا پڑے گا۔" ان کی معنی خیز مسکراہٹ سے وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکی۔ بس چاپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی۔

"اچھا میں چلتا ہوں تجھے کچھ منگوانا ہو تو بتا دے۔"

"مجھے کچھ نہیں منگوانا۔"

"چل اب تو سو جا میں آپ ہی چلا جاؤں گا۔" اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئے۔ کتنی دیر تک وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑی رہی۔ چوہدری صاحب کے قدموں کی آواز دور ہوتی ہوئی معدوم ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ اپنے اندر حرکت کرنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔

کافی دیر کے بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے اور وہ کچھ سوچنے کے قابل ہوئی تو اسے پہلا خیال ندا کا آیا۔ اس نے سوچا کہ پتا نہیں وہ واپس چلی گئی ہے یا وہیں کہیں چھپی کھڑی ہے۔ وہ بہت آہستگی سے اپنے کمرے سے نکل آئی۔

گیلری میں گہری تاریکی تھی پھر بھی اس نے لائٹ آن نہیں کی یونہی اندھیرے میں ننگے پاؤں بنا آہٹ کیے چلتی ہوئی وہ گیلری کے آخری سرے پر آ گئی۔

"ندا۔" اس نے بہت ہلکے سے آواز دی۔

"چھوٹی ماں میں یہاں ہوں۔" جواب میں ندا نے بھی بہت آہستہ آواز میں کہا۔ کیا بابا جان چلے گئے؟"

"ہاں تم باہر آ جاؤ۔" ندا فوراً ڈرائنگ روم کے دروازے سے نکل کر گیلری میں آ گئی۔ اندھیرے کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہی تھیں۔ اس لیے دونوں اپنے ہاتھ پھیلا کر ایک دوسرے کو تلاش کرنے لگیں پھر جیسے ہی دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرائے وہ ایسے لپٹ گئیں جیسے ایک دوسرے میں پناہ ڈھونڈ رہی ہوں۔

"چھوٹی ماں بابا جان کو شبہ تو نہیں ہوا۔"

"ہوا تو تھا لیکن خدا کا شکر ہے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا۔"

"اصل میں غلطی میری ہے بابا جان مجھ سے کہہ کر گئے کہ میں شہر جا رہا ہوں اور میں فوراً تمہارے پاس آ گئی حالانکہ مجھے پہلے ان کے چلے جانے کا یقین کر لینا چاہیئے تھا۔"

"خیر اب تو وہ چلے گئے ہیں اب مجھے بتاؤ معاملہ کیا ہے۔" وہ فوراً اصل موضوع پر آ گئی۔

"کیا اس وقت کچھ جاننے کا حوصلہ رکھتی ہو۔" ندا اس کا سرد ہاتھ دباتی ہوئی شرارت سے پوچھنے لگی۔

"مذاق مت اڑاؤ چلو مجھے کہاں لے جا رہی تھیں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔" ندا اسے لیے ہوئے بڑے ہال کمرے میں آ گئی۔ جس میں بے شمار نادر اشیا سجی تھیں جن کے درمیان اس نے اپنی شب زفاف تمام کی تھی۔

ندا اس کا ہاتھ چھوڑ کر بڑی سی الماری کی طرف بڑھ گئی اور اس کے اندر جانے کیا تلاش کرنے لگی وہ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھتی رہی کچھ دیر بعد جب وہ الماری بند کر کے واپس پلٹی تو بخت نے دیکھا اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک فریم اٹھا رکھا تھا وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے

لگی تو ندا نے فریم الٹ کر تصویر اس کے سامنے کر دی۔

''چھوٹی ماں جانتی ہو یہ کون ہے؟'' بخت نے حیرت سے پہلے تصویر کو دیکھا پھر ندا کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''یہ تو میری تصویر ہے۔''

''یہ تم نہیں ہو چھوٹی ماں یہ جگنو ہے۔''

''جگنو.....!'' کون جگنو؟''

''آؤ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں۔''

''لیکن میں......اس کے بارے میں جان کر کیا کروں گی؟''

''اس کے بارے میں جان کر تمہیں اپنے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔'' ندا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صوفے پر آ بیٹھی اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ندا نے کہنا شروع کیا۔

''بہت پہلے کی بات ہے اس وقت کی جب بابا جان نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا جگنو ایک غریب مزارع کی بیٹی تھی بابا جان اسے دیکھتے ہی اس کے اسیر ہو گئے۔ وہ جگنو سے بہت شدید محبت کرنے لگے تھے اور اس سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن وہ اپنے چچازاد سے منسوب تھی اور کسی صورت اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن بابا جان کیونکہ اس گاؤں میں ایک حکمران کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اپنی طاقت کے بل پر چاہا کہ جگنو سے شادی کر لیں۔

لیکن عین شادی کے دن وہ اپنے منگیتر کے ساتھ اس گاؤں سے بھاگ گئی اور بابا جان جو اس سے شدید محبت کرتے تھے اس کے اس اقدام نے ان کے اندر ایک آگ لگا دی۔ وہ پاگلوں کی طرح ان دونوں کو تلاش کرتے رہے جیسے جیسے وہ انہیں تلاش کرنے میں ناکام ہوتے گئے ویسے ہی ان کے اندر کی محبت انتقامی صورت اختیار کرتی گئی۔

''ان کے لیے یہ بات کسی تازیانے سے کم نہ تھی کہ جگنو نے ایک غریب کسان کو ان پر ترجیح دی تھی ان کا بس نہ چلتا تھا کہیں سے ان دونوں کو ڈھونڈ کر گولی سے اڑا دیں اور یقیناً وہ انہیں گولی سے اڑا دیتے لیکن ان دونوں کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بابا جان کو مل کے نہ دیئے۔''

''پھر میرے دادا نے بابا جان کی شادی کر دی میری ماں کے ساتھ۔ اور بظاہر بابا جان پر

سکون زندگی گذارنے لگے۔ لیکن یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ ان کے اندر انتقامی آگ نے شدید ہو کر انہیں جنونی بنا دیا ہے۔''

''ابھی پانچ سال پہلے کی بات ہے بابا جان ساتھ والے گاؤں میں چوہدری امان اللہ کی دعوت پر ان سے ملنے گئے تھے وہاں سے واپسی پر انہوں نے کھیتوں میں کام کرتی ہوئی ایک لڑکی کو دیکھا جو ہو بہو جگنو جیسی تھی۔ بابا جان اسے زبردستی اٹھا کر لے آئے۔ اور اس حویلی میں بند کر دیا۔ وہ معصوم لڑکی صرف ایک سال میں ہی تنہائی سے گھبرا کر دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر گئی۔''

''مجھے یاد ہے اس کے مرنے کے بعد میں نے بہت دنوں تک بابا جان کو پرسکون اور خوش و خرم دیکھا تھا۔ شاید اسے مار کر بابا جان یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے جگنو کو مار دیا اور اب تم......تم چھوٹی ماں ہو بہو جگنو جیسی ہو اور مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ بابا جان تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔'' اس نے خاموش ہو کر بخت کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں رقصاں خوف کے سائے دیکھ کر تو لمحہ بھر کو وہ خود بھی سہم گئی تھی۔ پھر وہ فوراً سنبھل کر اس کا ہاتھ تھپکتی ہوئی کہنے لگی۔

''چھوٹی ماں تم ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گی۔''

''تم کیا کرو گی۔؟''

''میں تمہیں یہاں سے بھاگنے میں مدد دوں گی۔''

''لیکن میں بھاگ کر جاؤں گی کہاں میرے سب گھر والے تو یہیں رہتے ہیں اور چوہدری صاحب تو میرے ساتھ ساتھ میرے گھر والوں کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' ندا کچھ دیر خاموشی سے جانے کیا سوچتی رہی۔ پھر اچانک کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔'' چھوٹی ماں تم فکر مت کرو۔ آج کل میں فیصل بھائی آنے والے ہیں وہ یقیناً تمہاری مدد کریں گے۔''

''ملک فیصل۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''ہاں تم جانتی ہو ناں فیصل بھائی کو۔''

''اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے سر جھکائے جانے کیا سوچ گئی۔ اسے خاموش دیکھ کر ندا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا چھوٹی ماں اب میں چلتی ہوں۔"

"نہیں ندا آج یہیں رک جاؤ۔ اتنی خوفناک حقیقتیں جاننے کے بعد تو میں اکیلی نہیں رہ سکوں گی۔"

"میرا یہاں رکنا بہت خطرناک ہوگا کیونکہ بابا جان کو شبہ ہو چکا ہے اور کوئی پتا نہیں کہ وہ صبح منہ اندھیرے ہی یہاں آ جائیں۔"

ذرا توقف کے بعد وہ پھر کہنے لگی۔ "بس تم یہ یقین رکھو کہ بابا جان تمہیں کبھی ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ وہ اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب تم خود۔"

"ندا پلیز۔" اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔

"چھوٹی ماں ذرا ہمت سے کام لو یوں حوصلہ ہار جاؤ گی تو حالات کا مقابلہ کیسے کرو گی۔"

"تم مجھ سے کیا توقع رکھتی ہو۔" وہ چہرہ چھپا کر پوچھنے لگی۔

"کم از کم فیصل بھائی کے آنے تک تو اپنے آپ کو سنبھال لو۔"

"مجھے نہیں امید کہ ملک فیصل اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکیں۔"

"تم مایوسی کی باتیں کرنے لگی میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔"

"جانے کی بات مت کرو ندا میں اب ایک لمحہ تنہا نہیں رہ سکتی۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"میں پھر آؤں گی میرا انتظار ہی نہیں اعتبار بھی کرنا۔" اس کے ساتھ ہی وہ اسے خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ بخت کچھ دیر وہیں کھڑی تمام واقعات پر غور کرتی رہی پھر بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔



چوکیدار نے اسے سیف کے آنے کی اطلاع دی تو وہ جلدی سے بیڈ سے دوپٹہ اٹھا کر کندھے پر ڈالتی ہوئی لان میں آ گئی اسے اتنی عجلت سے آتے دیکھ کر سیف دھیرے سے مسکرایا۔

"میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا تھا ظاہر ہے تم سے ملنے آیا ہوں تو مل کر ہی جاؤں گا۔"

"تمہارا کیا بھروسہ۔" وہ اپنی جھینپ مٹانے کو اسے الزام دینے لگی۔

"بھروسہ کرنا سیکھو لڑکی بے اعتباری کی بات کرو گی تو سچ مچ خفا ہو جاؤں گا۔"

"نہ نہ ایسا غضب مت کرنا مجھے ویسے بھی روٹھے سیاں کو منانے والے گانے ذرا کم

آتے ہیں۔"

"یاد کر لو آگے چل کر کام آئیں گے۔" وہ اپنی شوخ نظریں اس پر جماتا ہوا بولا۔ تو وہ ایک دم گلابی پڑ گئی۔

"بے ایمان ہو تم۔ یہ بتاؤ آج راستہ کیسے بھول گئے۔"

"معجزہ سمجھو جا کہیں اور رہا تھا تمہاری طرف آنے والا راستہ خود بخود سامنے آ گیا۔"

"مجھے یقین تھا آج تم ضرور آؤ گے۔"

"کیوں؟"۔

"صبح میں نے خواب میں دیکھا کہ تم آئے ہو اور صبح دیکھے ہوئے خواب اکثر سچ ثابت ہوتے ہیں۔"

"اچھا اور کیا دیکھا تھا خواب میں۔" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

"دیکھا تو اور بھی بہت کچھ تھا لیکن تمہارے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔" وہ پوری سچائی سے بولی۔

"رومیلہ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر وہیں گھاس پر بیٹھ گیا۔ "تمہارا سچائیوں سے اقرار کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔" وہ کچھ نہیں بولی۔ سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھیلنے لگی۔

"کہیں گھومنے چلو گی۔"

"نہیں یہیں بیٹھتے ہیں اگر تم چائے پینا چاہو تو میرے کمرے میں چلو۔"

"نہیں اس وقت چائے کی خواہش نہیں۔"

"اچھا تم بیٹھو میں کولڈ ڈرنک یہیں لے آتی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اور وہ یونہی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ کولڈ ڈرنک لے کر آ گئی اس کے بیٹھتے ہی وہ پوچھنے لگا۔

"اس بار ایگزیم کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہے؟"۔

"میں ڈیڈی کے پاس جاؤں گی۔"

"اور میں اباجی کو تمہارے ڈیڈی کے پاس کب بھیجوں؟"

"ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے ابھی تو میرے دو سال باقی ہیں ویسے تم فکر مت کرو میں اگلی بار ڈیڈی کو تمہارے بارے میں بتا دوں گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں دو سال انتظار نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟"

"کیوں کا جواب دوں گا تو بے ایمان کہو گی اس لیے صرف اتنا کہہ دیتا ہوں کہ یہ دو سال بعد کے لیے اٹھا رکھو۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی جب میں ہاؤس جاب کروں گا اس وقت تم یہ دو سال پورے کر لینا۔"

"مشکل ہے۔"

"کوئی مشکل نہیں ہے میں اپنے ایگزیم سے فارغ ہوتے ہی اباجی کو بھیجوں گا۔"

"جی نہیں بعد میں تم کہو گے کیا ضرورت ہے پڑھنے کی۔"

"نہیں کہوں گا یہ میرا وعدہ ہے۔"

"پھر نہ جانا اپنے وعدے سے ورنہ اپنی اور تمہاری جان ایک کر دوں گی۔"

"وہ بے ساختہ ہنس پڑا اسی وقت قیس ان دونوں کے پاس چلا آیا۔ اسے دیکھتے ہی رومیلہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"سیف اس سے ملو یہ قیس ہے اسے تم میرا بھائی سمجھو سمجھو کیا یہ ہے ہی میرا بھائی۔" پھر وہ قیس کو بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی کہنے لگی۔" اور قیس یہ سیف ہے غائبانہ طور پر تو تم اسے جانتے ہی ہو گے آج ملاقات بھی ہو گئی۔"

دونوں نے بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا پھر کافی دیر تک تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے آخر سیف گھڑی دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہیے ایسا نہ ہو میری بس نکل جائے۔"

"تم گاؤں جا رہے ہو۔" رومیلہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"ہاں۔"

"لیکن تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"تم نے بتانے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"جی نہیں اتنی باتونی نہیں ہوں میں تمہیں بتانا چاہیے تھا۔"

"کیوں تم نے میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"نہیں۔"

"پھر اتنی پریشانی کس بات کی ہے۔"

"پریشانی اس بات کی ہے کہ اگر تم مجھے آتے ہی بتا دیتے کہ تم گاؤں جا رہے ہو۔ تو میں بخت کے لیے کوئی گفٹ خرید کر دیتی اب تم اسے جا کر بتاؤ گے کہ تم مجھ سے مل کر آ رہے ہو تو وہ کیا سوچے گی کہ ایسی بے مروت ہوں میں۔" سیف کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"یوں کیا دیکھ رہے ہو اب ایسا کرنا اس کے سامنے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے میرا بہت بہت سلام کہہ دینا۔"

"اگر اس سے ملاقات ہو گئی تو ضرور کہہ دوں گا۔" بالکل غیر ارادی طور پر سیف کے منہ سے نکل گیا۔

"کیا مطلب گاؤں جا رہے ہو اور اس سے ملو گے نہیں۔" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے اگر وہ گاؤں میں ہوئی تو اس سے ملاقات ہو جائے گی۔ اور تمہارا سلام بھی اسے پہنچا دوں گا ورنہ......" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیسے مطمئن کرے۔

"ورنہ کیا۔؟"

"ورنہ تمہارا سر میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنی کند ذہن ہو سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اکثر چوہدری صاحب کے ساتھ گاؤں سے باہر رہتی ہے کبھی لاہور کبھی کراچی اور کبھی اسلام آباد بس یا اور کچھ۔" جس طرح وہ اچانک چھوٹی سی بات پر چڑ گیا تھا اس سے رومیلہ اور قیس کچھ دیر تک حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر قیس پر سے نظریں ہٹا کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں کہ وہ نظریں چرانے پر مجبور ہو گیا۔ اور اسے یوں نظریں چراتے دیکھ کر وہ جان گئی کہ کوئی بات ضرور ہے جو وہ بتانا نہیں چاہ رہا۔ بات کسی اور کی ہوتی تو شاید وہ نظر انداز کر جاتی لیکن یہاں معاملہ اس کی عزیز از جان دوست کا تھا اس لیے وہ چپ نہیں رہی۔

"سیف میرا خیال ہے ہم دونوں میں اتنی انڈرسٹینڈنگ ہو چکی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اپنے دکھ سکھ شیئر کر سکیں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو پھر بھی انجان بن رہے ہو۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے بخت تو ٹھیک ہے ناں۔" جس انداز سے وہ پوچھ رہی تھی وہ سمجھ گیا کہ مزید جھوٹ نہیں بول سکے گا۔ اس لیے ہار مانتے ہوئے کہنے لگا۔

"اصل بات مجھے بھی نہیں معلوم رومیلہ لیکن کوئی گڑ بڑ ضرور ہے پرسوں توصیف لالہ میرے پاس آئے تھے انہوں نے بتایا ہے کہ جب سے بخت آور بیاہ کر گئی ہے اس کے بعد ایک بار بھی گھر والوں سے ملنے نہیں آئی اور پتا نہیں وہ خود نہیں آئی یا چوہدری صاحب نے آنے نہیں دیا۔ اور اگر ہمارے گھر سے کوئی ملنے گیا تو اسے باہر ہی سے یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ وہ چوہدری صاحب کے ساتھ لاہور گئی ہوئی ہے۔ اماں اس کی طرف سے بہت پریشان ہیں میں بھی اسی لیے جا رہا ہوں۔"

"آخر چوہدری صاحب ایسا کیوں کر رہے ہیں۔" اس کے خاموش ہوتے ہی وہ پوچھنے لگی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں یہ تو وہیں جا کر معلوم ہوگا۔"

"ٹھہرو میں تمہاری کچھ مدد کرتی ہوں۔" وہ کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگی۔

"تم کیا مدد کرو گی۔"

"میرا خیال ہے چوہدری صاحب کی بیٹی یہیں پڑھتی ہے تم ذرا دیر اور رک جاؤ میں اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر جاتے جاتے پوچھنے لگی۔ "ان کی بیٹی کا نام جانتے ہو۔"

"ہاں ندا جمشید علی۔" نام سنتے ہی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی چلی گئی اور وہ دونوں اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

گو کہ ان دونوں کی گفتگو کے دوران قیس بظاہر لاتعلق بنا بیٹھا رہا تھا لیکن اس کے اندر جیسے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور یہ خیال کہ بخت کسی پریشانی میں گھر گئی ہے اس کی جان پر بنائے دے رہا تھا کاش وہ کاتب تقدیر سے اس کے راستوں کی تمام سختیاں اپنے نام لکھوا لیتا۔

دل میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کو دباتے ہوئے اس نے سیف کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے جانے کیا سوچ رہا تھا اس کا انداز بھی ویسا ہی تھا اسے لگا جیسے اس کی جگہ وہ بیٹھی ہو یونہی سر جھکائے۔ کچھ خوفزدہ سی کچھ نروس سی وہ فوراً سر گھما کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اسی وقت رومیلہ بھاگتی ہوئی ان کے پاس آ بیٹھی۔ دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"ندا جمشید علی نہیں ہے۔"

"کہاں گئی ہے؟" سیف بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"وہ پچھلے ہفتے ایک مہینے کی چھٹی پر گاؤں گئی ہے۔" پھر ذرا توقف سے کہنے لگی۔

"مجھے افسوس ہے سیف میں تمہاری مدد نہ کر سکی۔"

"ارے نہیں ویسے بھی میں جا ہی رہا ہوں۔"

"واپسی پر مجھے تمام حالات بتاتے ہوئے جانا ورنہ میری جان سولی پر لٹکی رہے گی۔"

"ٹھیک ہے اب مجھے اجازت دو۔" سیف اٹھتے ہوئے بولا تو وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

پھر جب وہ سیف کو گیٹ تک چھوڑ کر واپس آئی تو قیس ابھی تک وہیں بیٹھا تھا وہ اس کے پاس بیٹھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"سوچ رہا ہوں کہیں وہ میری وجہ سے تو کسی پریشانی میں نہیں گھر گئی۔"

"تمہاری وجہ سے کیوں؟" جواب میں وہ کچھ دیر تک خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اب چلوں گا۔"

"قیس تم کیوں اتنے پریشان ہو گئے؟"

"کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔

"پتا نہیں۔" وہ خوامخواہ نظریں چرا گئی۔

"رومیلہ وہ اب بھی میری رگ جان سے قریب ہے وہ کسی پریشانی میں گھری ہو اور میں سکون سے بیٹھ جاؤں ایسا تو ممکن ہی نہیں۔"

"یہ سب باتیں ہم نے خود فرض کر لی ہیں۔ قیس ہو سکتا ہے وہ ٹھیک ٹھاک ہو بلکہ خوش و خرم ہو۔"

"خدا کرے ایسا ہو پھر بھی جانے کیوں دل بیٹھا جا رہا ہے ایک تو اس بیوقوف لڑکی نے

مجھے گاؤں جانے سے منع کر دیا ورنہ میں خود جا کر معلوم کرتا۔"

"اس نے ٹھیک ہی منع کیا تھا اس لیے کہ تم سے کوئی بعید نہیں کہ گاؤں کی گلیوں میں بخت بخت پکارتے پھرتے۔" وہ ماحول کی اداسی دور کرنے کی خاطر اپنی بات میں تھوڑا مزاج پیدا کرتی ہوئی بولی۔

"میری دھڑکنیں تو اب بھی اسی نام کی صدا دیتی ہیں۔" وہ بدستور سنجیدہ تھا۔

"قیس کچھ ہوش میں آؤ میرے بھائی وہ پرائی ہو چکی ہے۔"

"ہوش میں آ گیا تو کیا باقی رہے گا بھلا۔" وہ جیسے اپنے آپ سے بولا اور تیز قدموں سے چلتا ہاسٹل کی عمارت سے باہر نکل آیا۔

جس طرح وہ اسے اپنی محبت کے حصار میں قید کر کے گئی تھی اس سے نکلنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اس حصار سے نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ گو اس کے جانے کے بعد کائنات کا سارا حسن جیسے ماند پڑ گیا تھا اس کے لیے زندگی میں کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی تھی پھر بھی اس بے رنگ و بو زندگی میں بس اس کی یادوں کا سہارا ہی تھا جو اسے جینے پر مجبور کیے ہوئے تھا۔

وہ گھنٹوں بیٹھا اسے سوچا کرتا اس کے سنگ گزرے بے شمار لمحات اس کی نگاہوں میں امر تھے جن میں کھو کر وہ اپنا آپ بھلا بیٹھا تھا عشق کی جانے کون سی منزل پہ آ کھڑا ہوا تھا کہ اس کی ہر سوچ اسی کے خیال سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی۔ پورب کی سمت جاتی ہواؤں کو حال دل سنا کر اس کے نام سندیسے بھیجنا اس کا معمول تھا۔

اس وقت بھی وہ لان کے گوشے میں تنہا بیٹھا سرسراتی ہواؤں سے سرگوشیاں کرنے میں مصروف تھا۔

اے ہواؤ اس کی صبیح پیشانی چھو کر اسے میری بے قراریوں کا احوال سنانا۔

"اے ہواؤ اس سے کہنا جب سے تم گئی صبح و شام ہی نہ ہوئی۔"

اس سے کہنا اے ہوا قیس اپنی زندگی ہارے دے رہا ہے کوئی آب حیات لمحہ میرے نام کر جاؤ۔"

"قیس بیٹے یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہو۔؟ ابی جان کی آواز سن کر وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں کروٹیں لیتا درد کا ساگر دیکھ کر لمحہ بھر کو ابی جان کا دل دہل گیا۔

"کیا بات ہے بیٹا کچھ پریشان ہو۔" جواب دینے کے بجائے وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا اس نے اب تک انہیں بخت کے بارے میں نہیں بتایا تھا اس لیے وہ پوچھنے لگے۔

"کیا بخت آور سے جھگڑا ہو گیا ہے۔"

"ابی جان۔" وہ تڑپ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیا اس سے جھگڑا کیا جا سکتا ہے۔"

"پھر کیا بات ہے کیوں اتنے آزردہ ہو کیا اپنے ابی جان کو بھی نہیں بتاؤ گے۔"

"آپ سے نہیں کہوں گا ابی جان تو پھر کس سے کہوں گا۔" وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوا بولا اور پھر جب اس نے انہیں تمام حالات کہہ سنائے تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں بتایا تھا جب اس کے ابا جی اسے لے کر گئے تھے۔"

"مجھے امید نہیں تھی ابی جان کہ اس کے ابا جی اتنی جلدی فیصلہ کر کے اس پر عمل بھی کر دیں گے۔ میں تو انتظار میں تھا کہ وہ دوبارہ یہاں آئے گی تب میں آپ سے۔" یہ کہہ کر قیس اپنی پیشانی ملنے لگا۔ وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"بیٹا میں مانتا ہوں وہ بہت اچھی لڑکی تھی لیکن اب جبکہ وہ دوسرے کی امانت بن چکی ہے تو تمہیں اس کے بارے میں اتنا نہیں سوچنا چاہیے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم فوراً اس کی یاد اس کا ہر نقش دل سے کھرچ ڈالو۔ اس لیے کہ تمہاری محبت کا اندازہ ہے مجھے پھر بھی تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ وہ تمہارا نصیب نہیں ہے۔"

"وہ میرا نصیب نہیں تھی تو میری زندگی میں آئی کیوں تھی۔"؟

"ایسے حادثات ہو جاتے ہیں لیکن بندے کو اتنا بے اختیار نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں کیا کروں۔"

"اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دو گے تو کچھ بھی نہ کر سکو گے ذرا ہمت سے کام لو زندگی میں کرنے کو اور بھی بہت کچھ ہے اور بیٹا زندگی ایک ہی بار ملتی ہے اسے محض ایک حادثے پر کف افسوس ملتے ہوئے ضائع کر دینا عقلمندی نہیں ہے۔"

"ابی جان آپ ایک زندگی کی بات کرتے ہیں بخدا اگر مجھے بار بار زندگی ملی تو میں ہر بار اسی کے نام پر بتا دوں گا۔"

"قیس۔" ابی جان حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی حیرت کی پروا نہ

کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھ سے یہ مت کہیے گا کہ میں اسے بھولنے کی کوشش کروں ایسی کوئی کوشش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

''میں تمہیں ایسی کوئی کوشش کرنے کو کہوں گا بھی نہیں۔ اس لیے کہ جس طرح وہ اس مکان کو گھر ہونے کا شرف بخش کر میری شفقتوں میں تمہاری حصے دار بن گئی ہے اس سے تو میں خود اسے نہیں بھول پاؤں گا۔ پھر بھی بیٹا میرا اتنا کہا ضرور مان لو کہ اپنے آپ سے اتنا غافل مت ہو جاؤ کہ میں تنہا رہ جاؤں میرا تمہارے سوا اور ہے ہی کون۔ جانتے ہو تمہیں اس حال میں دیکھ کر مجھے کتنا دکھ ہو رہا ہے۔'' ابی جان کا آرزدہ لہجہ اسے شرمندہ کر گیا۔

''آئی ایم سوری ابی جان۔''

''اٹس آل رائٹ اب تم جا کر کچھ دیر آرام کرو۔'' ابی جان اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہنے لگے۔ ''اور سنو اس کی یاد سے جو لمحے بچ جائیں انہیں میرے نام کر دینا۔'' ان کی معنی خیز مسکراہٹ سے وہ خجل سا ہو کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔



اس پر اتنی خوفناک حقیقتوں کو آشکار کرنے کے بعد ندا پھر آئی ہی نہیں۔ وہ روزانہ اس کا انتظار کرتی پوری شام اس کی راہ دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں پتھرا جاتیں اسے لگتا جیسے وہ خود بھی کسی دن پتھر بن جائے گی اور چوہدری صاحب اسے اٹھا کر اپنی نادر اشیاء کے درمیان کہیں سجانے کے بعد پھر کسی جگنو یا بخت آور کو کھوجنے نکل جائیں گے۔

وہ جان گئی تھی کہ چوہدری صاحب کا ظلم اسی پر ختم نہیں ہوگا بلکہ یہ کہانی اس وقت تک دہرائی جاتی رہے گی جب تک اس جیسی اور لڑکیوں کا وجود رہے گا ہاں اگر اسے یقین ہوتا کہ اس کے بعد چوہدری صاحب کے انتقام کی آگ سرد پڑ جائے گی تو وہ بخوشی اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتی۔

جینے کی آرزو تو اسے ویسے بھی نہیں تھی یہ آرزو تو اسی روز دم توڑ گئی تھی جس روز تقدیر نے نامہربان ہو کر اسے اس مہربان شخص سے دور کر دیا تھا جو پوری سچائیوں سے اسے اپنانا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی جدائی کا وہ لمحہ محفوظ تھا جسے سوچ کر اب بھی وہ دکھی ہو جاتی

تھی۔ کس قدر پریشان ہو گیا تھا وہ اسے اباجی کے ساتھ جاتے دیکھ کر، جانے اب کس حال میں ہوگا اسے یاد کرتا ہوگا یا......'' اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہونے لگی تو وہ اس کے خیال سے دامن بچانے کی خاطر اٹھ کر لان میں چلی آئی۔ اس کی نظریں بار بار اس سمت اٹھ جاتیں جس طرف سے ندا آتی تھی۔

بہت دیر تک۔۔۔ وہ یونہی ٹہلتی رہی۔ ندا کا انتظار کرتی رہی آخر تھک کر دوبارہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی ابھی اسے بیٹھے کچھ دیر ہوئی تھی کہ برآمدے کی سیڑھیوں سے آگے بنے سرخ اینٹوں کے فرش پر عین اس کے سامنے ایک پتھر آ گرا وہ چونک کر پہلے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کسی طرف سے کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی پھر وہ پتھر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ چھوٹا سا کاغذ بندھا دیکھ کر وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اور جیسے ہی اس نے قدم بڑھایا اسی وقت بیرونی دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور چوہدری صاحب اندر آ گئے۔ اس کا بڑھتا قدم جہاں تھا وہیں رک گیا اور وہ خوفزدہ ہو کر چوہدری صاحب کو آتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اچانک اس خیال سے کہ اگر چوہدری صاحب نے اس پتھر کو دیکھ لیا تو کیا ہوگا وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر کر آگے بڑھنے لگی جیسے ہی چوہدری صاحب قریب آئے اس نے بہت آہستگی سے پتھر پر پاؤں رکھ دیا۔

''کیسی ہو بخت آور۔'' اسے لگا جیسے وہ کہہ رہے ہوں ''تو ابھی تک زندہ ہے۔''

''ٹھیک ہوں چوہدری صاحب آپ شہر سے ہو آئے۔''

''ہاں میں تو اگلے ہی دن آ گیا تھا بس تیری طرف آنا نہیں ہوا اور یہ تو یہاں کھڑی کیا کر رہی تھی۔''

''کچھ نہیں بس ذرا شام کا وقت تھا تازہ ہوا کے لیے باہر نکل آئی۔''

''ہوں۔'' چوہدری صاحب گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگے وہ نروس ہونے لگی۔

''چوہدری صاحب اندر چلیں۔''

''نہیں میں یونہی کھڑے کھڑے آیا تھا ابھی مجھے بہت کام ہے۔'' وہ کچھ نہیں بولی چپ

چاپ سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔

"تجھے یہاں ڈر تو نہیں لگتا۔" اس غیر متوقع سوال پر وہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

"نہیں ڈر کیسا۔؟"

"اچھا بڑی بہادر ہے تو۔" وہ ہنسے پھر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ اپنے مخصوص انداز سے واپس پلٹ گئے۔

وہ سمجھ گئی کہ چوہدری صاحب یوں اچانک آ کر یا تو اسے خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں یا کسی قسم کا کوئی شبہ انہیں یہاں آنے پر مجبور کرتا ہے جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ باہر سے دروازہ بند کر کے چلے گئے ہیں تب اس نے جلدی سے پیر کے نیچے سے پتھر اٹھا لیا اور اس کے ساتھ بندھا کاغذ نکال کر مٹھی میں بند کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا گو کہ اب یہاں کسی کے آنے کا خطرہ نہیں تھا پھر بھی اس نے پہلے اچھی طرح کمرے کا دروازہ بند کر لیا اس کے بعد وہیں کھڑے کھڑے تہہ کیا ہوا کاغذ کھول کر پڑھنے لگی۔

چھوٹی ماں تم یقیناً میرے نہ آنے پر خفا ہو گی لیکن سنو میں
ایک اچھی خبر سے تمہاری ساری خفگی دور کیے دیتی ہوں خبر یہ
ہے کہ فیصل بھائی آ گئے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھوں گی
بس تم یہ سمجھو کہ تمہاری اسیری کے دن تمام ہوئے۔

ندا

"ندا جمشید علی۔" اس نے طویل سانس لیتے ہوئے اپنا سر دروازے کے ساتھ ٹکا لیا۔



ملک فیصل بظاہر تو بڑے غور سے ندا کی بات سن رہا تھا جو اسے چھوٹی ماں کے بارے میں تفصیل بتا رہی تھی لیکن اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ وہ مسلسل قیس کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے اسے فوراً آنے کو لکھا تھا۔ آخر میں ندا پتا نہیں اسے کیا کہہ رہی تھی، وہ سن ہی نہیں سکا۔ بس چپ چاپ اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"بھائی آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟۔" وہ اس کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی تو وہ چونک گیا۔

"ہاں۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟۔"

"پہلے آپ بتائیں، آپ کیا سوچ رہے تھے؟۔"

"میری بات چھوڑو، تم اپنی بات کہو۔"

"کیا کہوں، آپ توجہ ہی نہیں دے رہے۔" وہ خفا ہونے لگی۔

"چلو اب میں پوری طرح تمہاری طرف متوجہ ہوں، کہو کیا کہہ رہی تھی تم؟۔" اس کے خفا ہونے پر وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"مجھے بتائیں، آپ چھوٹی ماں کے لیے کیا کریں گے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے؟۔"

"آپ کسی بھی طرح انہیں بابا جان کی قید سے نکالیں، ورنہ وہ مر جائیں گی۔"

"دیکھو ندا۔ اوّل تو تمہیں چھوٹی حویلی جانا نہیں چاہیے تھا۔ اب اگر تم سے یہ غلطی ہو ہی گئی ہے تو میری تم سے درخواست ہے کہ بھول جاؤ سب کچھ۔ یوں سمجھ لو، تم نے کوئی خواب دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب؟۔"

"تم بابا جان کے جنون سے واقف نہیں ہو ندا، فرض کرو میں اس خاتون کو وہاں سے

نکال بھی لوں تو کیا بعد میں بابا جان اسے چھوڑ دیں گے۔ اور دیکھو' ابھی تو وہ اکیلی ہیں' بعد میں تو ان کا پورا گھرانہ عتاب کی زد میں آ جائے گا۔''

''میں کچھ نہیں جانتی بھائی۔ میں چھوٹی ماں سے وعدہ کر چکی ہوں کہ آپ کے آنے پر ہم ان کی مدد کریں گے۔ اور اب تو میں انہیں یہ بھی بتا چکی ہوں کہ آپ آ چکے ہیں۔''

''کیا۔۔ کب بتایا تم نے؟۔''

''شام میں' میں نے ایک پرچے پر آپ کے آنے کا لکھ کر ان کی طرف پھینک دیا تھا۔''

''ندا۔۔ ندا' تم نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنے سارے کام کر لیے۔ چھوٹی حویلی چلی گئی۔ انہیں وہاں سے نکالنے کا وعدہ کر لیا اور اب میرے آنے کا بھی بتا دیا۔''

''آپ کو کیا پتا بھائی' وہ کتنی اذیت میں ہیں' مجھ سے ان کی بے بسی دیکھی نہیں جاتی۔''

''آئندہ تمہیں چھوٹی حویلی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کی ساری باتوں کے جواب میں ملک فیصل نے فیصلہ سنا دیا۔

''اُس کا مطلب ہے' آپ انکار کر رہے ہیں؟۔''

''مجبوری ہے' میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے' یہ کام میں خود کروں گی۔ میں انہیں وہاں سے نکلنے میں مدد دوں گی۔''

''ندا۔۔ میری بہن انہیں وہاں سے نکال کر تم ان کی مدد نہیں کرو گی بلکہ انہیں مزید پریشانیوں اور مصیبتوں میں دھکیل دو گی۔ ان کے گھر والوں کا بابا جان جو حشر کریں گے' تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔''

''مجھے سب اندازہ ہے بھائی اور پھر میں چھوٹی ماں کو ان کے گھر نہیں جانے دوں گی۔ میں ان سے کہوں گی وہ شہر چلی جائیں اپنی کسی دوست کے پاس۔''

''بیوقوف' شہر میں کون ان کی دوست ہو گی؟۔''

''میں شاید آپ کو بتانا بھول گئی۔ چھوٹی ماں نشتر میڈیکل کالج میں پڑھتی تھیں۔ یقیناً وہاں ان کی کوئی دوست ہو گی۔ بلکہ میرا خیال ہے ایک بار انہوں نے اپنی کسی دوست کا ذکر کیا تھا۔''

''کک۔۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟۔ وہ نشتر میڈیکل کالج میں پڑھتی تھیں۔'' وہ جو اب تک اس مسئلے کو اہمیت ہی نہیں دے رہا تھا' ایک دم چوکنا ہو گیا۔ ''کیا نام ہے ان کا؟۔''

''بخت آور۔۔''

اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ ''بخت آور۔۔ بخت آور'' بار بار دہراتے ہوئے وہ کہیں دُور نکل گیا۔ جبکہ ذہن کے دریچوں پر ایک ہی نام دستک دے رہا تھا۔ قیس۔۔ اسے اچانک یوں گم صم ہوتے دیکھ کر ندا نے اس کندھے پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''بھائی۔۔ کیا بات ہے' آپ کیا سوچنے لگے؟۔''

''ندا پلیز۔ مجھے اس وقت اکیلا چھوڑ دو

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں بھائی۔''

''ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم اس وقت جاؤ۔ میں پھر اس سلسلے میں تم سے بات کروں گا۔'' وہ کچھ نہ سمجھتی ہوئی کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر اس کے کمرے سے نکل گئی۔

کتنی دیر تک وہ ایک ہی نقطے پر نظریں مرکوز کیے بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا ہے۔ قیس کی دیوانگی کی حدوں کو چھوتی محبتوں سے وہ بے خبر نہیں تھا۔ بات کسی اور کی ہوتی تو وہ قیس کو سمجھا لیتا لیکن اب وہ قیس کا سامنا کیونکر کر پائے گا بھلا؟۔ اس سے سامنا کرنے کے لیے حوصلہ چاہیے تھا۔ اور ایسا حوصلہ وہ کہاں سے لائے گا۔ اس نے سوچا اسے یوں ہی واپس چلے جانا چاہیے لیکن پھر قیس سے کیے گئے وعدے نے اسے پابند کر دیا۔

اس نے ہر مقام پر خود ہی تو اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پھر اب جب وقت آ گیا تھا تو وہ بھاگنے کی سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ملامت کی اور نئے سرے سے مسئلے کو سوچنے لگا۔

بہت سوچنے کے بعد بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ چھوٹی حویلی جانے سے پہلے اسے قیس سے مل کر اس کا خیال جان لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جان جوکھوں میں ڈال کر بخت آور کو نکال لائے اور قیس ہی اپنانے سے انکار کر دے۔ اس صورت میں تو وہ لڑکی کہیں کی نہ رہے گی۔ اپنے اس خیال سے مطمئن ہونے کے بعد کافی دیر وہ اسی نہج پر سوچتا رہا اور جب وہ سونے کے لیے لیٹا تو۔۔ فیصلہ کر چکا تھا کہ صبح وہ قیس سے ملنے کے لیے ملتان روانہ ہو جائے گا۔

رات دیر سے سونے کی وجہ سے اور کچھ اپنے فیصلے پر مطمئن ہونے کے بعد اس نے سوچا

تھا کہ صبح وہ اطمینان سے اٹھے گا لیکن ندا کی بچی صبح سویرے ہی اس کے سر پر پہنچ گئی۔

"بھائی فوراً اٹھ جائیں۔" وہ جھنجھوڑنے کے انداز میں اس کا کندھا ہلا کر بولی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"خیر تو ہے ندا؟"

"ہاں۔سب خیر ہے۔بس آپ اٹھ جائیں۔"

"آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"مجھے بتائیں آپ نے چھوٹی ماں کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ کیونکہ آج میں ہر حال میں ان کے پاس جاؤں گی۔

"کیا تم نے صرف یہی بات معلوم کرنے کے لیے مجھے اٹھایا ہے۔

"ہاں۔ہوسکتا ہے آپ کی نظر میں اس بات کی کوئی اہمیت نہ ہو میں رات بھر سو نہیں سکی۔اور میں آپ کو بتا دوں کہ اگر چھوٹی ماں کو کچھ ہوگیا تو میں یہ گھر ہی چھوڑ جاؤں گی۔"

"ندا۔" ملک فیصل حیرت سے اس کی دیکھنے لگا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی بھائی! آپ ہی سوچیں، میں اتنے دنوں سے ایک لڑکی کو آس دلا رہی ہوں اور یہی آس اسے زندہ رکھے ہوئے ہے۔اب اگر ایک دم اس کی آس ٹوٹ گئی تو جینے کو کیا رہ جائے گا اس کے پاس۔" اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔

"تو میں کب کہتا ہوں کہ تم اس کی آس توڑو۔"

"تو کیا آپ؟" وہ غیر یقینی سے فیصل کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں۔میں نے تمہاری چھوٹی ماں کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"سچ بھائی۔؟" وہ ایک دم بہت خوش ہوگئی۔

"بالکل سچ۔تمہیں ناراض تو نہیں کیا جاسکتا ناں؟"

"تھینک یو۔بھائی، میں آج ہی چھوٹی ماں کو خوشخبری سناؤں گی۔"

"میں نے تمہیں وہاں جانے سے منع کیا ہے۔"

"صرف آج اس کے بعد تو وہ چلی جائیں گی۔" ذرا توقف کے بعد وہ پوچھنے لگی۔

"ویسے بھائی آپ نے ان کے لیے کیا سوچا ہے؟"

"کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا ندا۔بس تم اطمینان رکھو۔" وہ مسہری سے اترتا ہوا کہنے لگا۔

اور سنو،میرے لیے جلدی سے ناشتے کا انتظام کردو۔مجھے ابھی ملتان جانا ہے۔"

"کیوں؟۔"

"ایک تو میں تمہارے اس کیوں سے بہت تنگ ہوں۔چلو بھاگو یہاں سے۔" وہ لہجے کو بارعب بناتا ہوا بولا تو وہ ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔

جس وقت وہ ملتان جانے کے لیے باہر نکلا حویلی کے صدر دروازے پر اس کی مڈبھیڑ سیف سے ہوگئی۔سیف سے اس کی زیادہ جان پہچان نہیں تھی کیونکہ سیف شروع ہی سے تعلیم کے سلسلے میں گاؤں سے دور رہا تھا۔اس لیے اس کے سلام کے جواب میں ملک فیصل سرسری انداز میں سر ہلاتا ہوا جیسے ہی جیپ کی طرف بڑھنے لگا' سیف نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں ملک فیصل' میں سیف ہوں بخت آور کا بھائی۔"

"آئی ایم سوری۔میں نے واقعی آپ کو نہیں پہچانا تھا۔آیئے اندر چلیے۔" وہ جیسے ہی واپس حویلی کی طرف مڑنے لگا۔سیف نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں ملک صاحب' میں صرف اپنی بہن کے بارے میں معلوم کرنے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب' کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں آپ؟" گو وہ سب کچھ جان گیا تھا لیکن اس وقت انجان بننے ہی میں مصلحت تھی۔

"جب سے بخت آور بیاہ کر یہاں آئی ہے' اس کے بعد وہ ایک بار بھی ہم سے ملنے نہیں آئی اور اگر ہماری طرف سے کوئی آیا تو اسے یہ کہہ کر لوٹا دیا گیا کہ وہ یہاں نہیں ہے۔"

"اچھا۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔" آپ جانتے ہیں سیف' میں ابھی دو روز پہلے ہی امریکہ سے لوٹا ہوں اور مجھے یہیں آکر معلوم ہوا ہے کہ بابا جان نے شادی کر لی ہے۔میری خود ابھی تک خاتون بخت آور سے ملاقات نہیں ہوئی ورنہ میں اسی وقت آپ کو ان سے ملوا دیتا۔" ذرا دیر رک کر وہ پھر کہنے لگا۔" میں اس وقت بہت ضروری کام سے ملتان جا رہا ہوں۔واپسی پر انشاء اللہ آپ کو ان سے ملوا دوں گا۔پھر آپ خود ہی ان سے پوچھ لیجیے گا کہ۔"

"آپ کب تک واپس آجائیں گے؟۔" سیف بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"یہ تو کام پر منحصر ہے آج ہوگیا تو شام تک واپس آجاؤں گا۔ورنہ دو روز بعد تو میری واپسی یقینی ہے۔"

"پھر۔؟" سیف پُر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ کچھ دیر تک جانے کیا سوچتا رہا۔ پھر سیف کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"آپ ایسا کریں، کچھ دن انتظار کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خاتون بخت آور خود آپ کے پاس آئیں گی۔"

"خیال رہے ملک صاحب میری والدہ اس کی طرف سے بہت پریشان ہیں۔"

"یقیناً ہوں گی۔ جو صورتِ حال آپ نے بتائی ہے اس کے پیشِ نظر ان کی پریشانی بجا ہے۔ آپ پلیز انہیں میری طرف سے اطمینان دلا دیجیے کہ ان کی بیٹی جلد ہی ان کے پاس آئے گی۔"

"شکریہ۔" سیف کے انکساری سے کہنے پر ملک فیصل نے گرم جوشی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اسی وقت چوہدری ملک جمشید علی اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ حویلی سے باہر نکلے۔ فیصل کے ساتھ سیف کو کھڑے دیکھ کر لحہ بھر کو وہ ٹھٹک گئے، پھر فوراً ہی آتے ہوئے بولے۔

"فیصل پُتر۔ تو ’تو ملتان جا رہا تھا؟‘"

"جی بابا جان، بس ابھی جا رہا ہوں۔"

"السلام علیکم چوہدری صاحب۔" سیف کے سلام کو وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور ملک فیصل ان کی اس حرکت پر انتہائی خجالت محسوس کرتے ہوئے سیف سے نظریں چرا کر انہیں جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

کچھ دور جا کر چوہدری صاحب رک گئے اور اپنے آدمیوں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کرنے لگے۔ سیف کی ان کی طرف پیٹھ تھی۔ جبکہ فیصل ان کی اک ایک حرکت دیکھ رہا تھا جس طرح وہ سیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اس سے ملک فیصل کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس کی گرفت آپ ہی آپ سیف کے ہاتھوں پر مضبوط ہو گئی۔ اور وہ چوہدری صاحب کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔

پھر جیسے ہی چوہدری صاحب اپنی جیپ میں سوار ہو کر چلے گئے۔ تب وہ طویل سانس لیتا ہوا سیف کی طرف متوجہ ہوا اور سیف جو یہ سمجھ رہا تھا کہ ملک فیصل اپنے باپ کی بد اخلاقی کی وجہ سے اس سے نظریں چرائے کھڑا ہے تو اس کے متوجہ ہوتے ہی وہ اس کی شرمندگی کم کرنے

اسی غرض سے اپنے لہجے کو خوشگوار بناتا ہوا بولا۔

"تو پھر ملک صاحب مجھے اجازت دیجیے۔" جواب دینے کے بجائے ملک فیصل سوچنے لگا کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے درندے یقیناً راستے میں کہیں اس بے ضرر شخص کی تاک میں بیٹھے ہوں گے تو کیا وہ جانتے بوجھتے اسے ان کے حوالے کر دے۔

"ملک صاحب’ آپ کیا سوچنے لگے؟" سیف کے پوچھنے پر وہ چونک گیا۔

"آں۔۔ کچھ نہیں۔" پھر ذرا توقف سے بولا۔" سیف اگر آپ کو یہاں کوئی خاص کام نہ ہو تو میرے ساتھ ملتان چلیں۔"

"خاص کام تو یہ ہی تھا جسے کرنے کا آپ نے یقین دلا دیا ہے۔ اب گھر جا کر اپنی والدہ کو آپ کی طرف سے اطمینان دلاؤں گا۔ پھر مجھے لاہور جانا ہے۔"

"چلیے پھر میں آپ کو ملتان چھوڑ دوں گا۔"

"مجھے آپ کے ساتھ جانے پر اعتراض نہیں لیکن میری وجہ سے آپ کو دیر ہو جائے گی اس لیے کہ مجھے ابھی گھر بھی جانا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، مجھے ایسی کوئی خاص جلدی نہیں۔ میں تو یہ چاہ رہا تھا کہ آپ کے ساتھ سفر ذرا خوشگوار ماحول میں کٹ جائے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی’ آپ کچھ دیر انتظار کریں تو میں گھر اطلاع کر آؤں؟"

"ارے نہیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں آیئے۔"

ملک فیصل نے مزید اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جیپ میں آ بیٹھا۔

ملک فیصل کی وجہ سے سیف اماں کے پاس بس کچھ دیر ہی رکا۔ اس دوران وہ اماں کے ہر سوال کے جواب میں بس یہ ہی کہتا رہا۔" اماں فکر نہ کریں۔ بخت کچھ دن میں آپ کے پاس آئے گی۔" مامتا کی ماری اماں پتا نہیں مطمئن ہوئیں یا نہیں۔ وہ بہت جلد انہیں خدا حافظ کہہ کر دوبارہ ملک فیصل کی جیپ میں آ بیٹھا۔

گاؤں کی حدود سے نکلتے ہی ملک فیصل نے قدرے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سوچا "تو کیا بابا جان کا انتقامی جنون اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ راستے میں آنے والے ہر شخص کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر بیٹھے ہیں۔ نہیں میں کسی بے گناہ قیمتی جان کو بابا جان کے ذاتی

انتقام کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا۔ اب گاؤں کے ہر فرد کا تحفظ میری ذمہ داری ہی نہیں' میرا فرض بھی ہے۔ اور میں اس فرض کی ادائیگی میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔'' اس نے اپنے آپ سے عہد کیا۔

''ملک فیصل آپ کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا حق تو نہیں ہے لیکن۔''

''سیف۔ میرا خیال ہے یار' اب ہمیں اس آپ جناب کے تکلف سے نکل جانا چاہیے۔'' ملک فیصل اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ ''ہاں اب کہو بلکہ بلا جھجک پوچھو' کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''آپ۔''

''اوں ہوں۔'' ملک فیصل نے انگلی اُٹھا کر تنبیہی اشارہ کیا تو سیف ہنس پڑا۔

''سوری یار۔ میرا مطلب ہے تم۔ ہاں تم کچھ پریشان سے لگتے ہو؟''

''نہیں۔ پریشان تو نہیں ہوں۔ بس جس جگری دوست سے ملنے جا رہا ہوں' وہ کچھ ناراض ہے۔ میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اور اسے سوچتے ہوئے اگر میرے چہرے پر پریشانی ٹپک رہی ہے تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ وہ چیز ہی ایسی ہے کہ اس کا خیال ہی پریشان کر دیتا ہے۔'' ملک فیصل لہجے میں بشاشت پیدا کرتا ہوا بات کو مزاح کا رنگ دیتا ہوا بولا۔

''ہاں۔ جگری یار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خوش رہیں تو بات بے بات کھلکھلانے کو جی چاہتا ہے اور اگر خفا ہو جائیں تو پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔'' ملک فیصل سر ہلا کر رہ گیا۔ اصل میں وہ مزید اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہیں کوئی غلط بات اس کے منہ سے نہ نکل جائے۔

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ملک فیصل کا ذہن اب ابا جان سے ہٹ کر قیس کے بارے میں سوچنے لگا۔ گو کہ اسے یقین تھا کہ قیس اس سے شکایت نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی اسے الزام دے گا۔ پھر بھی وہ اپنے آپ میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ اس سے ملنا اور اس کے خیالات جاننا ناگزیر تھے۔ اس لیے وہ ساری باتیں نظر انداز کر کے اس کے پاس جا رہا تھا۔ اس نے سوچا اگر قیس نے بخت کو اپنانے سے انکار کر دیا' تب بھی اس کو حویلی سے نکالنا ناگزیر ہو گیا ہے کیونکہ اب وہ سیف سے وعدہ کر چکا ہے۔ وہ اپنی سوچوں میں

اتنا الجھا ہوا تھا کہ سن ہی نہ سکا کہ سیف کیا کہہ رہا ہے۔ وہ تو جب سیف نے اسٹیرنگ پر رکھے اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ تب وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور اس کا یوں چونک کر سیف کی طرف دیکھنا غضب ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی گاڑی سامنے سے آتی ہوئی ویگن سے جا ٹکرائی۔



چوہدری ملک جمشید علی اپنی زمینوں کا چکر لگا کر دوپہر کے قریب واپس حویلی آئے تو ان کے آدمی پہلے سے وہاں موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی چوہدری صاحب پوچھنے لگے۔

''سب ٹھیک ہو گیا؟''

''کیا مطلب؟''

''وڈے سائیں۔ ہم تو اس وقت سے اس کی راہ دیکھ رہے ہیں پر جی وہ تو پلٹ کر آیا ہی نہیں۔''

''کہاں چلا گیا؟''

''خبر نہیں جی۔ اور جی اب تو ہم گاؤں کا چپہ چپہ چھان آئے ہیں پر وہ کہیں ملا ہی نہیں۔''

''زمین کھا گئی اسے یا آسمان۔'' چوہدری صاحب دھاڑے۔ ''اوئے میں پوچھتا ہوں کہیں تم لوگ اندھے تو نہیں ہو گئے ہو۔''

''وڈے سائیں۔'' چوہدری صاحب کے چلانے پر حیات محمد ہاتھ جوڑتا ہوا سہم کر بولا۔ ''وہ یہاں سے واپس نہیں گیا۔ اگر جاتا تو ہر راستے پر ہمارے آدمی موجود تھے۔ کسی نہ کسی کے ہتھے ضرور چڑھتا۔'' حیات محمد کی بات چوہدری صاحب کے دل کو لگی۔ اس لیے کہ وہ کچھ دیر تک' خاموشی سے کھڑے سوچتے رہے۔

ان کے دماغ میں صرف دو باتیں سما رہی تھیں کہ یا تو وہ ملک فیصل کے ساتھ چلا گیا ہے یا پھر فیصل نے اسے بخت آور کے پاس پہنچا دیا ہے۔ تیسری کوئی بات ان کا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔ اس لیے کہ اپنے آدمیوں پر انہیں پورا بھروسا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سب ہر وقت ان کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں اور ان کی حکم عدولی کا انجام بھی سب اچھی طرح جانتے تھے۔۔ انہوں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے بغیر حرکت کیے نظروں کا زاویہ بدل بدل کر سب کو دیکھا۔ وہ وہ

سب سر جھکائے' ان کے کسی نئے حکم کے منتظر تھے۔

''حیات محمد۔''

چوہدری صاحب کی آواز نے انہیں مزید مستعد کر دیا۔

''پتا کر کہیں وہ ملک فیصل کے ساتھ تو نہیں گیا؟''

''جی وڈے سائیں۔'' حیات محمد فوراً انہیں سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

''وڈے سائیں۔ ہمارے لیے کیا حکم ہے۔''

''اوئے فی الحال تم سب یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔'' اپنی بات کہہ کر چوہدری صاحب چھوٹی حویلی کی طرف چلے گئے۔

انہیں دوپہر کو آتے دیکھ کر بخت آور کو قدرے حیرت ہوئی اس لیے کہ وہ ہمیشہ شام کے وقت آیا کرتے تھے لیکن اس نے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

''کیسی ہے تو بخت آور؟'' خلاف معمول ان کا لہجہ قدرے نرم اور خوشگوار تھا۔

''ٹھیک ہوں چوہدری صاحب۔'' وہی ہمیشہ والا منافقانہ جواب۔

''کیا کر رہی تھی؟''

''کچھ نہیں۔''

''کھانا کھا لیا؟''

''نہیں۔''

''میں نے بھی نہیں کھایا۔ چل پہلے کھانا کھا لیں۔''

یہ مہربانی اس کی حیرت میں مزید اضافہ کر رہی تھی لیکن وہ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے چپ چاپ ان کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھی۔

جب سے وہ یہاں آئی تھی' تب سے اسے کھانے میں کسی کا ساتھ نصیب نہیں ہوا تھا۔ آج چوہدری صاحب نے اس کا ساتھ دے کر گویا اس پر احسان کر دیا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر چوہدری صاحب عام انسانوں کی طرح ہوتے تو وہ مقدر کا لکھا سمجھ کر ان کی ہمراہی میں زندگی تمام کر دیتی لیکن مشکل یہ تھی کہ چوہدری صاحب کا کوئی عمل بھی اسے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ نہیں کر پاتا تھا۔

''بخت آور۔ ان کے پکارنے پر وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے تو کھانا نہیں کھا رہی؟''

''کھا رہی ہوں جی۔'' وہ جلدی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

کھانے کے بعد چوہدری صاحب کہنے لگے۔ ''تو اگر اس وقت سونا چاہتی ہے تو میں چلا جاؤں۔''

''نہیں چوہدری صاحب' میں اس وقت نہیں سوتی۔''

''اچھا۔ آ میرے ساتھ۔'' وہ اسے لیے ہوئے بڑے ہال کمرے میں آ گئے۔

اس کا خیال تھا وہ آج پھر اسے کسی مجسمے کے پاس کھڑا کر کے اس کے ساتھ اس کا موازنہ کریں گے۔ لیکن انہوں نے ایسا کچھ بھی نہ کیا۔ اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی اپنے پاس بٹھا لیا۔

''بخت آور' تجھے گھر والے یاد تو آتے ہوں گے۔؟'' میرے خدا آج یہ کیسی انہونیاں ہو رہی ہیں۔ وہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''تو نے جواب نہیں دیا۔''

''جی یاد آتے ہیں۔'' وہ بہت آہستہ سے بولی۔

''کون کون یاد آتا ہے؟''

''سب۔ سب یاد آتے ہیں۔ اماں' ابا جی' توصیف لالا' بھرجائی زینت اور سیف۔'' وہ ایک جذب کے عالم میں سب کا نام لیے گئی۔

''تیرا دل کرتا ہے وہاں جانے کو۔؟'' فوری طور پر وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ بس چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگے۔

''آج تیرا بھائی سیف آیا تھا۔''

''سیف آیا تھا کب؟'' اس کے اندر جیسے نئی روح ڈال دی گئی ہو۔ وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

''صبح آیا تھا' تیرے پاس نہیں ایا'' چوہدری صاحب حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یوں پوچھنے لگے جیسے وہ اکثر یہاں آتا رہا ہو اور آج نہ آیا ہو۔

''نہیں تو چوہدری صاحب' وہ میرے پاس تو نہیں آیا۔'' وہ یوں بولی جیسے ابھی رو پڑے گی۔

"اچھا" انہوں نے مزید حیرت کا اظہار کیا۔ "میں نے فیصل سے کہہ دیا تھا کہ اسے تیرے پاس لے آئے۔ پھر پتا نہیں دونوں کس طرف نکل گئے۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ تجھ سے مل کر گیا ہوگا۔"

وہ کیا کہتی' خاموشی سے سر جھکا کر رہ گئی۔ چوہدری صاحب کچھ دیر تک گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہی' تب وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"چوہدری صاحب' اب آپ خود سیف کو لے کر آیئے گا۔" ان کے نرم رویے نے اس کے اندر تھوڑا حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔

"اچھا' آئے گا تو لے آؤں گا۔"

اس کے لیے یہی بہت تھا کہ انہوں نے حامی بھر لی تھی۔ وہ بہت خوشی سے انہیں چھوڑنے برآمدے تک آئی۔

ان کے جانے کے بعد وہ ستون کے سہارے کھڑے ہوتے ہوئے اپنے آپ سے بولی۔ "کیا میرے ساتھ کوئی معجزہ ہونے والا ہے۔ کیا واقعی چوہدری صاحب سیف کو لے آئیں گے۔"

سیف کے ساتھ ہی اسے ایک ایک کر کے سب یاد آنے لگے۔ کتنی دیر تک وہ خوش کن تصورات میں گھری رہی' جہاں سب اس کے اپنے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ پلک جھپکتے میں ان اونچی اونچی دیواروں کو پھلانگتی ہوئی اپنے بابل کے آنگن میں جا کھڑی ہو۔ جس کی سوندھی سوندھی مہک اب بھی اسے اپنے آس پاس کہیں محسوس ہوتی تھی۔ جہاں بیٹھ کر اپنی ہمجولیوں کے ساتھ اس نے بے شمار گھروندے بنائے تھے اور جہاں ان کے قہقہوں کے ساتھ بھاگ بھری سے یہ گیت سنا کرتی تھی۔

ساڈا چڑیاں دا چمبا وے بابل اساں اُڈ جانا
ساڈی لمبی اڈاری وے بابل کیہڑے دیس جانا

بھاگ بھری کبھی تو بہت لہک لہک کر گاتی تھی اور کبھی آپ ہی آپ اس کی آواز میں درد سمٹ آتا۔ جسے محسوس کر کے وہ سب اداس ہو جاتی تھیں۔ گزرے دنوں کی یادیں اسے بے طرح اداس کر گئیں۔ اس کی آنکھوں کا نمکین پانی ایک دم پلکوں کی سرحدیں پار کر آیا۔ کس قدر ارزاں ہو گئے تھے اس کے آنسو کہ انہیں سمیٹنا تو دور کی بات' دیکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ اس نے سوچا وہ سب بھی شاید اسی طرح مجھے یاد کرتی ہوں گی۔ اور روزانہ اماں کے پاس آ کر پوچھتی ہوں گی۔

"اماں۔ بخت آور نہیں آئی؟ کب آئے گی وہ؟" اور بیچاری اماں وہ تو خود ہر ایک سے یہی سوال کرتی ہوں گی۔ ان کی آنکھیں اس کی راہ دیکھ دیکھ کر پتھرانے لگی ہوں گی۔

اچانک اسے جھونپڑی میں رہنے والی ماسی بشیراں یاد آئیں جنہوں نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے بے ساختہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

"ہائے اڑی' بخت آور! کیسا نصیب لے کر پیدا ہوئی ہے تو؟"

"ماسی بشیراں۔ اس نے وہیں بیٹھتے ہوئے گھٹنوں کے گرد یوں بازو لپیٹ لیے جیسے اپنے وجود کو خود پناہ دے رہی ہو۔" ماسی بشیراں' کیا میرے نصیب میں لکھے یہی تنہائیوں کے ناگ تم نے میری ہتھیلیوں پر رینگتے دیکھ لیے تھے جو تم نے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا تھا۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا کہ میں قفس میں مقید ہونے جا رہی ہوں۔" ستون سے سر ٹیکتے ہوئے وہ اپنے آپ سے بولی۔

ماسی بشیراں' اگر بتا بھی دیتی تو میں کیا کر لیتی۔ بے بال و پر کے پنچھی کہاں اڑ سکتے ہیں بھلا۔ وہ تو اسیری کو مقدر جان کر آپ ہی آپ قفس میں آ سماتے ہیں۔ اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے تھے۔ جنہیں ہتھیلیوں سے صاف کرتے ہوئے وہ سامنے دیکھنے لگی۔ سنہری دھوپ اونچی دیوار کی آخری حدوں پر پہنچ چکی تھی۔ ایک اور دن اختتام پر تھا لیکن یہ گزرتا دن اسے آنے والے کل کے بارے میں تھوڑا سا پر امید کر گیا تھا۔ چوہدری صاحب کا نرم رویہ اور سیف کی آمد۔ لیکن سیف مجھ سے ملے بغیر کیوں چلا گیا؟ وہ ایک بار پھر اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ چوہدری صاحب کے کہنے کے باوجود وہ میرے پاس کیوں نہیں آیا؟ ایسا کون سا کام آ پڑا تھا اسے جو وہ میرے در تک آ کر لوٹ گیا' کیا اس کی محبتیں صرف اسی گھر تک محدود تھیں۔ سیف اور کچھ نہیں تو آ کر میری حرماں نصیبی ہی دیکھ لیتے۔ یہ بھی نہیں کر سکتے تھے تو مجھے ہی اپنی صورت

دیکھ لینے دیتے۔ تم کیا جانو' کتنا ترستی ہوں میں تم سب کو دیکھنے کے لئے۔'' اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ آنکھیں ایک بار پھر چھلکنے کو بے تاب ہو گئیں تو وہ پیشانی گھٹنوں پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جانے کتنی دیر ہو گئی تھی اسے یوں روتے ہوئے کہ ندا نے دبے پاؤں آ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''چھوٹی ماں۔ اس طرح کیوں رو رہی ہیں؟۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ سر اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''دیکھو دو وقت مل رہے ہیں۔ یوں دہلیز پر بیٹھ کر نہیں روتے۔ آؤ' اندر چلو۔'' ندا اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی تو وہ کوئی مزاحمت کیے بغیر اٹھ کر اس کے ساتھ اندر آ گئی۔

اسے مسہری پر بٹھا کر ندا نے پہلے تمام بتیاں جلائیں۔ پھر اس کے لیے پانی لے آئی۔ پانی پی کر وہ قدرے پرسکون ہو گئی۔ تب ندا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

''ندا۔ تمہیں اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''کیوں؟۔''

''آج چوہدری صاحب بہت دیر تک یہاں رہے ہیں اور ابھی شام سے ذرا پہلے ہی تو گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پھر آ جائیں۔''

''ابا ابھی کچھ دیر پہلے ملتان گئے ہیں اور میں اپنا پورا اطمینان کر کے یہاں آئی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔''

''لیکن انہوں نے مجھ سے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔''

''کیا پہلے کہیں جاتے ہوئے وہ تمہیں بتا کر جاتے ہیں؟۔''

''ہاں۔ اکثر وہ کہیں جانے سے پہلے میرے پاس کھڑے کھڑے ضرور آتے ہیں۔''

''اچھا۔ خیر چھوڑو۔ اس وقت وہ نہ صرف بہت عجلت میں گئے ہیں بلکہ جاتے ہوئے کچھ پریشان بھی لگ رہے تھے۔ اور میرا خیال ہے پہلے سے ان کا کوئی پروگرام نہیں۔ جبھی انہوں نے تم سے ذکر نہیں کیا۔''

اس کے پاس پھر خاموشی کے سوا چارہ نہیں تھا۔ ندا کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کی متورم آنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے اپنے رونے کا سبب نہیں بتاؤ گی' کیا بابا جان نے کچھ کہہ دیا ہے۔؟''

''نہیں۔ بس یونہی دل بھر آیا تھا تو میں رونے لگی۔''

''اچھا۔'' ندا خوامخواہ ہنس پڑی پھر اس کا ہاتھ دباتی ہوئی کہنے لگی۔'' اب تمہیں رونا نہیں چاہیے بلکہ یہاں سے رہائی کا تصور کر کے مسکراتے ہوئے رہنا چاہیے۔''

''اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے۔'' وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔

''مایوسی کی باتیں مت کرو چھوٹی ماں' فیصل بھائی نے وعدہ کیا ہے کہ وہ بہت جلد تمہیں اس قید سے نجات دلائیں گے۔''

''تم نے کیا کہا تھا ملک فیصل سے؟۔''

''میں نے انہیں ساری بات کہہ سنائی۔''

''پھر۔؟۔''

''پہلے تو وہ مجھ پر ناراض ہونے لگے کہ میں چھوٹی حویلی کیوں گئی۔ پھر صبح انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہیں یہاں سے نکالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔''

وہ کچھ دیر سر جھکائے نہ جانے کیا سوچتی رہی؟۔ پھر ندا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ملک فیصل اس سلسلے میں کیا کریں گے؟۔''

''میں نہیں جانتی اور نہ ہی انہوں نے بتایا ہے۔ اور چھوٹی ماں' تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ سب ہم پر چھوڑ دو۔ یہ ہمارا مسئلہ ہے کہ ہم تمہیں یہاں سے کیسے لے جاتے ہیں اور کہاں لے جاتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟۔ کیا میں اپنے گھر نہیں جاؤں گی۔؟ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''فی الحال میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس تم اپنے اندر تھوڑا حوصلہ پیدا کرو اور اپنے آپ کو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رکھو فیصل بھائی جیسے ہی ملتان سے آئیں گے' وہ تمہارے پاس ضرور آئیں گے۔''

''ملک فیصل ملتان گئے ہیں؟۔'' وہ چونک کر پوچھنے لگے۔

''ہاں۔''

''کب؟۔''

’’آج صبح۔‘‘

اس کا ذہن الجھنے لگا۔ ’’اگر ملک فیصل ملتان گیا ہے تو پھر سیف۔؟ وہ کب آیا تھا یہاں؟۔ وہ خود میرے پاس نہیں آیا۔ یا ملک فیصل نے اسے نہیں آنے دیا۔‘‘ وہ ایک دم بہت سارے سوالوں کی زد میں آ گئی۔

’’چھوٹی ماں، تم کیا سوچنے لگیں؟‘‘ اسے گم صم دیکھ کر ندا پوچھنے لگی۔

’’ندا۔ ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہیں معلوم ہے آج میرا بھائی سیف آیا تھا؟‘‘

’’تمہارے پاس؟‘‘

’’نہیں میرے پاس نہیں۔ شاید وہ بڑی حویلی آیا تھا۔‘‘

’’تمہیں کیسے معلوم ہوا؟‘‘

’’چوہدری صاحب بتا رہے تھے۔ ان کا کہنا ہے انہوں نے ملک فیصل سے کہا تھا کہ وہ سیف کو میرے پاس لے آئے لیکن۔‘‘ وہ خاموش ہو گئی۔

’’تم نے بابا جان کی بات کا یقین کر لیا؟‘‘

’’دیکھو چھوٹی ماں یہاں تک تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا بھائی آیا ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ بابا جان نے اسے یہاں آنے کے لیے کہا ہو۔‘‘

’’پھر چوہدری صاحب نے مجھ سے غلط بیانی کیوں کی؟‘‘ ندا صرف کندھے اچکا کر رہ گئی۔

’’پتا ہے ندا، میں اس وقت سے یہ سوچ کر رو رہی تھی کہ سیف یہاں تک آیا اور مجھ سے ملے بغیر چلا گیا۔‘‘

’’بیوقوف ہو تم۔‘‘ پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتی ہوئی بولی۔ ’’آؤ لان میں چلیں۔ آج کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آج میں تم سے ڈھیر ساری باتیں کروں گی۔ پھر جانے کبھی ملاقات ہو بھی یا نہیں۔‘‘

’’ندا۔ تم میرے لیے یہ سب کیوں کر رہی ہو؟‘‘ وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی پوچھنے لگی۔

’’اس لیے کہ تم مجھے اچھی لگتی ہو۔‘‘

’’اور وہ لڑکی۔ وہ بھی تو یقیناً مجھ جیسی ہو گی جو مجھ سے پہلے یہاں آئی تھی یا لائی گئی تھی۔‘‘

’’اس وقت میں بہت چھوٹی تھی چھوٹی ماں، ہاں اب میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ تمہارے

بعد میں یہاں کسی اور کو نہیں آنے دوں گی۔‘‘ وہ اتنے یقین اور عزم سے بولی کہ وہ قدم روک کر کتنی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی کہنے لگی۔

’’کبھی کبھی میں سوچتی ہوں ندا کہ تم اور ملک فیصل اپنے بابا جان سے اتنے مختلف کیوں ہو؟ پھر مجھے خیال آتا ہے۔ شاید تمہاری والدہ نیک دل خاتون ہیں جن کی تربیت نے تمہیں انسانیت کا درجہ دے کر اچھا انسان بنا دیا ہے۔‘‘

’’تم ٹھیک سمجھیں چھوٹی ماں۔ میری والدہ بہت نیک دل اور نرم مزاج خاتون ہیں اور ہماری تربیت میں ان ہی کا زیادہ ہاتھ ہے۔ اگر وہ بھی بابا جان کی طرح ہوتیں تو اس وقت میں تمہارے پاس ہونے کے بجائے اطمینان سے اپنے گھر بیٹھ کر اس وقت کا انتظار کرتی جب تم ہر طرف سے مایوس ہو کر دیواروں سے ٹکراؤ۔‘‘

’’ندا پلیز۔‘‘ اسے جھرجھری سی آ گئی۔ ’’ایسی خوفناک باتیں تو نہ کرو۔ ابھی مجھے کچھ دن اور یہاں رہنا ہے۔‘‘

ندا ہنستی ہوئی اس کے ساتھ ہری ہری گھاس پر بیٹھ گئی۔

وسط اکتوبر کی رات تھی۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی سمٹ آئی تھی۔ درمیانی تاریخوں کا چاند پوری آب و تاب سے جلوہ افروز تھا۔ جس کی ٹھنڈی چاندنی ہر شے کو انوکھا نکھار بخش رہی تھی۔ شاید یہ ماحول کی خوبصورتی کا اثر تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے ساری فکروں سے آزاد ہو کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔

نصف شب بیت چکی تھی اور انہیں اپنی باتوں میں احساس ہی نہیں ہوا تھا جب ٹھنڈک ان کے وجود میں سرایت کرنے لگی۔ تب وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

’’میرا خیال ہے چھوٹی ماں، اب میں چلتی ہوں۔‘‘

’’ندا۔ آج جب کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے تو یہیں رک جاؤ۔ صبح چلی جانا۔‘‘

’’خطرہ آتے کتنی دیر لگتی ہے۔‘‘ اس کا اشارہ اپنے بابا جان کی طرف تھا۔ اس لیے اپنی بات پر وہ خود ہی ہنس پڑی۔

’’اگر ایسی بات ہے تب پھر میں تمہیں نہیں روکوں گی۔‘‘

’’اچھا۔ شب بخیر۔ اب میرا نہیں فیصل بھائی کا انتظار کرنا۔‘‘ اس کے ساتھ ہی وہ اس واپس پلٹ گئی۔

"ندا۔ تمہارا خلوص اور تمہاری محبت مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔"

"اور میں؟"

"تم تو دل میں آن بسی ہو میری جان۔" وہ اس کی پیشانی چومتی ہوئی اتنے پیار سے بولی کہ ندا کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ تب وہ جلدی سے اسے دوبارہ شب بخیر کہتی ہوئی تیز تیز قدم اٹھاتی پچھلے دروازے کی طرف چلی گئی۔ جبکہ وہ کتنی دیر تک وہیں کھڑی اس کے نقش پا دیکھتی رہی۔



جس وقت سیف ہوش میں آیا' وہ نشتر ہاسپٹل میں تھا۔ فوری طور پر وہ سمجھ نہیں سکا کہ وہ کہاں ہے۔ اور یہاں تک کیسے آیا۔ کچھ دیر تک وہ یوں ہی سیدھا لیٹا چھت پر نظریں مرکوز کیے سوچتا رہا۔ پھر جیسے ہی اسے یاد آیا کہ وہ ملک فیصل کے ساتھ آ رہا تھا تو وہ فوراً اپنی جگہ پہ اٹھ بیٹھا۔ اسے زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ پیشانی پہ معمولی سا زخم تھا۔ جس پر پٹی بندھی تھی اور بایاں بازو پٹیوں کی قید میں تھا۔ اپنی طرف سے اطمینان ہوتے ہی اسے ملک فیصل کا خیال آیا۔

وہ فوراً بیڈ سے نیچے اتر گیا۔ اور ملک فیصل کے بارے میں جاننے کے لیے کمرے سے نکل کر راہداری میں آ گیا۔ سامنے سے ایک نرس آ رہی تھی۔ وہ وہیں کھڑا ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

جیسے ہی نرس قریب آئی' وہ اسے روک کر پوچھنے لگا۔

"سسٹر! ویگن اور جیپ کا جو ایکسیڈنٹ ہوا ہے کیا اس کے سب زخمی یہاں ہی لائے گئے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"میرے ساتھ میرا ایک دوست تھا جو جیپ ڈرائیور کر رہا تھا۔ ملک فیصل نام ہے اس کا۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کہاں ہے؟"

سسٹر کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی پھر راہداری کے آخری سرے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"آپ وہاں سے بائیں ہاتھ چلے جائیں۔ تیسرے نمبر پر جو کمرہ ہے وہاں ملک فیصل ہیں۔" پھر ذرا توقف سے بولی۔ آپ چوہدری ملک جمشید علی کے بیٹے کی بات کر رہے ہیں

"جی۔ جی ہاں۔"

"ہاں۔ وہ وہیں ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ویسے ملک فیصل ٹھیک تو ہیں ناں۔"

"ان کی چوٹیں شدید ہیں اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے۔"

"کیا کوئی سیریس!" اس کی بات کاٹ کر وہ بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"سیریس تھا ویسے اب خطرے سے باہر ہیں۔ وہ بھی ابھی ہوش میں آئے ہیں۔ آپ اگر ان سے ملنا چاہتے ہیں تو فوراً مل لیں۔ ہو سکتا ہے' انہیں دوبارہ نیند کا انجکشن لگانا پڑے۔"

"شکریہ۔" وہ فوراً ملک فیصل کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی بیڈ پر ملک فیصل لیٹا تھا۔ اس کی رنگت زردی مائل ہو رہی تھی۔ پورا سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر دروازے کے پاس رک کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اس کے بیڈ کے پاس آ کر رک گیا۔

"ملک فیصل۔" اس کے پکارنے پر فیصل نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

"کیسے ہیں آپ؟" جواب میں وہ ہلکے سے مسکرایا پھر پوچھنے لگا۔

"تم تو ٹھیک ہو ناں سیف؟"

"تمہارے سامنے ہوں۔"

"ہاں۔ اللہ کا شکر ہے تمہیں زیادہ چوٹیں نہیں آئیں۔ ورنہ میں تمہارا مجرم ٹھہرتا۔"

"کیوں تم نے جان بوجھ کر تو جیپ نہیں ٹکرائی تھی۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ چوہدری صاحب کو اطلاع کر دوں؟"

"نہیں۔" ملک فیصل ایک دم بول پڑا۔

"کیوں۔ کیا تم گھر والوں کو اطلاع نہیں دو گے؟"

"نہیں میرا مطلب ہے یہاں کافی ڈاکٹرز میرے جاننے والے ہیں' وہ میرے گھر اطلاع کر دیں گے۔" ملک فیصل بات سنبھالتے ہوئے بولا لیکن جس سختی سے اس نے نہیں کہا تھا اس سے سیف چونک ضرور گیا تھا۔

"تم ابھی یہیں رہو گے یا لاہور جاؤ گے؟" اسے خاموش دیکھ کر فیصل پوچھنے لگا۔

''میں سوچ رہا ہوں واپس گاؤں چلا جاؤں۔''

''کیوں؟۔''

''کچھ دن آرام کرنے کے بعد لاہور جاؤں گا۔''

''ملک فیصل کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا کہنے لگا۔

''سیف۔ تم ابھی گاؤں مت جاؤ۔''

سیف کچھ کہنے کے بجائے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم جاننا چاہو گے کہ میں تمہیں کیوں وہاں جانے سے منع کر رہا ہوں تو میرے دوست میں کوئی وجہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اسے تم میری مجبوری سمجھ لو۔ بس صرف اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہاں تمہارے لیے بہت خطرہ ہے۔ اگر میں تمہیں اپنے ساتھ لے آیا تھا تو صرف اس خطرے سے بچانے کی خاطر۔''

''ملک فیصل مجھے یا میری جان کو وہاں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟۔ میری یا میرے گھر والوں کی تو کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''بعض اوقات بنا کسی بات کے بھی لوگ دشمن بن جاتے ہیں۔ تمہیں نہ صرف آگاہ کرنا میرا فرض تھا بلکہ اب تمہیں وہاں جانے سے روکنا بھی میرا فرض ہے۔''

''لیکن ملک فیصل۔''

''پلیز سیف۔'' فیصل نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔'' فی الحال مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ وقت آنے پر تم خود سب کچھ جان جاؤ گے۔''

سیف کچھ الجھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جبکہ ملک فیصل نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''مجھ سے وعدہ کرو جب تک میں نہیں کہوں گا تم گاؤں نہیں جاؤ گے۔'' سیف نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر نہیں رکھا۔ یونہی خاموش نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''پلیز سیف' میری بات مان لو۔ یقین کرو میں بہت جلد تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔''

''تم نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔''

''یہ ساری الجھنیں بہت جلد دور ہو جائیں گی۔ بس تم مجھ سے وعدہ کرو۔ ملک فیصل اتنے

اصرار سے بولا کہ سیف نے اس کا ہاتھ تھام کر وعدہ کر لیا۔

''اور سنو' کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم میرے ساتھ آئے ہو۔''

''نہیں معلوم ہوگا۔''

''اور اب اس سے پہلے کہ میرے گھر سے کوئی آ جائے تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''تمہارے گھر اطلاع پہنچ چکی ہے۔''

''اطلاع پہنچتے کیا دیر لگتی ہے۔ بس اب تم جاؤ۔'' ملک فیصل نے اپنے ہاتھ سے اس کا ہاتھ آزاد کرتے ہوئے کہا۔ تو وہ مختلف اندیشوں اور بے شمار سوالات میں گھرا اس کے کمرے سے نکل آیا۔

وہ بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا لیکن اس کا ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ یونہی الجھتا ہوا وہ ہاسپٹل کی عمارت سے نکل آیا۔ اس کا خیال تھا اسے فوراً لاہور کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے لیکن ہاسٹل کی عمارت پر نظر پڑتے ہی اسے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ وہ سیدھا رومیلہ کے پاس آ گیا۔ اس کے ماتھے اور بازو پر پٹی بندھی دیکھ کر وہ چیخ پڑی۔

''سیف۔ یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟۔''

''ایکسیڈنٹ۔'' وہ مختصر جواب دیتا ہوا آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کب۔ کہاں۔؟۔''

''ابھی راستے میں آتے ہوئے؟۔''

''میرے خدا۔ کس چیز سے ٹکرائے ہو؟۔''

''صرف میں نہیں۔ جس گاڑی میں آ رہا تھا اس کی ایک ویگن سے ٹکر ہو گئی۔''

''کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟۔''

''پتا نہیں مجھے خود یہاں ہاسپٹل میں آ کر ہوش آیا ہے۔''

''تو تم یہاں کیوں چلے آئے؟۔ مجھے وہیں بلا لیتے۔''

''ڈاکٹر نے میری چھٹی کر دی ہے۔ لاہور جا رہا تھا۔ سوچا جانے سے پہلے تم سے ملتا چلوں۔''

''کیا؟۔'' وہ چیخ پڑی۔''اس حالت میں تم لاہور جاؤ گے؟۔''

''کیا ہوا میری حالت کو' ٹھیک تو ہوں۔ ایک تم ذرا سی بات کو خواہ مخواہ اتنی اہمیت دینے

لگتی ہو۔تم کیا چاہتی ہو' میں اس حالت میں گاؤں جا کر گھر والوں کو پریشان کروں۔معمولی سی چوٹ ہے۔ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔ہاں اگر تمہیں میرا یہاں آنا بُرا لگا ہے تو صاف صاف کہہ دو۔میں چلا جاتا ہوں۔'' وہ خواہ مخواہ تلخ ہو گیا۔

''سیف' جب تم یوں بنا کسی بات کے چڑ جاتے ہو یا تمہارے لہجے میں تلخی سمٹ آتی ہے تو میں جان جاتی ہوں کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپانا چاہتے ہو۔دیکھو' میں پہلے بھی تم سے کہہ چکی ہوں' اب پھر کہہ رہی ہوں کہ ہمارے درمیان اتنی انڈر اسٹینڈنگ تو ہو چکی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اپنے دکھ سکھ شیئر کر سکیں۔'' ذرا دیر رک کر وہ کہنے لگی۔''اپنے دل پر بوجھ مت ڈالو' کہہ دو سب کچھ۔''

''رومیلہ' میں بہت پریشان ہوں' میں بہت کچھ سوچنا چاہتا ہوں' سمجھنا چاہتا ہوں لیکن میرا ذہن جیسے مفلوج ہو گیا ہے۔کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''کیا سوچنا چاہتے ہو' میرا مطلب ہے کس کے بارے میں؟۔''

''پتا نہیں' میں نے کہا ناں' میرا ذہن کام نہیں کر رہا۔''

''تم شاید اپ سیٹ ہو رہے ہو' کچھ دیر آرام کرو۔میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں۔ کچھ کھانا پسند کرو گے؟۔'' وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

''ہاں کوئی ہلکی پھلکی چیز ہو تو۔''

''کچھ بسکٹس ہیں میرے پاس۔''

''وہی دے دو۔'' وہ الماری سے بسکٹ کے پیکٹ نکال کر اس کے پاس لے آئی۔

''تم یہ کھاؤ' میں ابھی دو منٹ میں چائے تیار کرتی ہوں۔'' اس کے ہاتھ میں پیکٹ تھما کر وہ الیکٹرک کیتلی پر چائے بنانے لگی۔

اس دوران وہ خاموش بیٹھا جانے کیا کیا سوچتا رہا۔

جلد ہی وہ اس کے لیے چائے لے آئی۔جسے اس کے ہاتھ سے لے کر وہ خاموشی سے پینے لگا۔اس کی آنکھوں میں اب بھی سوچ کی پرچھائیاں واضح طور پر نظر آ رہی تھیں۔رومیلہ چاہتی تھی کہ جو بات وہ سوچنا چاہ رہا ہے' سکون سے سوچ لے۔اسے یقین تھا جب وہ اپنی الجھن کو سلجھا لے گا' تب اس سے ضرور کہے گا اس لیے وہ اسے سکون سے سوچنے کا موقع دینے کی خاطر اس کے پاس سے ہٹ آئی اور الماری کھول کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے کوئی کام کر رہی

ہو۔

کافی دیر گزر گئی۔وہ ہنوز خاموش تھا اور وہ کھڑے کھڑے تھک گئی تھی۔تب وہ الماری بند کرتی ہوئی اس کی طرف گھوم گئی۔وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔لمحہ بھر کو وہ پریشان ہو گئی۔پھر بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر پوچھنے لگی۔

''سیف۔تم ٹھیک تو ہو نا؟۔''

''ہیں۔؟'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کب تک یوں اکیلے پریشان ہوتے ہو گے۔مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟۔'' وہ کچھ دیر تک خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔پھر اس کا ہاتھ تھام کر یوں بولا۔جیسے خواب میں بول رہا ہو۔

''رومیلہ۔کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے' مجھے لگتا ہے بخت کسی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے۔''



''کیا تم بخت سے ملے ہو؟۔'' رومیلہ پوچھنے لگی۔

''نہیں۔''

''پھر تمہیں یہ شبہ کیونکر ہوا کہ وہ مشکل میں ہے۔''

''شبہ نہیں مجھے یقین ہے۔''

''وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیوں؟۔''

وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

''میں نے گاؤں جاتے ہوئے تمہیں بتایا تھا ناں کہ جب سے بخت بیاہ کر گئی ہے' اسے کسی سے ملنے نہیں دیا جا رہا۔''

''ہاں۔''

''میں بھی اس سے ملنے کی غرض سے گیا تھا تو میری ملاقات ملک فیصل سے ہو گئی۔ وہ اس وقت ملتان آ رہا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ واپسی پر وہ نہ صرف مجھے بلکہ میرے گھر والوں کو بھی بخت سے ضرور ملائے گا۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ یہاں لے آیا۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے لیکن ابھی جب میں نے ملک فیصل سے کہا کہ میں واپس گاؤں جا رہا ہوں تو اس نے مجھے روک دیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ گاؤں میں میری جان کو خطرہ ہے۔ میں وہاں نہ جاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہاں مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔''

''ملک فیصل نے یہ بات یونہی نہیں کہی ہوگی سیف' کوئی بات ضرور ہوگی۔''

''ہاں بھئی' یہی گتھی تو میں سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو کسی طور سمجھنے ہی میں نہیں آ رہی۔ رہ رہ کر ذہن بخت کی طرف جاتا ہے کہ اگر میری جان کو خطرہ ہے تو یقیناً وہ بھی۔''

''ملک فیصل اب کہاں ہے؟۔''

''ہاسپٹل میں۔''

''تو تم ساری باتیں اسی سے کیوں نہیں معلوم کر لیتے۔ خود کیوں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے ہو؟۔''

''وہ کچھ بھی بتانے سے قاصر ہے۔''

''کیا مطلب؟۔''

''اس کا کہنا ہے کچھ انتظار کرو۔ وقت آنے پر سب جان جاؤ گے۔''

''کمال ہے۔'' وہ حیرت کا اظہار کرتی ہوئی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر کہنے لگی۔ ''کیا تم وقت کا انتظار کرو گے؟۔''

''ملک فیصل نے مجھے وعدے کی زنجیر میں جکڑ دیا ہے رومیلہ ورنہ میرا دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ ابھی بخت کے پاس پہنچ جاؤں اور دیکھوں کہ ظالموں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔''

''غصے میں یا جذبات میں کام خراب ہو سکتا ہے سیف' کیا خیال ہے اس مسئلے کو سنجیدگی سے سوچ کر نہ حل کیا جائے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے طویل سانس لیا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

کچھ دیر تک دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھے سوچتے رہے۔ سیف کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ جبکہ وہ ہر پہلو کو سامنے۔۔ رکھتے ہوئے بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ کافی دیر ہو گئی جب سیف نے ذرا سی گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ہی نقطے پر نظریں مرکوز کیے گہری سوچ میں بیٹھی تھی۔

''یار' تم تو ایسے سوچ رہی ہو جیسے کوئی عالمی مسئلہ درپیش ہو۔'' وہ ایک دم چونک کر سیدھی ہو گئی۔

''ہاں' کیا سوچا تم نے؟۔'' وہ اس کے متوجہ ہوتے ہی پوچھنے لگا۔

''پہلے تم بتاؤ۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''تو پھر میری بات سنو لیکن سنجیدگی اور صبر و سکوں شرط ہے۔''

''کہو' میں سن رہا ہوں۔''

''دیکھو سیف اگر ہم ملک فیصل کے کہنے میں آ کر وقت کا انتظار کرنے بیٹھ جائیں تو ایسا

نہ ہو کہ وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور ہمیں پچھتانے کا موقع بھی نہ ملے۔ اگر بات واقعی سیریس ہے تو ہمیں فوراً اسٹینڈ لینا چاہیے۔ لیکن ہم اس بات سے بھی نظریں نہیں چرا سکتے کہ ہمارے مقابل چوہدری ملک جمشید کی ذات ہے جو گاؤں والوں کی تقدیریں اپنے ہاتھوں رقم کرتا ہے اور ہم اتنے پاورفل بھی نہیں ہیں کہ اس کے خلاف کوئی کاروائی کر سکیں۔'' وہ کچھ دیر کو خاموش ہوئی تو وہ فوراً کہنے لگا۔

''یہاں تک تو میرا ذہن بھی کام کرتا ہے رومیلہ' اس سے آگے کہو۔''

''میں وہی کہنے جا رہی ہوں۔ دیکھو ملک فیصل نے اگر تمہارے لیے کسی خطرے کی نشاندہی کی ہے تو اس میں کہیں نہ کہیں حقیقت ضرورت ہوگی۔ ایسی صورت میں تمہارا وہاں جانا کسی طور مناسب نہیں ہے' اس لیے میں نے سوچا ہے کہ تمہارے بدلے میں وہاں جاؤں گی۔''

''نہیں رومیلہ' یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں؟۔ کیوں ممکن نہیں ہے؟۔''

''میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔''

''مشکل میں تو جب پڑوں گی جب تمہاری نمائندہ بن کر جاؤں گی۔''

''کیا مطلب؟۔''

''میں ندا جمشید علی کی دوست کی حیثیت سے یہاں سے سیدھی حویلی جاؤں گی۔''

''ندا کو تم نے دیکھا تک نہیں اور ۔۔'' وہ درمیان میں بول پڑا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے گاؤں جا کر اس بات کا اندازہ تو مجھے ہو گیا ہے کہ وہاں کے لوگ اپنے پرائے سب کے لیے دلوں میں بڑی وسعت رکھتے ہیں اور ندا اگر چوہدری صاحب کی بیٹی ہے' تب بھی مجھے یقین ہے کہ اس کا ضمیر اسی مٹی سے اٹھا ہے۔ جس میں محبتوں کی چاشنیاں رچی بسی ہیں۔ وہ مجھے نہیں پہچانے گی' تب بھی اپنے دروازے پر خوش آمدید ضرور کہے گی۔ اس کے بعد اس سے دوستی گانٹھنے اور اعتماد میں لینے میں کیا دیر لگے گی۔ بھلا۔''

''پھر بھی رومیلہ' میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔''

''رسک تو لینا پڑے گا۔''

''تو یہ رسک میں خود کیوں نہ لے لوں' ایک جان جانے ہی کا تو خطرہ ہے۔''

''تمہاری جان اتنی ارزاں نہیں ہے سیف اور پھر مجھے تو ایسا کوئی خطرہ بھی نہیں ہے۔ تم یہ کام مجھے کرنے دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں ندا سے بخت کے بارے میں معلوم کرتے ہی واپس آ جاؤں گی۔ اور اگر اس دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ کسی کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہے۔ تب بھی میں فوراً واپسی کر راہ لوں گی۔''

''پھر بھی رومیلہ۔''

''پلیز سیف مزید کچھ مت سوچو۔'' وہ جلدی سے بول پڑی۔

''تم جاؤ گی کیسے؟۔'' وہ ہار مانتا ہوا بولا۔

''بس سے۔'' ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔ ''تم ٹھہرو میں ڈیڈی کو فون کر آؤں۔ انہیں اپنے گاؤں جانے کے بارے میں بتا دیتی ہوں۔ ایسا نہ ہو میرے جانے کے بعد ان کا فون آ جائے۔'' وہ بس سر ہلا کر رہ گیا۔

''اور سنو' میرے آنے تک یہیں بیٹھے رہنا۔ میں بس ابھی آتی ہوں۔'' وہ جلدی سے کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

راہداری عبور کر کے وارڈن کے پاس آئی تو معلوم ہوا ٹیلی فون خراب پڑا ہے۔ وہ جھنجلاتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل آئی۔ پی۔ سی۔ او سے ڈیڈی کو فون کر کے وہ واپس آ رہی تھی۔ کہ چوہدری ملک جمشید علی کی جیپ کو ہاسپٹل کی عمارت میں داخل ہوتے دیکھ کر وہیں رک گئی۔ لمحہ بھر کو وہیں رک کر اس نے کچھ سوچا پھر تیز قدموں سے ان کے پیچھے چل پڑی۔

سیکنڈ فلور پر وہ کافی دیر تک بلا مقصد ادھر اُدھر چکر لگاتی رہی جب اسے یقین ہو گیا کہ چوہدری صاحب اپنے بیٹے سے حادثے کی تفصیلات سننے کے بعد اور ضروری باتیں بھی کر چکے ہوں گے۔ تب وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی بلا جھجک ملک فیصل کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اور لہجے کو پر اعتماد بناتی ہوئی' براہ راست چوہدری صاحب سے مخاطب ہوئی۔

''آپ ندا کے بابا جان ہیں؟۔'' انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں ندا کی دوست ہوں۔'' وہ پھر بولی۔ ''کچھ دیر پہلے یہاں سے گزرتے ہوئے میں نے آپ کو دیکھا تھا' ایک ضرور کام سے جا رہی تھی اس لیے فوراً آپ کے پاس نہ آ سکی۔ اب میں نے سوچا آپ سے ندا کے بارے میں پوچھ لوں' کب آئے گی وہ؟۔'' آخر میں وہ

معصومیت سے پوچھنے لگی۔

''ابھی تو اس کی چھٹیاں باقی ہیں' کچھ دنوں کے بعد آئے گی۔''

''ویسے بڑی بے مروت ہے آپ کی بیٹی' میں نے کہا تھا کہ میں اس کے ساتھ چلوں گی لیکن وہ مجھے لے کر نہیں گئی۔ اصل میں مجھے آپ کی حویلی دیکھنے کا بہت شوق ہے۔''

''اچھا اور یہ تمہیں ندا اپنے ساتھ کیوں لے کر کیوں نہیں گئی؟''۔

''پتا نہیں۔'' وہ یوں بولی جیسے اسے ندا کے ساتھ نہ جانے کا بہت دُکھ ہو۔

تو پتر دل چھوٹا کیوں کرتی ہو' میرے ساتھ چلو میں تمہیں ندا کے پاس چھوڑ دوں گا۔''

''کیا واقعی؟۔'' ان کی پیشکش پر وہ خوش ہو گئی۔

''ہاں ہاں۔''

''آپ کس وقت جائیں گے؟۔''

''ابھی کچھ دیر کے بعد۔''

''میں وارڈن سے کہہ کر آتی ہوں' پھر آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' پھر وہ ایک دم ملک فیصل کی طرف دیکھ کر۔۔۔ پوچھنے لگی۔ ''یہ کون ہیں؟۔''

''یہ ندا کا بھائی ہے۔''

''کیا ہوا ہے انہیں؟۔''

''ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

''میرے خدا۔ زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟۔''

''نہیں اللہ نے کرم کیا ہے۔''

اچھا' آپ رکیں' میں ابھی آتی ہوں۔'' چوہدری صاحب نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔

''سیف بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا' اسے دیکھتے ہی کہنے لگا۔

''اتنی دیر لگا دی' کہاں چلی گئی تھیں؟۔''

اپنے گاؤں جانے کا انتظام کر کے آئی ہوں۔''

''کیا مطلب؟۔''

''چوہدری ملک جمشید علی کے ساتھ جا رہی ہوں۔''

''کیا؟۔'' وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تو اس نے پوری تفصیل اسے کہہ سنائی۔

''رومیلہ' میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں تم سے کیا کہوں؟۔''

''کچھ مت کہو' بس جلدی سے یہاں سے نکل جاؤ اور دیکھو چوہدری صاحب کی جیپ باہر موجود ہے۔ ان کے کسی آدمی کی تم پر نظر نہ پڑے۔''

''میری فکر مت کرو' بس تم اپنا خیال رکھنا۔''

''اچھا خدا حافظ' پھر ملیں گے۔''

وہ اس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر جلدی جلدی بیگ میں اپنے کپڑے رکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ قدموں سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ بھی بیگ اٹھا کر چوہدری صاحب کے پاس آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی چوہدری صاحب کہنے لگے۔

''پتر ایک بات کا خیال رکھنا ندا یا گھر میں کسی اور کو خبر نہ ہو کہ فیصل اسپتال میں ہے۔''

''جی۔؟۔'' وہ بس اس قدر کہہ سکی۔

''ایسے خوامخواہ پریشان ہوں گے۔ ویسے بھی اب فیصل پتر ٹھیک ہے۔'' اپنی بات کی خود ہی وضاحت کر کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا فیصل پتر' اب میں چلتا ہوں۔ شام میں پھر آؤں گا۔ فکر مت کرنا۔ رات تیرے ہی پاس رہوں گا میں۔'' ''باباجان' آپ کو تکلیف ہو گی۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''نہ پتر' تکلیف کس بات کی۔ میں آ جاؤں گا۔ وہ اس کی پیشانی چھو کر رومیلہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

راستے بھر وہ آنے والی صورتحال سے نمٹنے کے بارے میں سوچتی رہی۔ اسے اپنے آپ پر اعتماد تو تھا۔ پھر بھی اندر ہی اندر کچھ خوفزدہ بھی تھی۔ زیادہ پریشانی اسے اس بات کی تھی کہ اسے دیکھ کر ندا کے انداز میں جو اجنبیت ہو گی۔ وہ یقیناً چوہدری صاحب کے لیے حیران کن ہو گی۔ لیکن اس کی یہ پریشانی اس وقت دور ہو گئی جب حویلی پہنچتے ہی چوہدری صاحب نے حیات محمد سے کہا۔

''اوئے حیات محمد' اس چھوکری کو اندر زنان خانے میں پہنچا دے۔ یہ اپنی ندا کی مہمان ہے۔''

وہ اطمینان کا سانس لیتی ہوئی حیات محمد کے ساتھ اندر چلی گئی۔زنان خانے سے باہر حیات محمد اسے چھوڑ کر واپس چلا گیا تو وہ مزید مطمئن ہو کر طویل راہداری عبور کرتی ہوئی اندر آ گئی۔بڑے سے دالان میں دھوپ پوری شدت سے اُتری ہوئی تھی، جب ہی کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی برآمدے میں آ کھڑی ہوئی اور ابھی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوچ ہی رہی تھی کہ اسے کس طرف جانا چاہیے کہ ایک کمرے سے نکلتی لڑکی دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ یہی ندا ہے۔

''سنو، تم ندا ہو ناں؟'' ندا کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ فوراً پوچھنے لگی۔

''جی ہاں اور آپ؟''

''میں روحیلہ ہوں، نشتر میڈیکل کالج میں تمہارے ساتھ ہی پڑھتی ہوں۔''

''اچھا۔کبھی دیکھا نہیں آپ کو؟''

''اب تو دیکھ لیا ہے؟ دراصل میں حویلی کو اندر سے دیکھنے کا شوق مجھے یہاں لے آیا۔''

''لیکن آپ یہاں آئیں کیسے؟''

''تمہارے بابا جان کے ساتھ۔''

''ان کے ساتھ۔؟'' ندا حیران ہوئی۔

میں یہیں کھڑے کھڑے سب باتیں جان لینا چاہتی ہو یا۔؟'' جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ اس طرح مسکرائی

تو ندا نادم ہوتی ہوئی فوراً کہنے لگی۔

''ارے نہیں، آیئے اندر آ جایئے۔''

''تھینک یو۔'' وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔بیگ قالین پر رکھ کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتی ہوئی وہ کہنے لگی۔

''اصل بات یہ ہے ندا، میں گاؤں کی زندگی پر مضمون لکھ رہی ہوں۔میں نے سوچا گاؤں کے لوگوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع تو مجھے مل جائے گا۔لیکن پتا نہیں اس حویلی کے اندر داخل ہونے کی اجازت ملے گی یا نہیں۔ملتان میں تمہارے بابا جان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ میں تمہاری دوست ہوں اور یہاں آنا چاہتی ہوں۔وہ مجھے تمہارے پاس لے آئے۔اگر تمہیں اعتراض ہو تو ابھی بتا دو، میں واپس چلی جاتی ہوں اور اگر اعتراض

نہیں ہے تو اپنے بابا جان کے استفسار پر بس اتنا کہہ دینا کہ میں واقعی تمہاری دوست ہوں۔'' وہ اطمینان سے بات ختم کر کے ندا کے تاثرات دیکھنے لگی۔

''مہمانوں کو مایوس لوٹا دینا ہماری روایت نہیں ہے رومیلہ، آپ اطمینان رکھیں میں بابا جان کو مطمئن کر دوں گی۔'' ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔'' آپ یہاں تک آ گئی ہیں تو اسے اپنا گھر سمجھیے۔اور جب تک دل چاہے یہاں رہیں۔''

''شکریہ۔''

''ارے نہیں، یہ تکلفات چھوڑیں، یہ بتایئے فوری طور پر کیا پینا پسند کریں گی؟''

''فوری طور پر تو میں نہانا پسند کروں گی۔اس کے بعد چائے۔''

''ایز یو لائک۔'' ندا اٹھتی ہوئی بولی۔''یہ ساتھ ہی باتھ روم ہے۔آپ ادھر چلی جائیں اور جب تک آپ نہانے سے فارغ ہوں، میں چائے کا کہنے کے ساتھ اپنی بی بی کو بتا دوں کہ ملتان سے میری دوست آئی ہے۔''

''ایک بار پھر شکریہ۔'' ندا نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔اور کمرے سے باہر نکل گئی تو وہ جلدی سے اپنے بیگ میں سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔

پھر چائے اس نے ندا کے ساتھ بڑی چوہدرانی جی کے کمرے میں بڑے خوشگوار ماحول میں پی۔بڑی چوہدرانی حقیقتاً بہت نیک دل خاتون تھیں۔ان کے پر شفقت لہجے پر اسے بار بار بخت کی اماں یاد آئیں۔اس نے سوچا کاش وہ ان کے پاس جا سکتی۔جس طرح چوہدری صاحب کے بعد ندا اور پھر بڑی چوہدرانی اتنی محبت سے اس سے ملیں۔کہ اس کا دل کسی طور یہ بات ماننے پر تیار نہیں ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان بخت کسی مشکل میں ہو سکتی ہے۔اس نے یہاں تک سوچا کہ ہو سکتا ہے سیف اور اس کے گھر والوں کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو۔اس نے یہ بھی سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ بخت نے چوہدری صاحب کے ساتھ شادی ہونے پر بطور احتجاج اپنے گھر والوں کے ساتھ کنارہ کشی اختیار کر لی ہو۔بہر حال کچھ بھی تھا۔وہ اصل حقیقت معلوم کرنے یہاں آئی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ اطمینان سے سو گئی۔شام میں اٹھی تو اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔منہ ہاتھ دھونے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی۔گہری ہوتی ہوئی شام میں تھوڑی سی خنکی سمٹ آئی تھی۔وہ برآمدے میں کھڑی ہو کر نظروں کا زاویہ بدل بدل کر پوری

حویلی کا جائزہ لینے لگی۔ اس کا دل چاہا' اچانک کسی دروازے سے بخت نکلتی ہوئی نظر آ جائے تو وہ ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر اس کے سینے سے جا لگے گی۔ اسی خواہش کے پیش نظر اس کی نظریں ایک کے بعد دوسرے دروازے پر بھٹکتی چلی گئیں۔

''رومیلہ' تم کب اٹھیں؟'' ندا کی آواز پر وہ چونک گئی۔ پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے۔ ویسے میں بہت دیر تک سوئی۔''

''ہاں' میں نے سوچا تم تھکی ہوئی ہو گی اس لیے تمہیں نہیں اٹھایا۔''

''اچھا؟'' وہ خواہ مخواہ ہنس پڑی۔

''آج کا دن یونہی گزر گیا۔ اب کل ہی تم گاؤں دیکھنے جا سکتی ہو۔''

''ہاں' میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' پھر ادھر ادھر دیکھتی ہوئی کہنے لگی۔ ''تمہاری حویلی بہت خوبصورت ہے۔ کیا تم مجھے پوری طرح نہیں دکھاؤ گی؟''

''ہاں کیوں نہیں' آؤ۔''

وہ ندا کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

ہر کمرہ سجاوٹ کے اعتبار سے دیدہ زیب تھا۔ وہ ایک ایک چیز کو بغور دیکھتی اور تعریف کرتی رہی۔ اس نے پوری حویلی دیکھ ڈالی لیکن جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ کہیں نہیں تھی' تب وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی۔

''ندا اس اتنی بڑی حویلی میں کون کون رہتا ہے؟''

''بابا جان' بی بی جان' فیصل بھائی اور میں۔''

''اور کوئی نہیں؟''

''نہیں۔ بس کچھ ملازم عورتیں ہیں جو بی بی جان کے پاس ہوتی ہیں۔'' پھر ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔ ''ویسے اگر دیکھا جائے تو یہاں صرف بی بی جان اور ملازم عورتیں ہی رہتی ہیں۔ فیصل بھائی اور میں تعلیم کے سلسلے میں باہر ہی رہتے ہیں۔ اور بابا جان ایک جگہ ٹکتے نہیں۔ اس وقت بھی وہ ملتان گئے ہوئے ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ بظاہر لاپرواہی سے بولی۔ لیکن اسے یاد آیا کہ چوہدری صاحب ملک فیصل سے کہہ رہے تھے کہ وہ رات اس کے پاس رہیں گے۔ اس نے سوچا وہ آج رات ہی ندا کو

اعتماد میں لے کر اس سے بخت کے بارے میں معلوم کرے گی۔

''تم یہاں آ کر بور تو نہیں ہوئیں؟'' اسے خاموش دیکھ کر ندا پوچھنے لگی۔

''ارے نہیں' یہاں آ کر تو میری دیرینہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔'' وہ لہجے کو خوشگوار بناتی ہوئی ندا کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔

رات میں جب دونوں سونے کے لیے لیٹیں' تب وہ کہنے لگی۔

''ندا مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے' کیا میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں؟''

ندا کچھ دیر تک چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی' پھر بولی۔ ''تمہیں جو کہنا ہو بلا جھجک کہہ ڈالو۔''

''اصل میں' میں بخت کی دوست ہوں اور اسی سے ملنے آئی ہوں۔'' وہ بغیر تمہید کے ان دو جملوں میں ساری بات کہہ گئی۔ فوری طور پر ندا کچھ نہ کہہ سکی۔ ''کیا تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ گی۔ ہم سب اس کے لیے بہت پریشان ہیں؟''

''رومیلہ' بس کچھ ہی دن تو رہ گئے تھے کہ تم سب کچھ جان جاتی لیکن اب اگر تم صرف اسی کے بارے میں معلوم کرنے یہاں تک آئی ہو تو میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ مہمانوں کو مایوس لوٹانا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔''

''شکریہ ندا' یہ تمہارا مجھ پر احسان ہو گا۔''

''تم بار بار شکریہ کا لفظ کہہ کر مجھے شرمندہ کرتی ہو۔ اب یہ بتاؤ تم صرف اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہو یا اس سے ملنا بھی چاہتی ہو؟''

''کیا تم مجھے اس سے ملوا سکتی ہو؟''

''ہاں۔''

''ابھی اور اسی وقت۔''

''سچ' تو پھر ابھی ملوا دو۔''

''اچھا تم ٹھہرو' میں باہر کا جائزہ لے آؤں کہ سب خواتین سو چکی ہیں یا نہیں؟'' اس کے ساتھ ہی ندا اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ تو اس کے لیے ایک ایک پل کاٹنا مشکل ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ندا نے آ کر اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تو وہ فوراً اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

چھوٹی حویلی مکمل تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے برآمدہ عبور کر کے گیلری میں آ گئیں۔ ندا نے لائٹ آن کرتے ہی آواز دے ڈالی۔

''چھوٹی ماں' کیا تم سو گئیں۔؟''

''نہیں' یہاں آ جاؤ ندا۔'' بخت کی آواز پر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ایک ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔ ندا نے بڑھ کر لائٹ آن کر دی تو بخت سیدھی ہوتی ہوئی جیسے ہی اٹھنے لگی' اس کی نظر رومیلہ پر جا ٹھہری۔

''میرے خدا' کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟۔ رومیلہ یہ تم ہی ہو ناں۔'' جواب دینے کی بجائے رومیلہ ایک ہی جست میں درمیانی فاصلہ عبور کر کے اس کے سینے سے جا لگی۔

کتنی ہی دیر تک دونوں ایک دوسرے کو بازوؤں میں بھینچے یقین کی منزلیں طے کرتی رہیں پھر جب ندا نے ہلکے سے کھانس کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ تو وہ الگ ہوئیں لیکن ایک دوسرے کا حال احوال پوچھنے میں وہ ایک بار پھر اسے نظر انداز کر گئیں۔

''چھوٹی ماں' اگر تم کہو تو میں چلی جاؤں۔ صبح ہونے سے پہلے رومیلہ کو بھیج دینا۔''

''ارے نہیں رومیلہ' آؤ تم بھی ہمارے پاس بیٹھو۔''

''نہیں چھوٹی ماں۔ میں اپنی خوشی سے جا رہی ہوں۔ بس تم اسے بھیجتے وقت ذرا احتیاط کرنا۔'' پھر جاتے جاتے کہنے لگی۔ ''تم اپنی دوست کو اپنے ساتھ کی گئی ہر زیادتی سے آگاہ کر سکتی ہو' اچھا بخیر۔'' اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئی۔

جاتے جاتے وہ بات ہی ایسی کر گئی تھی کہ رومیلہ اپنے مخصوص لہجے میں کہنے لگی۔

''بخت' اب بغیر کسی کومے یا فل اسٹاپ کے فوراً شروع ہو جاؤ۔''

''کیا مطلب؟''

''دیکھو بخت' اب تک ہم صرف شبہے کی حد میں تھے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ بڑی چوہدرانی اور ندا کے خلوص نے مجھے شبہے کی حد سے بھی نکال لیا تھا' تو غلط نہ ہوگا۔ لیکن اب جاتے جاتے ندا جو کچھ کہہ گئی ہے' اس سے تو میں ایک دم یقین کی منزل پر آ کھڑی ہوئی ہوں کہ تم ضرور کسی مشکل میں گرفتار ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔'' بات کے اختتام پر وہ پوچھنے لگی۔

بخت کچھ نہیں بولی' بس چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''دیکھو بخت' میں یہاں صرف تمہارے بارے میں معلوم کرنے آئی ہوں۔ تمہیں شاید

انداز نہیں ہے کہ ہم سب تمہارے لیے کتنے پریشان ہیں؟۔ پلیز مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ؟۔ اس زنداں میں مقید کس نے کیا ہے تمہیں؟۔ اور کیوں؟۔''

اور وہ ہمیشہ کی طرح اس سے ہار گئی۔ چوہدری صاحب کے انتقامی جنون سے لے کر اس قید تنہائی میں اپنے آپ پر بیتنے والے تمام عذاب لمحے اس پر عیاں کر گئی۔

''بخت' تم تنہا اپنی ذات پر اتنے دکھ جھیل گئیں اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔'' اس کی زبانی ساری باتیں سننے کے بعد رومیلہ کہنے لگی۔

''خبر تو شاید اب بھی کسی کو نہ ہوتی رومیلہ لیکن ندا نے میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ اس کی باتیں میرے اندر حوصلہ پیدا کرتی رہیں جواب میں تمہارے سامنے زندہ سلامت بیٹھی ہوں ورنہ۔''

''تم فکر مت کرو۔ میں صبح ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی اور جاتے ہی سیف کو فون کر کے ساری صورتحال سے آگاہ کر دوں گی۔''

''نہیں رومیلہ' ابھی کچھ دن رک جاؤ۔''

''کیوں؟۔''

''یہ کام ملک فیصل کو کرنے دو۔''

''ملک فیصل ہاسپٹل میں پڑا ہے۔ وہ پتا نہیں کب تمہیں یہاں سے نکال کر لے جائے۔''

''نہیں رومیلہ' جہاں اتنا عرصہ یہاں رہ لیا' وہاں کچھ دن اور سہی۔ تم نہیں جانتیں' اگر میرے گھر والوں میں سے کسی نے اس معاملے میں پیش رفت کی تو چوہدری صاحب اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس کے برعکس ملک فیصل ان کا اپنا بیٹا ہے۔''

''کہتی تو تم ٹھیک ہو۔'' رومیلہ کی سمجھ میں اس کی بات آ گئی۔ پھر ذرا توقف کے بعد بولی۔ ''بہرحال کل میں واپس جا رہی ہوں۔ سیف کے لیے پیغام ہو تو دے دو۔''

''پیغام کیا دوں' بس اسے میرا سلام کہہ دینا لیکن کیا تم اباجی کے گھر نہیں جاؤ گی۔؟''

''نہیں' وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا' اب میرا خیال ہے تم جاؤ ندا اس وقت تک سکون سے نہیں سو سکے گی۔ جب تک تم اس کے پاس پہنچ نہ جاؤ گی۔'' وہ مسہری سے اترتی ہوئی بولی تو رومیلہ اس کے ساتھ کھڑی ہو

گئی۔

''اور سنو رومیلہ' ندا پر کچھ جتانے کی کوشش مت کرنا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''نہیں میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گی۔'' رومیلہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ برآمدے میں آ کر وہ پھر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

''اچھا خدا حافظ۔ میں انشاء اللہ بہت جلد تم سے آن ملوں گی۔''

''ہم بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کریں گے۔'' رومیلہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر برآمدے کی سیڑھیاں اترتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ تو وہ بھی اپنے کمرے کی طرف پلٹ آئی۔

جس روز ملک فیصل چلنے پھرنے کے قابل ہوا اسی روز وہ ہاسپٹل سے سیدھا قیس کے پاس چلا آیا۔

''فیصل یار' تم کب آئے اور یہ تمہیں کیا ہوا ہے۔؟'' قیس اس کے سینے سے لگتا ہوا پوچھنے لگا۔

''تمہارے پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ کچھ دن پہلے آیا ہوں اور تم سے ملنے آ رہا تھا کہ راستے میں ایکسیڈنٹ نے یہ حال کر دیا۔''

''یار مجھے اطلاع کر دیتے تو میں خود تمہارے پاس آ جاتا۔''

''بس میں نے سوچا تمہیں سرپرائز دوں گا۔ ویسے یار تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ سچ مچ قیس لگنے لگے ہو تم تو۔''

''اچھا'' وہ خوامخواہ ہنس پڑا۔ اور تم کھڑے کھڑے ہی باتیں کیے جا رہے ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پھر حال احوال سناؤ۔''

''حال احوال کیا سنانا یار' ملک فیصل اطمینان سے اس کے پلنگ پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تو تمہارا حال جاننے آیا ہوں۔''

''جاننے آئے ہو یا دیکھنے؟۔''

''دیکھ تو لیا ہے اب جاننا چاہتا ہوں۔''

''مثلاً۔ کیا جاننا چاہتے ہو؟۔''

''میرے گاؤں میں ایک ادھوری داستان چھوڑ آئے تھے تم' اس کا انجام نہیں بتاؤ گے؟۔'' اپنی بات کہہ کر ملک فیصل نے یوں رخ موڑ لیا جیسے اس سے نظریں نہ ملانا چاہتا ہو۔

''فیصل اگر اس کے حوالے سے تم میرا مذاق اڑانے آئے ہو تو میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا اور میرا خیال ہی نہیں' مجھے یقین ہے کہ تم انجام سے بے خبر نہ ہو گے۔'' ذرا دیر رک کر وہ پھر کہنے لگا۔ ''اور فیصل یار' اگر ہم اس موضوع پر بات نہ کریں تو زیادہ بہتر ہو گا۔ کیونکہ تمہارے اور اس کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو چکا ہے' کہیں ایسا نہ ہو میرے منہ سے کوئی غلط بات نکل کر تمہاری غیرت کو للکار دے۔'' بات کے اختتام پر قیس دراز سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ تو ملک فیصل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''یہ سگریٹ کب سے پینے لگے ہو؟''

''پتا نہیں یار' کافی دن ہو گئے ہیں۔'' قیس نے ہاتھ چھڑا کر سگریٹ ہونٹوں میں دبالی اور اسے سلگا کر گہرے گہرے کش لینے لگا۔ ملک فیصل کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا۔

''قیس۔ اس بات سے قطع نظر کہ میرے اور بخت کے درمیان کیا رشتہ ہے' یہ بتاؤ تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو؟۔''

''کیا تمہارے پاس محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ ہے؟۔''

''پیمانہ تو نہیں ہے لیکن تمہاری بات سے اندازہ تو کر سکتا ہوں۔''

''تم میرا امتحان لینا چاہتے ہو۔''

''یہی سمجھ لو۔''

''تو پھر اس کے نام پر جان مانگو' انکار نہیں کروں گا۔''

''اس کے نام پر کیوں' اس کے لیے کیوں نہ مانگ لوں۔''

''کیا مطلب؟۔''

''کیا تم اسے اپنانے کا حوصلہ رکھتے ہو؟''

''میں تمہاری بات نہیں سمجھ پا رہا فیصل پلیز' جو کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو۔'' اور جواب میں ملک فیصل نے اسے ساری صورتحال بتانے کے بعد جب یہ کہا کہ اس قید تنہائی میں وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکے گی تو قیس بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''فیصل پلیز مجھے اس کے پاس لے چلو۔''

''پہلے میری بات کا جواب دو۔ کیا تم اسے اپنانے کا حوصلہ رکھتے ہو؟۔''

''شاید تمہیں میرا اعتبار نہیں ہے فیصل؟''

''اعتبار کی بات نہیں ہے قیس اور نہ ہی مجھے تمہاری محبت پر شبہ ہے۔ ہاں میں اپنا اطمینان ضرور کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ بخت کو وہاں سے نکالنا جان جوکھوں کا کام ہے اور میرے اندر تھوڑا بہت یہ ڈر بھی موجود ہے کہ میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اسے وہاں سے نکال بھی لاؤں اور جو اسے کہیں امان نہ ملی تب۔؟''

''فیصل، میرے دل پر اول روز وہ اپنی محبت کے جو نقش چھوڑ گئی تھی تو یقین کرو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ گہرے ہی ہوتے گئے۔ نہ حالات کی تیز دھوپ ان پر اثر انداز ہو سکی اور نہ نارسائیوں کے کرب انہیں مٹا سکے پھر بھی اگر تم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہو تو آؤ میں تمہیں ابی جان کے پاس لے چلوں جو اس مکان کو گھر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بخت آور کے وجود کی مہک رچی بسی ہے۔۔۔

اور وہ میرے حوالے سے اس مہک کو امر کر دینا چاہتے ہیں اور پھر میری تو سانسوں کی ڈور ہی اس مہک سے بندھی ہے۔ جس روز اس کی مہک اس گھر سے رخصت ہو گئی، یہ ڈور آپ ہی آپ ٹوٹ جائے گی۔''

''ایسا نہ کہو قیس، میں یہ ڈور ٹوٹنے نہ دوں گا۔''

''کیا میں تمہارے ساتھ چلوں؟۔'' قیس بے تابی سے پوچھنے لگا۔

''نہیں، فی الحال تمہارا جانا مناسب نہیں۔ میں انشاء اللہ جلدی اچھی خبر کے ساتھ تمہارے پاس آؤں گا۔ بس تم میرا انتظار کرو۔''

''انتظار۔'' یہ ہر مقام پر انتظار میرا مقدر کیوں ہو جاتا ہے پلیز فیصل مجھے اپنے ساتھ لے چلو یہاں رہ کر تو ایک ایک پل میرے لیے عذاب ہو جائے گا۔'' قیس اسے کندھوں سے تھام کر منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا کہ اسی وقت ابی جان کسی کام سے اس کے کمرے میں چلے آئے۔ انہیں دیکھ کر قیس ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا جبکہ ملک فیصل ان کی طرف رخ موڑتا ہوا بڑے ادب سے بولا۔

''اسلام علیکم انکل۔''

''جیتے رہو بیٹا۔ کیسے ہو؟۔''

''جی ٹھیک ہوں۔''

''کب آئے امریکہ سے؟۔''

''ابھی کچھ دن پہلے آیا ہوں۔''

''اچھا۔ یہ تم کھڑے کیوں ہو، بیٹھو ناں۔'' فیصل نے ایک نظر قیس کی طرف دیکھا اور پھر ابی جان کے بیٹھتے ہی خود بھی بیٹھ گیا۔

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس دوران دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو جانے کیا اشارہ کرنے لگے اور ابی جان بظاہر ان کی طرف متوجہ نہ ہونے کے باوجود ان کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہے تھے ان کے چہرے کے تاثرات سے وہ سمجھ گئے کہ دونوں اپنی عمر سے بڑا کوئی کام کرنے جا رہے ہیں۔ وہ ایک بڑے اور کامیاب وکیل تھے۔ روزانہ کتنے ہی لوگوں کو ایک نظر دیکھتے ہی وہ جان جاتے تھے کہ وہ ان سے کیا کہنے والے ہیں اور آیا سب کچھ سچ کہیں گے یا غلط بیانی سے بھی کام لیں گے۔ اور پھر یہ دونوں تو ان کے سامنے بچے تھے۔ ان کی اچانک خاموشی اور خفیہ اشارے انہیں بہت کچھ سمجھا رہے تھے، پھر بھی جہاندیدہ آدمی تھے، فوراً باز پرس کرنے کے بجائے انتظار کرنے لگے کہ وہ خود سے کچھ کہیں گے۔ لیکن جب کافی دیر ہو گئی اور دونوں میں سے کوئی نہیں بولا۔ تب انہیں خود ہی پہل کرنی پڑی۔

''کیا مسئلہ درپیش ہے تم دونوں کو؟۔''

''کچھ نہیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' دونوں کے ایک ساتھ کہنے پر ابی جان ذرا سا مسکرائے پھر کہنے لگے۔

''تم اگر بتانا نہیں چاہتے تو الگ بات ہے ورنہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ۔''

''ابی جان آپ۔۔'' قیس ان کی بات کاٹتے ہوئے جیسے ہی کچھ کہنے لگا، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔ پھر ملک فیصل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''ہاں، فیصل تم کہو کیا بات ہے؟۔'' ان کے حتمی انداز نے فیصل کو بولنے پر مجبور کر دیا۔

پوری توجہ سے ملک فیصل کو سننے کے بعد کچھ دیر تک ابی جان خاموش بیٹھے رہے، پھر کہنے لگے۔

"تم کیا سمجھتے ہو، بخت آور کو وہاں سے نکالنے کے بعد تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ نہیں میرے بچو، تم یہ بات بھول گئے ہو کہ وہ چوہدری صاحب کی منکوحہ ہے اور جس طرح تم نے چوہدری صاحب کے جنون کا ذکر کیا ہے، تو اس کے پیش نظر ان سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اپنی منکوحہ کو لے جانے پر تمہارے خلاف دعویٰ دائر کر دیں۔" ابی جان خالص قانونی نقطہ نظر سے بات کر رہے تھے۔ دونوں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اچھے بچے ہو، جوش میں اتنا بڑا قدم اٹھا تو لو گے۔ لیکن سراسر نقصان میں رہو گے۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" فیصل فوراً پوچھنے لگا۔

"پہلے بخت آور سے معلوم کرو، آیا وہ چوہدری صاحب سے علیحدگی لینا چاہتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ رضا مند ہے اور اسٹینڈ لینے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے۔ تب تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"فرض کریں انکل وہ تیار ہے پھر؟"

"پھر تم اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں اسے نہ صرف اپنی حفاظت میں لے لوں گا۔ بلکہ قانونی تحفظ دلانے کے بعد تمام کاروائی مکمل کروں گا۔"

"ٹھیک ہے تو میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔"

"اتنی جلدی بازی میں کوئی فیصلہ مت کرو بیٹا۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک طرف بخت آور ہے تو دوسری طرف تمہارا باپ۔ ہر پہلو پر اچھی طرح سوچ لو۔ ہو سکتا ہے کسی مقام پر تمہیں اپنے باپ کے خلاف گواہی دینی پڑے۔"

"انکل، اول تو آپ کوشش کیجئے گا کہ مجھے بابا جان کے مقابل نہ کھڑا ہونا پڑے۔ پھر بھی اگر ایسا کوئی مقام آ گیا تو آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں جلد ہی بخت آور کو لے کر آپ کے پاس آؤں گا۔" ابی جان نے اس کا کندھا تھپک کر گویا جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے ایک نظر خاموش کھڑے قیس کی طرف دیکھا اور پھر تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔



ہاسپٹل پہنچتے ہی رومیلہ نے پہلی فرصت میں سیف کو فون کیا۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"تم خیریت سے ہو ناں رومیلہ؟"

"کیوں، مجھے کیا ہوا تھا؟"

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے یار، میں تمہارے لیے بہت پریشان تھا۔"

"اچھا" وہ ہنس پڑی۔

"تم گاؤں سے ہو آئیں؟"

"ہاں۔"

"پھر کیا رہا؟"

"فون پر میں تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتی۔ تمہارے اطمینان کے لیے اتنا کہے دیتی ہوں کہ بخت ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"کیا تم اس سے ملی تھیں؟"

"ہاں۔"

"واقعی؟" وہ غیر یقینی سے بولا۔ "دیکھو رومیلہ مجھ سے غلط بیانی سے کام مت لینا۔"

"میرا یقین کرو سیف، میں خود اس سے مل کر آ رہی ہوں۔"

"پھر اصل معاملہ کیا ہے؟"

"میں نے کہا نا فون پر کچھ نہیں کہہ سکوں گی۔"

"تو کیا میں تمہارے پاس آ جاؤں؟"

"نہیں سیف، میرا خیال ہے، کچھ دن انتظار کرو۔"

"کیا مطلب؟"

"ملک فیصل کہہ رہا تھا کہ کچھ دن بعد بخت خود تم سب کے پاس آئے گی۔"

"رومیلہ۔ مجھے تمہاری باتیں مطمئن نہیں کر رہیں۔"

"کیا سننا چاہتے ہو تم؟ کیا تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ بخت بالکل

ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''صرف اس بات سے میرا اطمینان نہیں ہوتا جب تک مجھے پوری بات نہیں معلوم ہوگی۔''

''اس وقت پوری بات جان کر بھی تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ اس لیے کہ بخت نے خود ہی تمہیں گاؤں آنے سے منع کیا ہے۔ اور ہاں سنو! وہ تمہیں بہت بہت سلام کہہ رہی تھی۔''

''سچ بتانا رومیلہ! تم نے خود اسے دیکھا ہے۔ وہ ابھی تک غیر یقینی کا شکار تھا۔

''صرف دیکھا ہی نہیں' ایک رات اس کے پاس رہی ہوں۔ آخر تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا؟۔''

''یہ بتاؤ کیسی تھی وہ' میرا مطلب ہے اس کی صحت وغیرہ کیسی تھی؟۔''

''ٹھیک تھی۔''

''ہمیں یاد کرتی ہے؟۔''

''ہاں بہت زیادہ۔''

''اور کیا کہہ رہی تھی؟۔''

''بس کہہ رہی تھی کچھ دنوں کے بعد آؤں گی تو تفصیل سے بات کریں گے۔''

''اچھا' یہ بتاؤ' وہ واقعی کسی مشکل میں ہے۔''

''نہیں۔ مشکل میں تو نہیں ہے۔'' وہ جھوٹ بول گئی۔ ''بس اب باقی باتیں تم اسی سے پوچھ لینا۔''

''تمہیں تو وہاں کوئی پریشان نہیں ہوئی؟۔''

''نہیں' خلاف توقع میرا کام بڑے آرام سے ہوگیا جب ہی تو میں فوراً واپس آ گئی۔

''اچھا تو میں تمہارے پاس کب آؤں؟۔''

''کچھ دن ٹھہر کر آنا۔''

''کچھ دن نہیں رومیلہ' ٹھیک دو دن کے بعد میں تمہارے سامنے موجود ہوں گا۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''سیف۔'' رومیلہ کچھ دیر تک ریسیور کو گھورتی رہی' پھر کریڈل پر پٹخ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔



قیس کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد ملک فیصل واپسی پر سیدھا بخت آور کی طرف آ گیا۔ گو کہ بخت کو اس کا انتظار تھا' پھر بھی اسے دیکھ کر وہ کچھ خوفزدہ ہوگئی۔

''آپ یہاں کیسے آئے؟۔''

''جیسے ندا آئی تھی۔''

''ندا۔؟'' وہ سمجھ نہ سکی کہ ندا کے حوالے سے وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے خاتون بخت آور' مجھے ندا نے سب کچھ بتا دیا ہے اور میں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔''

''لیکن آپ کو اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''کیوں؟۔''

''چوہدری صاحب اکثر اسی وقت یہاں آتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تو قیامت آ جائے گی۔

''اچھا'' وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا' سچ کہیئے بخت آور خاتون' اس قید تنہائی میں آپ نے کبھی قیامت کی آرزو نہیں کی؟۔''

''بارہا کی ہے۔''

''تو پھر آپ اتنی خوفزدہ کیوں ہیں؟۔''

''کیا چاہتے ہیں آپ؟۔''

''آپ کو یہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر تک چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی' پھر اس کی طرف پیٹھ موڑتی ہوئی بولی۔

''آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ میں چوہدری صاحب کی منکوحہ بھی ہوں۔ یہاں سے نکل بھی گئی تو رہائی تو تب بھی نہ ملے گی جب تک چوہدری صاحب۔''

''یہ سب مجھ پر چھوڑ دیجئے' چلیے میرے ساتھ۔'' وہ دوٹوک انداز میں کہتا ہوا اس کی کلائی تھام کر بیرونی دروازے کی طرف چل پڑا۔

بخت جانا بھی چاہتی تھی اور چوہدری صاحب کا خوف بھی دامن گیر تھا جب ہی اس کے قدم رک رک کر اٹھ رہے تھے۔ ملک فیصل اس کی کلائی پکڑے جیسے ہی طویل گیلری سے نکل کر

گول برآمدے میں آیا‘ سامنے سے چوہدری صاحب آ رہے تھے۔ بخت ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا کر ستون کی آڑ میں ہوگئی۔

’’فیصل۔ تو یہاں تک کیسے آیا؟‘‘ چوہدری صاحب کی گرجدار آواز سن کر وہ اندر تک لرز گئی۔

’’کیوں بابا جان‘ کیا میں یہاں نہیں آ سکتا؟‘‘ ملک فیصل کی آواز میں اطمینان تھا۔

’’میں تیرے ساتھ الجھنا نہیں چاہتا فیصل‘ جس طرح آیا ہے‘ اسی طرح واپس چلا جا۔ اور آئندہ میں تجھے ادھر نہ دیکھوں۔‘‘ فیصل کی آواز میں اطمینان دیکھتے ہوئے چوہدری صاحب نے بھی اپنی آواز قدرے نیچی کر لی۔

’’بابا جان‘ آپ کو یاد ہے جب میں چھوٹا سا تھا تو آپ کی قید کی ہوئی بے شمار رنگ برنگی خوبصورت سی چڑیاں پنجرے کا دروازہ کھول کر آزاد کر دیا کرتا تھا۔ میں بتا نہیں سکتا بابا جانی کہ انہیں آزادی دے کر مجھے کس قدر خوشی ہوتی تھی۔‘‘

چوہدری صاحب سمجھ گئے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے‘ اس لیے اس کی بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑے۔

’’ہاں پتر‘ میں جانتا ہوں لیکن یہ کون سا وقت ہے بچپن کی باتیں یاد کرنے کا تو جا بڑی حویلی‘ تیری ماں تجھے یاد کر رہی تھی۔‘‘

جواب میں ملک فیصل اپنی نظروں کا زاویہ بدل بدل کر اپنے دائیں کندھے سے پیچھے دیکھنے لگا۔ جب اسے بخت نظر نہیں آئی تو وہ فوراً پیچھے گھوم گیا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ ستون کی طرف بڑھتا‘ چوہدری صاحب نے بخت کو آواز دے ڈالی۔

’’بخت آور۔ ادھر آ۔‘‘ اور وہ جو ابھی تک سہمی ہوئی سی کھڑی تھی چوہدری صاحب کے پکارنے پر ڈری ڈری سی ستون کی آڑ سے نکل آئی۔

’’بخت آور‘ میں لاہور جا رہا ہوں۔ تو بھی میرے ساتھ چل۔ ذرا گھومنا پھرنا ہو جائیگا۔‘‘

وہ یوں بولے جیسے اکثر ہی اس پر ایسی مہربانیاں کرتے آئے ہوں۔ وہ غیر ارادی طور پر ان کی طرف بڑھانے لگی جیسے ہی ملک فیصل کے قریب سے گزرنے لگی اس نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنے پیچھے دھکیل دیا۔

’’یہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی بابا جان۔‘‘

’’کیا مطلب ہے تیرا؟۔ اب اپنی گھر والی کو کہیں لے جانے کے لیے مجھے تجھ سے اجازت لینی پڑے گی اور دیکھ پتر‘ اب تجھ سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ تو جا یہاں سے۔ میں اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔‘‘

’’بابا جان‘ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ سے صاف صاف بات کر لوں تو سن لیجیے کہ میں بخت آور کو آپ کے انتقام کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا۔ میں اسے یہاں سے لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ اب آپ آ ہی گئے ہیں تو اس نام نہاد بندھن سے آزاد کر دیجیے اسے ورنہ مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔‘‘ ملک فیصل بخت کے سامنے چٹان بن کر کھڑا ہو گیا۔

چوہدری صاحب کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے۔ وہ جس انداز سے کھڑا تھا‘ اس لیے وہ اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے کہنے لگے۔

’’فیصل پتر‘ پہلے بخت آور سے تو پوچھ لے کہ وہ یہاں سے جانا بھی چاہتی ہے یا نہیں؟۔‘‘

’’اس سے میں پوچھ چکا ہوں۔‘‘

’’میرے سامنے پوچھ تا کہ میں بھی سنوں۔ ٹھہر‘ مجھے خود اس سے بات کر لینے دے۔‘‘

اس کے ساتھ ہی وہ بھاری قدموں سے چلتے ہوئے۔ بخت کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور وہ پہلے ہی خوفزدہ تھی‘ گھبرا کر ملک فیصل کی طرف دیکھنے لگی۔ فیصل نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے حوصلہ دیا۔ تو وہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ چوہدری صاحب کچھ دیر اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتے رہے۔ پھر جب بولے تو بخت کے ساتھ ساتھ ملک فیصل بھی پلٹ کر حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

’’جگنو‘ اب مجھے چھوڑ کر نہ جا‘ میں تیرے لیے بہت تڑپا ہوں۔ بہت ڈھونڈا تھا میں نے تجھے۔ اتنی تلاش کے بعد تو مجھے ملی ہے۔ پھر اب کیوں چھوڑ کر جا رہی ہے؟۔‘‘

’’بابا جان‘ یہ جگنو نہیں ہے۔‘‘ ملک فیصل نے انہیں یاد دلانا چاہا لیکن وہ چیخ پڑے۔

’’جھوٹ کہتا ہے تو‘ یہ جگنو ہے‘ میری اپنی جگنو‘ اب اسے کوئی مجھ سے چھین کر نہیں لے جا سکتا اور اگر اس نے جانے کی کوشش کی تو میں۔‘‘ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ریوالور نکال بخت پر تان لیا۔ ملک فیصل شاید اس بات کے لیے پہلے ہی تیار تھا‘ وہ ایک ہی جست میں بخت اور چوہدری صاحب کے درمیان آ کھڑا ہوا۔

''بابا جان' یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟۔''

''تو ہٹ جا سامنے سے' میں اسے نہیں جانے دوں گا۔'' چوہدری صاحب کی آواز ایک دم اونچی ہوگئی۔

''بابا جان' ریوالور مجھے دے دیجئے۔ اب عمر کے اس حصے میں یہ جذباتی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ لائیے۔'' اس نے جیسے ہی ریوالور لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا' چوہدری صاحب دوقسم پیچھے ہٹ گئے۔

''کیا سمجھتا ہے تو کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں' پتر ابھی بھی میرے بازوؤں میں اتنا دم خم ہے کہ میں جگنو کو روک سکوں۔ ایک بار یہ مجھ سے بچ کر نکل گئی تھی' بار بار یہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔'' پھر وہ بخت سے مخاطب ہوئے۔ ''جگنو' میرے سامنے آ ورنہ اگر تجھ تک پہنچنے کے لیے مجھے فیصل کی۔''

''ملک فیصل پلیز' آپ سامنے سے ہٹ جائیے۔'' چوہدری صاحب کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ بول پڑی اور ملک فیصل کے پیچھے سے نکل کر چوہدری صاحب کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور اس سے پہلے کہ فیصل کوئی قدم اٹھاتا' چوہدری صاحب نے بخت کی کلائی پکڑ لی اور اسے گھسیٹتے ہوئے اندر کی طرف چلے گئے۔ فیصل ایک دم ہوش میں آ گیا اور ان کے پیچھے دوڑ لگا دی لیکن چوہدری صاحب دروازہ اندر سے بند کر چکے تھے۔

ملک فیصل کتنی ہی دیر تک دروازے پہ زور زور سے ضربیں لگانے کے ساتھ ساتھ چوہدری صاحب کو پکارتا رہا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب وہ خاموش ہو کر اندر کی صورتحال جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ چوہدری صاحب کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی اور ان کی آواز میں چھپا درد وہ صاف طور پر محسوس کر رہا تھا' ساتھ ہی بخت آور کی لمہ بہ لمحہ تیز ہوتی ہوئی سسکیاں اسے دروازہ توڑنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ ابھی وہ دروازے پر زوردار ضرب لگانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اندر سے گولی چلنے کی آواز کے ساتھ بخت کی بلند چیخ نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے۔



کتنی دیر تک ملک فیصل بند دروازے پر ہاتھ رکھے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ خاموشی کی ایک دبیز چادر تھی جس نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کہیں کسی طرف سے کوئی آواز نہ تھی' نہ کوئی آہٹ جو زندگی کا پتا دیتی۔ اس کا وجود اپنی ہی دھڑکنوں کی زد میں تھا پھر اچانک جیسے وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ پوری طاقت سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے وہ اونچی آواز میں چلانے لگا۔

''بابا جان۔ دروازہ کھولیے۔ دروازہ کھولیے بابا جان۔''

اور دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی خوف و ہراس کی تصویر بنی بخت آور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنے پیچھے اشارہ کرتی ہوئی وہ رک رک کر بمشکل بول پڑی۔

''چچ۔ چچ۔ چوہدری صاحب نے۔ خ۔۔ خود اپنے آپ کو۔۔'' ملک فیصل نے اس کے پیچھے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو لمحہ بھر کو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے طویل سانس لے کر بخت کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

''خاتون بخت آور۔ آپ اپنے کمرے میں جائیے۔'' اور بخت تو شاید اشارے ہی کی منتظر تھی ملک فیصل کے ہاتھ لگتے ہی بے ہوش ہو کر اس کے بازوؤں پر آ گری۔ اس نئی صورتحال سے وہ مزید پریشان ہوگیا۔ اپنے بازوؤں پہ جھولتی اس لڑکی کو دیکھا اور پھر اس پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں اپنے بابا جان پر جا ٹھہریں جن کا چہرہ اپنے ہی خون سے رنگ گیا تھا۔ اس کا دل غم کی شدت سے پھٹنے لگا۔ کچھ بھی تھا' وہ اس کے لیے سائبان کی طرح تھے۔

ایک لمحے ہی میں اس کی نگاہوں میں ان کے سنگ گزرے شب و روز آ گئے۔ ۔۔۔وقت

جب وہ ان کی انگلی تھام کر چلا کرتا تھا۔ اور وہ وقت جب وہ اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے اپنے مضبوط سینے کی پناہوں میں چھپا لیا کرتے تھے۔ وہ تو اب بھی اسے اپنی پناہوں میں لینے کی طاقت رکھتے تھے۔ پھر وہ ان کے مقابل کیسے آ کھڑا ہوا۔ اس کے اندر کا درد کچھ اس طرح آنکھوں میں آ سمایا کہ گرد و پیش کی ہر شے دھندلانے لگی۔ دل تڑپ تڑپ کر پھر اس مضبوط پناہ گاہ میں چھپ جانے کی آرزو کرنے لگا۔

''بابا جان۔'' بے اختیار ان کی طرف بڑھنے کی آرزو میں جیسے ہی قدم بڑھانے لگا۔ بخت کا وجود درمیان میں آ گیا۔ پھر لحہ بھر کو اس لڑکی کے خلاف اس کے اندر ڈھیر ساری نفرت سمٹ آئی۔ اس نے سوچا ''یہی تو ہے ابا جان کی قاتل۔ اسی کی بدولت میری پناہ گاہ چھن گئی ہے۔ میں بے سائبان ہو گیا ہوں۔'' منفی سوچیں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنے لگیں تو وہ زور زور سے سر جھٹکتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ ''نہیں اس میں اس بے چاری حرماں نصیب لڑکی کا کیا دوش، یہ تو خود نزدوش ہے۔''

اپنی ہی آواز گو کہ اجنبی تھی پھر بھی اسے خاصا حوصلہ دے گئی۔ وہ بخت کو بازوؤں میں اٹھا کر اس کے کمرے میں اسے لے آیا۔ مسہری پر لٹانے کے بعد اچھی طرح کمبل اوڑھایا اور پھر یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ وہ محض خوف کی وجہ سے بے ہوش ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ تب وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس اپنے بابا جان کے پاس آ گیا جو اپنی جمع کی ہوئی نادر اشیاء اور بے جان مجسموں کے درمیان خود بھی مورت ہو گئے تھے۔

بہت جلد یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ چوہدری ملک جمشید علی نے اپنے آپ کو گولی مار کر ہلاک کر لیا۔ گاؤں کے سادہ لوح لوگ ان کی ہر زیادتی بھلا کر حویلی کے مکینوں کے غم میں شریک ہونے چلے آئے۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی سوال تھا۔

''چوہدری صاحب نے ایسا کیوں کیا؟''

اور بڑی چوہدرانی جی کے ہونٹ صرف ایک بار ہلے۔ ''ایسا تو ہونا ہی تھا۔'' اس کے بعد گہری خاموشی چھا گئی۔

جس وقت بختاور کو ہوش آیا، وہ اپنے گھر میں تھی، ابا جان، اماں، توصیف لالا، بھرجائی زینت اور سیف اس کے آس پاس کھڑے تھے۔ اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر باری باری سب کو دیکھا۔ ایسے لگا جیسے طویل بھیانک خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ وہ ایک ٹک سب کو دیکھے گئی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر دوبارہ آنکھیں بند کیں تو پھر وہی بھیانک خواب شروع ہو جائے گا۔ اور پھر ایک عرصے بعد اتنی چاہنے والی عزیز ہستیاں نظر آئی تھیں تو پلکیں ساکت کیسے نہ ہوتیں۔

''بخت۔ اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' سیف نے جلتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ اس کا ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ناں۔ میری دھی ایسے کیوں روتی ہے؟'' اماں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تو وہ اور شدت سے روتی ہوئی بولی۔

''اماں۔ اباجی نے اتنی کڑی سزا کیوں دی تھی مجھے۔ میرا جرم اتنا بڑا تو نہ تھا؟''

''میری دھی۔ میں نے تجھے سزا نہیں دی تھی۔ تو میری طرف سے دل میلا نہ کر۔ میں نے تو سوچا تھا کہ تو راج کرے گی۔ پر مجھے کیا معلوم تھا۔'' اباجی کی آواز بھرا گئی تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

''اباجی شاید میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔''

''بخت تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔ اوپر سے رو رو کر خود ہلکان ہو رہی ہو اور سب کو بھی پریشان کر رہی ہو۔'' سیف نے اس کے کندھے پر بازو ڈال کر دوبارہ لٹا دیا۔ پھر اباجی سے کہنے لگا ''اباجی آپ سب کو باہر لے جائیں۔ اسے سونے دیں ورنہ اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی۔''

اباجی آستین سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگے جو ہاتھوں میں چہرہ چھپائے مچل مچل کر رو رہی تھی۔ اس کا نازک وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ انہوں نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بخت آور۔ میری دھی اس طرح رو رو کر میرا سینہ چھلنی نہ کر۔" ابا جی کا ٹوٹا لہجہ اسے تڑپا گیا۔ اور یہ احساس کہ اس کے آنسو ابا جی کو اپنی نظروں میں مجرم بنا رہے ہیں، اسے ندامت سے ہمکنار کرنے لگا۔ وہ ہچکیوں پر قابو پاتی ہوئی ابا جی کی طرف دیکھنے لگی تو وہ اس کے سر کو ہلکے سے تھپکتے ہوئے سب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ یوں ہی گم سم بیٹھی رہی۔

"بخت کچھ دیر کے لیے سو جاؤ۔"

"میں سونا نہیں چاہتی سیف۔"

"کیوں؟ کیوں نہیں سونا چاہتی؟۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں آنکھیں بند کرتی ہوں تو چوہدری جمشید علی کی حویلی کا خوفناک سناٹا میرے چاروں طرف پھیلنے لگتا ہے۔ اور اس سناٹے کو چیرتی ہوئی اس خوفناک کتے کی آواز۔ نہیں سیف، مجھے سونے کے لیے مت کہو۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہیں سونے کے لیے نہیں کہتا لیکن پلیز اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالو۔ ہاں تم میرے ساتھ ہلکی پھلکی باتیں کر سکتی ہو۔"

"سیف، تم کبھی حویلی آئے تھے مجھ سے ملنے؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں، کئی بار آیا تھا لیکن چوہدری صاحب کے آدمیوں نے یہ کہہ کر مجھے ٹال دیا کہ تم ان کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہو۔"

"پتہ ہے سیف، میں پہلے پہل بہت حیران ہوئی تھی آخر تم لوگ میرے پاس کیوں نہیں آتے ہو؟ لیکن پھر میں سمجھ گئی کہ یقیناً چوہدری صاحب۔"

"بخت۔ کیا ہم کسی اور موضوع پر بات نہیں کر سکتے؟" وہ اس کی بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑا۔

"ضرور کر سکتے ہیں، یہ بتاؤ رومیلہ کیسی ہے؟" وہ اس کا پسندیدہ موضوع چھیڑ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ کل آ رہی ہے یہاں۔"

"اچھا۔" وہ خوش ہو گئی۔ پھر ذرا توقف سے بولی۔ "سیف تم اس کے لیے سنجیدہ ہو ناں؟"

"تمہارا کیا خیال ہے، میں اب تک مذاق کر رہا تھا؟۔"

"نہیں۔ میں تو یوں ہی پوچھ رہی تھی۔ تم نے اماں سے بات کر لی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا کہہ رہی تھیں اماں؟"

"کچھ کچھ راضی تھیں۔ اب تم آ گئی ہو تو پوری طرح راضی ہو جائیں گی۔"

"ہاں۔ میں اماں سے کہوں گی انکار نہ کریں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ ویسے سیف اس نے حویلی آ کر کمال کر دیا۔"

"ہاں۔ میرے منع کرنے کے باوجود وہ چلی آئی۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا: میرا خیال ہے اب تم آرام کرو۔ میں بھرجائی سے کہتا ہوں تمہارے لیے سوپ بنا دے۔" وہ اس کا سر تھپکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو وہ فوراً بولی۔

"اماں کو میرے پاس بھیج دینا، اکیلے میں مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا تو ایک پل میں تنہائی کا احساس ہوتے ہی گزرے شب و روز اس کی آنکھوں میں آ سمائے۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

اگلے دن رومیلہ کے آ جانے سے وہ کافی حد تک بہل گئی۔ رومیلہ اپنی دلچسپ باتوں سے اسے مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس کی تیمارداری بھی اس نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ بالکل غیر محسوس طریقے سے اس کے اندر سمایا خوف دور کر دے۔ اس لیے وہ اپنی باتوں کے درمیان کہیں کہیں چھوٹی حویلی کا ذکر کر کے اس کے تاثرات دیکھنے لگتی۔ جس طرح اس کی آنکھوں میں نامعلوم خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگتیں۔ اس سے وہ فوراً موضوع بدلنے پر مجبور ہو جاتی۔ وہ چاہتی تھی بخت حویلی میں گزرے روز و شب کو بھیانک

خواب کے بجائے دلچسپ واقعات سے تشبیہہ دے۔

رات میں وہ بخت کے برابر چارپائی پر لیٹتی ہوئی ذرا سر اُونچا کر کے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ سامنے دیوار پر نظریں جمائے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

''کافی دیر ہوگئی۔ جب بخت نے اس کی طرف دیکھنا تو دُور کی بات، پلکیں تک نہیں جھپکیں۔ تب وہ پوچھنے لگی۔ ''کیا سوچ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔''

رومیلہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر تکیے پر کہنی رکھ کر ہتھیلی پر سر ٹکاتی ہوئی کہنے لگی۔

''بخت۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا اِسی چھت کے نیچے میں نے اپنا آپ تم پر عیاں کر کے تمہارے ساتھ اپنی دوستی کو مستحکم کیا تھا اور اب اسی دوستی کے ناتے میں چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے سب کچھ کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لو۔''

''میں کیا کہوں؟''

''جو تمہارے دل میں ہو کہہ کر ہلکی پھلکی ہو جاؤ۔''

''رومیلہ۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگی۔ ''بے شک چوہدری صاحب بہت ظالم انسان تھے۔ اس کے باوجود مجھے ان پر رحم آتا ہے۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ وہ فطرتاً ایسے نہیں تھے۔ اس لڑکی جگنو نے ان کا ساتھ قبول نہ کر کے انہیں انسان سے وحشی بنا دیا تھا۔ شاید وہ اس لڑکی کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ جب ہی اس کی جدائی برداشت نہیں کر پائے۔''

''لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ جگنو کا انتقام اس جیسی دوسری لڑکیوں سے لیتے رہے۔'' رومیلہ کو ان سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

''تمہاری بات ٹھیک ہے رومیلہ، پھر بھی مجھے ان پر ترس آیا کرتا تھا۔ پتا ہے کبھی کبھی ان

کے انداز میں بالکل بچوں کی سی معصومیت سمٹ آیا کرتی تھی۔ ایسے میں میرا دل چاہتا میں انہیں محبتوں کی پناہیں بخش کر ان کے سارے دلدر سمیٹ لوں۔ میں انہیں یقین دلا دوں کہ میں ہی ان کی جگنو ہوں اور ان کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر چلی آئی ہوں اور ابھی میں ان کی طرف بڑھتی ہی تھی کہ اچانک وہ معصومیت کے حصار سے نکل کر بھیانک روپ دھار لیتے تھے۔ میں خوفزدہ ہو کر فوراً پیچھے ہٹ جاتی۔ ان کی پل پل بدلتی کیفیات نے مجھے ثابت قدم رہنے ہی نہیں دیا۔''

''پھر تمہیں ملال کس بات کا ہے؟'' وہ کچھ دیر تک چپ چاپ لیٹی رہی۔ پھر طویل سانس لیتی ہوئی کہنے لگی۔

''آخری وقت مجھ سے ہمیشہ ساتھ رہنے کا عہد لینا چاہتے تھے۔ مجھے جگنو کے نام سے مخاطب کر کے اپنی انمول محبتوں کا یقین دلاتے رہے اور اپنی زیادتیوں پر نادم بھی تھے۔ وہ چاہتے تھے، میں ملک فیصل سے کہہ دوں کہ مجھے چوہدری صاحب کا ساتھ منظور ہے لیکن میں اتنی خوفزدہ تھی کہ بالکل غیر ارادی طور پر ان کی ہر بات کے جواب میں نفی میں سر ہلاتی رہی۔ دوسرے انہوں نے جس طرح ریوالور تھام رکھا تھا، اس سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی مجھے نشانہ بنا دیں گے۔ اس لیے میں نے سوچا زندگی تو ہار ہی رہی ہوں، پھر اس شخص کو اپنی محبت کا یقین کیوں دوں؟'' میرے گمان میں بھی نہیں تھا رومیلہ کہ وہ میری طرف سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو ختم کر دیں گے۔ ان کے اس اقدام نے میرے اندر احساسِ جرم کو جنم دے دیا ہے کہ وہ میری وجہ سے۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی اس لیے وہ خاموش ہوگئی۔

''بخت تم خواہ مخواہ گلٹی فیل کر رہی ہو۔ مجھے تو چوہدری صاحب نفسیاتی کیس لگتے ہیں۔ اور ایسے بندے سے اس قسم کی حرکت ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ یقین کرو تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے اور میں تو یہاں تک کہوں گی کہ اچھا ہوا انہوں نے اپنے آپ کو نشانہ بنا لیا ورنہ تم اس وقت میرے سامنے نہ ہوتیں۔'' بخت آور ذرا سی گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ کہنے لگی۔

''اصل میں تم سدا کی نرم دل لڑکی ہو اور آخر چوہدری صاحب جس طرح تمہارے

سامنے گڑگڑائے اس سے تم ان کے لیے ہمدردی محسوس کر رہی ہو ورنہ اگر تم ان کا منفی رویہ سوچو تو وہ ہر مقام پر تمہیں قصوروار نظر آئیں گے۔ اور سچی بات تو یہ ہے بخت آور کہ اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو ان کے ہاتھ سے ریوالور چھین کر خود اپنے ہاتھوں سے انہیں ختم کر دیتی۔''

''نہیں تو میلہ۔'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ رومیلہ نے اسے ٹوک دیا۔

''خدا کے لیے بخت، اس بات کا زیادہ اثر مت لو، اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو، تمہارے گھر والے پہلے ہی تمہارے لیے اتنے پریشان رہ چکے ہیں۔ انہیں مزید پریشان مت کرو۔ پتا ہے سیف نے مجھے تمہارے لیے بلایا ہے۔ اور میں بھی صرف تمہاری خاطر بھاگی چلی آئی ہوں۔''

''خیر، اب جھوٹ تو مت بولو۔'' بخت کے ہونٹوں کو ہلکی سی شریر مسکراہٹ چھوگئی۔

''کیا مطلب؟''

''سیف نے تمہیں میرے لیے بلایا ہوگا لیکن تم صرف میری خاطر نہیں آئی۔''

''پھر کس کی خاطر آئی ہوں؟''

''مجھے کیا پتا، اپنے آپ سے پوچھو۔''

''فرصت ملے گی تو اپنے آپ سے پوچھ لوں گی۔ اس وقت تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ ندا جمشید علی نے تمہارے ساتھ اور پھر میرے ساتھ بھی جو تعاون کیا ہے تو کیا کل میں کچھ دیر کے لیے ان کے پاس چلی جاؤں۔ اس کے والد کی تعزیت کے لیے؟''

''ہاں ضرور جاؤ۔ میں خود۔''

''بس'' رومیلہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے آگے بولنے سے روک دیا۔ ''اب مزید اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔ تو اب سونے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''بالکل سویا جائے۔'' رومیلہ اپنی چارپائی سے اٹھ کر اس کا کمبل ٹھیک کرتی ہوئی کہنے لگی۔ ''اور سنو صبح میں تمہیں ایک دم فریش دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ کچھ نہیں بولی چپ چاپ

کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔



رومیلہ کافی دیر ندا جمشید علی کے پاس بیٹھ کر جب واپس آ رہی تھی تو حویلی کے صدر دروازے پر ملک فیصل کے ساتھ قیس کو کھڑے دیکھ کر وہ ان کے پاس آ گئی۔

''تم!'' قیس اسے دیکھ کر قدرے حیرت سے بولا۔

''ہاں۔ میں کل ہی آئی ہوں، بخت کے پاس ٹھہری ہوں۔'' پھر وہ فوراً ملک فیصل کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ''آپ کے والد صاحب کا بہت افسوس ہوا۔''

''شاید خدا کو یہ ہی منظور تھا۔'' وہ افسردگی سے کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ دیر تک اس انتظار میں کھڑی رہی کہ وہ مزید کچھ کہے گا لیکن جب وہ کچھ نہیں بولا، تب وہ کہنے لگی۔

''میں اب چلوں گی۔''

''کہاں جاؤ گی؟'' قیس فوراً پوچھنے لگا۔

''میں ابھی کچھ دن بخت کے پاس رہوں گی۔''

''چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔'' روحیلہ خود بھی یہی چاہ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ چلے لیکن ملک فیصل کے خیال سے کہنے لگی۔

''نہیں، میرا خیال ہے میں خود ہی چلوں جاؤں گی۔''

''کیسے جاؤ گی؟''

''پیدل۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئی لاپروائی سے بولی۔

''چلو میں کچھ دور تک تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔'' پھر وہ ملک فیصل سے کہنے لگا۔ ''فیصل یار میں ابھی آتا ہوں۔'' ملک فیصل نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

کچھ فاصلہ دونوں نے خاموشی سے طے کیا پھر قیس نے بولنے میں پہل کی۔

''سنو۔ بخت کیسی ہے؟''

''کچھ کچھ ٹھیک ہے۔''

’’کیا مطلب؟‘‘

’’چوہدری صاحب کے اس عمل سے خوفزدہ بھی ہے اور خاتون کو ان سے ہمدردی بھی محسوس ہو رہی ہے۔ ان دو کیفیات میں گھر کر ذہنی طور پر خاصی اپ سیٹ ہوگئی ہے۔‘‘

’’کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟‘‘ کچھ دیر خاموشی سے چلنے کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

’’ابھی نہیں۔‘‘

’’کیوں نہیں؟‘‘

’’کچھ دن انتظار کرو اس کے بعد۔‘‘ وہ قدم روک کر اس کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھنے لگا کہ اسے کہنا پڑا۔‘‘

’’اب خدا کے لیے یہ مت کہہ دینا کہ ہر مقام پر انتظار میرا مقدر کیوں ہو جاتا ہے؟‘‘

’’تو اس میں غلط کیا ہے۔ تم ہی کہو میرے ساتھ ایسا نہیں ہوتا؟‘‘

’’ہوتا ہے اس کے باوجود میں تمہیں انتظار کرنے کو کہوں گی۔‘‘ ذرا توقف کے بعد پھر وہ کہنے لگی۔ ’’تم ہی بتاؤ کیا تمہارا فوراً اس سے ملنا مناسب ہے؟‘‘

’’مناسب تو نہیں ہے پھر بھی۔‘‘

’’بس اب اس سے آگے کچھ مت کہو۔‘‘ وہ ہاتھ اٹھا کر فیصلہ کن انداز میں بولی تو وہ ہونٹ بھینچ کر اس سے آگے چل پڑا۔

’’تم شاید خفا ہو گئے۔‘‘ وہ تیز قدموں سے اس کے ساتھ چلتی ہوئی پوچھنے لگی۔

’’نہیں۔ یہ بتاؤ تم نے بخت سے میرا ذکر کیا ہے؟‘‘

’’نہیں۔ اور میرے خیال میں ابھی یہ مناسب بھی نہیں ہے کیونکہ چوہدری صاحب کو گئے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے۔ ویسے تم بے فکر رہو وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘

’’خدا کرے اب مزید کوئی آزمائش میرا مقدر نہ ہو۔‘‘

’’اچھا۔ اب تم واپس جاؤ۔ آگے میں خود چلی جاؤں گی۔‘‘ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ

کچھ کہتا وہ اسے ہاتھ ہلاتی ہوئی تقریباً بھاگ کر پگڈنڈی پار کر گئی۔

گھر میں داخل ہوئی تو بخت کی تمام ہمجولیاں وہاں موجود تھیں۔ اس نے دیکھا ان سب کے درمیان گھر کر بخت خاصی فریش نظر آ رہی تھی۔ وہ بھی اپنا موڈ خوشگوار بناتی ہوئی سب کے درمیان آ بیٹھی۔

’’کیسی ہے ندا؟‘‘ اس کے بیٹھتے ہی بخت پوچھنے لگی۔

’’ٹھیک ہے، تمہیں سلام کہہ رہی تھی۔‘‘

’’اور بھی کچھ کہا؟‘‘

’’نہیں۔‘‘ اسے جواب دے کر وہ دوسری لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

’’اور بھئی، تم سب کیسی ہو؟‘‘

’’ہم سب تو ٹھیک ہیں۔ یہ بتاؤ رومیلہ بہن، تم ابھی یہیں رہو گی ناں؟‘‘

’’یہ تو تمہاری اس بخت آور پر منحصر ہے کہ یہ کب تک مجھے یہاں رہنے دیتی ہے۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ بخت فوراً بول پڑی ہے۔

’’بھئی اگر تم یوں ہی بستر سنبھالے رکھو گی تو میں جلدی چلی جاؤں گی۔‘‘

’’نہیں، میرا مزید بستر سنبھالنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔‘‘

’’پھر میں بخوشی کچھ دن اور رہوں گی۔‘‘

’’کچھ دن نہیں رومیلہ بہن، بھاگ بھری کی شادی ہونے والی ہے، اس کے بعد جانا۔‘‘ شاداں کے کہنے پر وہ بھاگ بھری کی طرف دیکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

’’اچھا کب ہے اس کی شادی؟‘‘

’’بس آج کل میں تاریخ پڑنے والی ہے۔‘‘

’’اچھا۔ اگر کوئی قریب کی تاریخ پڑ گئی تو پھر ضرور شرکت کروں گی اور سنو، بخت کو بھی تو سمجھاؤ کہ اب اپنے آپ کو سنبھالے۔ شکل دیکھی ہے اس کی، ایسے لگ رہا ہے جیسے برسوں کی مریض ہو۔‘‘

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں رومیلہ' تم میری فکر میں مت دبلی ہوتی رہو۔ بس ذرا سی کمزوری ہے۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''ہاں۔ میں بھی یہ ہی چاہتی ہوں کہ دو دن میں تم چلتی پھرتی بلکہ بھاگتی دوڑتی نظر آؤ۔''

''تمہاری موجودگی میں بھلا میری مجال ہے کہ میں مزید بستر پہ پڑی رہوں۔''

''دیکھی میری دہشت۔'' وہ لڑکیوں کی طرف منہ کر کے کچھ اس انداز سے بولی کہ سب بے ساختہ ہنس پڑیں۔

پھر گھر والوں کی محبت اور توجہ کے ساتھ ساتھ رومیلہ کا خلوص بھی شامل تھا کہ ہفتے بھر بعد ہی بخت آور بہت بہتر ہو گئی۔ پہلے پہل جو چوہدری صاحب کے نام پر اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگتی تھیں' اب ایسا نہیں تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے رومیلہ کی باتوں کے جواب دینے لگی۔ رومیلہ خوش تھی کہ وہ صحت یاب ہونے کے ساتھ ساتھ اس حصار سے بھی نکل آئی تھی۔ جس میں چوہدری صاحب نے اسے قید کر دیا تھا۔

اس روز وہ رومیلہ کے ساتھ مل کر پچھلے آنگن کی صفائی کر رہی تھی کہ ندا آ گئی۔ اسے دیکھ کر بخت نے ہاتھ میں پکڑی جھاڑو وہیں رکھ دی اور اسے لیے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

''کیسی ہو ندا؟۔''

''ٹھیک ہوں' اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟۔''

''پہلے سے کافی بہتر ہوں۔'' وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی کہنے لگی۔ ''مجھے افسوس ہے ندا کی میری وجہ سے تمہارے بابا جان۔''

''نہیں بخت' ہم ایسا نہیں سمجھتے۔'' وہ درمیان میں بول پڑی۔ ''اور پلیز آپ بھی اپنے آپ کو قصوروار مت سمجھیے۔''

''یہ تم لوگوں کی اعلیٰ ظرفی ہے ندا کہ مجھے بڑی الذمہ قرار دے رہے ہو۔''

''میں نے کہا نا آپ اپنے دل اور دماغ پر بوجھ مت ڈالیے۔ خدا کو شاید یہی منظور تھا۔''

بخت کچھ دیر تک چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی پھر موضوع بدلنے کی خاطر پوچھنے لگی۔

''چائے پیو گی یا۔''

''نہیں آپ یہ سب رہنے دیں اور آرام سے بیٹھ کر میری بات سنیں۔'' بخت سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''مجھے یہاں فیصل بھائی نے بھیجا ہے۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگی۔ ''یہ کاغذات ہیں چھوٹی حویلی اور اس زمین کے جو بابا جان کی جائیداد میں سے آپ کے حصے میں آئی ہیں۔''

''ندا۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟۔ میں اپنے آپ کو ان کا حقدار نہیں سمجھتی۔''

''آپ کے نہ سمجھنے سے کیا ہوگا۔ یہ بہرحال آپ کا حق ہے۔ آپ اسے قبول کریں۔ یہ تلافی تو نہیں ہے' ان زیادتیوں کی جو بابا جان نے آپ پر کیں۔ پھر بھی آپ اسے قبول کریں اور ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ اپنے جنون میں بابا جان نے جو کچھ کیا آپ انہیں معاف کر دیں۔''

''ندا۔ تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔''

''نہیں شرمندہ تو ہم آپ سے ہیں۔ اور اگر آپ نے یہ قبول نہ کیا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ نے ہمیں اور بابا جان کو معاف نہیں کیا۔''

وہ کچھ دیر تک سر جھکائے جانے کیا سوچتی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ ''میں ابا جی کو بلا لاتی ہوں۔ تم ان سے بات کر لو۔ وہ جیسا کہیں گے' میں ویسا ہی کروں گی۔'' اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ ابا جی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تو ندا انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم۔''

''جیتی رہو پتر۔'' ابا جی اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے شفقت سے بولے او ا ـــ
بٹھانے کے بعد خود بھی بیٹھ گئے۔ وہ فوراً ہی اپنے آنے کا مدعا بیان کرنے لگی۔ ابا جی بغور اس کی بات سننے کے بعد کہنے لگے۔

''پتر' تم لوگ اگر بخت آور کو زمین اور حویلی کا حقدار سمجھ کر حق دے رہے ہو تو یہ تم لوگوں کی بڑائی ہے لیکن میری دھی بخوشی اپنے اس حق سے دستبردار ہوتی ہے۔ اس لیے پتر کہ ہم چھوٹے لوگ ہیں اپنے آپ کو زمینوں اور حویلی کا اہل نہیں سمجھتے۔''

''نہیں چاچا جی' یہ چھوٹائی اور بڑائی تو سب انسانوں کی پیدا کردہ ہیں۔ خدا کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ بہرحال میں اس بحث میں پڑوں گی تو بات بہت طویل ہو جائے گی لہٰذا میں آپ سے گذارش کرتی ہوں کہ ہماری خوشی کی خاطر اسے قبول کر لیں۔''

''لیکن پتر۔''

''چاچا جی۔'' میں بھی آپ کی بیٹی کی طرح ہوں۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''بے شک تو بھی میری دھی ہے۔''

''پھر میرا مان رکھ لیجئے۔'' وہ معصوم لڑکی اتنی انکساری سے بولی کہ ابا جی بخت کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔ تب بخت نے چپ چاپ اس کے ہاتھ سے کاغذات لے لیے۔

''ندا۔ تمہاری محبت اور خلوص مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔''

''اور میں ہمیشہ آپ کو یاد کروں گی۔'' ندا نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اسی وقت رومیلہ چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لیے آ گئی۔

''ارے آپ نے تو اتنا تکلف کر ڈالا۔''

''اب پلیز تم تکلف مت کرنا۔ میں جب تک چائے بناتی ہوئی تم بسم اللہ کرو۔'' رومیلہ پلیٹ اس کے آگے رکھتی ہوئی خوشدلی سے بولی۔

پھر چائے کے دوران تینوں ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔ جب رومیلہ خالی برتن لے کر

کمرے سے چلی گئی۔ تب ندا' اپنے بیگ میں سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''یہ فیصل بھائی نے آپ کے لیے دیا ہے۔''

''اس میں کیا ہے؟۔''

''پتا نہیں خود ہی دیکھ لیجئے گا لیکن میرے جانے کے بعد۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔'' اب مجھے اجازت دیجیے۔''

''پھر ملو گی ناں؟۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ ضرور ملوں گی۔ اچھا خدا حافظ۔'' وہ بخت سے ہاتھ ملا کر اس کے کمرے سے نکل گئی تو بخت جلدی سے لفافہ کھول کر دیکھنے لگی۔

خاتون بخت آور!

ہم ایک بار پھر آپ کو قید کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ اس قید تنہائی سے یکسر مختلف ہو گی کہ اس میں میرے دوست قیس کی محبتوں کے ساتھ اس کے ابی جان کی شفقتیں بھی آپ کے ہمراہ ہوں گی۔ کہیے منظور ہے؟۔ اُس مکان کو جیسے آپ کے وجود کی مہک نے گھر ہونے کا شرف بخشا ہے تو میری التجا ہے کہ اسے اپنے وجود سے رونق بھی بخش دیجئے۔

آج شام وہ دیوانہ قیس اسی پنگھٹ پہ آپ کو اپنا منتظر ملے گا۔

خدارا آ کر اس دیوانے کو یقین دلا دیجیے گا کہ اب ہجر کے موسم بیت گئے۔

آپ کا مخلص

ملک فیصل

چپ چاپ کئی آنسو پلکوں کا بند توڑ کر اس کاغذ کے ٹکڑے پر آ گرے۔

''ندا چلی گئی کیا؟۔'' رومیلہ تولیے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی اندر آ گئی۔ پھر اس پر نظر پڑتے

ہی ٹھٹک کر رک گئی۔

''بخت' تمہیں کیا ہوا ہے؟ رو رہی ہو کیا؟۔''

''وہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ ملک فیصل کا خط اس کی طرف بڑھا دیا جسے پڑھ کر رومیلہ اچھل پڑی۔

''یار تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟۔''

''رومیلہ۔ تم پھر اپنا فلسفہ شروع کر دو گی''۔

''بکومت۔ ایک لفظ بھی بولیں تو اس وقت سچ مچ تمہارا گلا دبا دوں گی۔'' رومیلہ کو سچ مچ غصے میں آتا دیکھ کر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

''شاباش۔ یوں ہی ہنستی ہوئی اٹھو اور شام کی تیاری شروع کر دو۔''

''نہیں رومیلہ۔ میں اب اس راہ پر قدم نہیں رکھنا چاہتی۔''

''کیوں؟۔''

''مجھے اچھا نہیں لگتا اور کیا کہیں گے سب لوگ کہ۔''

''کوئی کچھ نہیں کہے گا جب ملک فیصل خود تمہیں اس راہ پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے تو کہنے والوں کو بھی وہ خود ہی سنبھال لے گا۔''

''پھر بھی رومیلہ' اماں اور ابا جی کو کون سمجھائے گا؟۔''

''میں اور سیف۔''

''سیف؟۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں سیف کو تمام باتیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔''

''کیا۔!'' وہ مزید حیران ہوئی۔

''پھر کیا کہا اس نے؟۔''

''کیا کہتا' تمہاری بیوقوفی پر ماتم کرتا رہا۔ خیر اس بات کو چھوڑو اب جلدی سے اٹھ کر نہا لو۔''

''نہیں مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''نہانے سے؟۔''

''نہیں اس دیوانے کے پاس جانے سے۔''

''وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا' اس بات کی گارنٹی میں دیتی ہوں اور دیکھو بخت اب اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوتی ہوئی اسے سمجھانے لگی۔'' تمہارے سامنے لمبی زندگی پڑی ہے۔ یوں ڈر ڈر کر گزارو گی تو ہر پل دشوار ہو جائے گا۔ ویسے بھی ایک تلخ تجربے کے بعد تمہیں سنبھل جانا چاہیے۔''

''اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟۔''

''فی الحال صرف اتنا کہ نہا کر فریش ہو جاؤ اور شام میں اس کے پاس جا کر واقعی اسے یہ یقین بخش دو کہ ہجر کے موسم بیت گئے۔''

''کیا وہ میرا یقین کر لے گا؟۔''

''کیوں نہیں کرے گا' وہ تو خود تم سے ملنے کو بے چین ہے۔''

''تم سے کس نے کہا؟۔''

''خود اس نے۔''

''کب؟۔''

''جب میں ندا کے پاس حویلی گئی تھی' وہاں اس سے ملاقات ہوئی تھی وہ تو اسی وقت میرے ساتھ آ رہا تھا لیکن میں نے منع کر دیا۔''

''تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔''

''اس وقت تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے میں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ بہر حال یہ ساری باتیں بعد میں پوچھ لینا۔ اس وقت تم جا کر اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔'' بخت کچھ دیر تک چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کے ہاتھ سے تولیہ لے کر کمرے سے نکل گئی۔

رومیلہ کچھ دیر تک وہیں کھڑی رہ کر جانے کیا کچھ سوچتی رہی۔ پھر اطمینان بھرا طویل

سانس لیتی ہوئی گرنے کے سے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''بخت۔'' اسے بیٹھے کچھ دیر ہوئی تھی کہ سیف بخت کو پکارتا ہوا اندر چلا آیا۔

''بخت یہاں نہیں ہے۔''

''پھر کہاں ہے؟۔''

''وہ نہانے گئی ہے۔''

''اچھا تو پھر میں تمہارے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔''

''خیریت؟۔''

''خیریت کہاں یار۔'' وہ مسکین صورت بناتا ہوا بولا۔

''کیوں کیا ہوا؟۔''

''ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے تمہیں دیکھنے کو ترس جاتا ہوں۔''

''ہیں۔تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟۔''

''تم تو یہی کہو گی' یہ بتاؤ کہ جب سے آئی ہو کتنی مرتبہ مجھ سے بات کی ہے؟۔''

''میں تم سے بات کرنے نہیں آئی؟۔''

''پھر؟۔''

''میں صرف بخت کے لیے آئی ہوں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اسے یقین ہی نہیں آتا کہ میں صرف اس کی خاطر بھاگی چلی آئی ہوں۔''

''یقین کرنے کی بات ہو تو وہ یقین کرے۔''

''کیا مطلب؟۔''

''ایمانداری سے کہو تو ہماری بات میں کتنی صداقت ہے۔''

''پچاس فیصد۔'' وہ ہنس پڑا۔

''بڑے بے ایمان ہو تم دونوں بہن بھائی۔'' اس کے ہنسنے پر وہ کہنے لگی۔

''سوچ لو اب ان بے ایمانوں کے ساتھ ہی تمہیں گزارا کرنا ہے۔''

''کوئی مشکل نہیں ہے' تمہارے ساتھ رہ کر میں بھی بے ایمانی سیکھ جاؤں گی۔'' وہ ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''جا کہاں رہے ہو؟۔''

''کہیں نہیں' بس اس کمرے سے باہر جا رہا ہوں۔اگر کسی نے یوں اکیلے مجھے تمہارے پاس کھڑے دیکھ لیا تو۔'' وہ خاموش ہو کر سر کھجانے لگا۔

''تو کیا ہوگا؟۔''

''ہوگا تو کچھ نہیں لیکن اماں مجھے ملامت کریں گی۔''

''چلو۔۔میں بھی دیکھ لوں گی کہ جب اماں تمہیں ملامت کرتی ہیں تو تمہاری شکل کیسی لگتی ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے مجھے یہاں بیٹھ جانا چاہیے۔''

''دل چاہے بیٹھ جاؤ ورنہ چلے جاؤ۔'' وہ کندھے اچکاتی ہوئی لاپروائی کا مظاہرہ کرنے لگی۔

''چلو۔تم کہتی ہو تو میں بیٹھ جاتا ہوں۔'' وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''دل اپنا چاہ رہا ہے اور الزام مجھے دے رہے ہو۔''

اصل میں' میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوتا ہوا کہنے لگا۔

''کہو۔میں سن رہی ہوں۔''

''پتا ہے میں نے اماں سے بات کی ہے تمہارے لیے لیکن وہ بالکل راضی نہیں ہوئیں۔''

وہ ایک دم اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیوں؟۔''

''وہ کہتی ہیں کہ وہ گاؤں ہی کی کسی لڑکی سے میری شادی کریں گی۔''

''تم نے کیا کہا؟۔''

"میں کیا کہتا۔ خاموش ہوگیا۔" ذرا توقف کے بعد کہنے لگا۔ "اب دیکھو ناں' میں ماں کو ناراض تو نہیں کرسکتا ناں۔" اپنے تئیں وہ بالکل سنجیدہ کھڑا تھا لیکن آنکھوں میں چھپی شرارت وہ صاف دیکھ گئی۔ اس لیے خود بھی اسی کا انداز اپناتی ہوئی کہنے لگی۔

"اچھا ہوا سیف' تم نے خود ہی بات چھیڑ دی۔ میں بھی تمہیں بتانے والی تھی۔ لیکن میری ہمت نہیں ہو رہی تھی۔"

"کیا مطلب' تم کیا بتانے والی تھیں۔"

"یہی کہ میں نے ڈیڈی سے تمہارا ذکر کیا تھا۔ انہوں نے بھی صاف منع کر دیا۔"

"کیا کہتے ہیں وہ؟" وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگا۔

"بس اتنا کہا ہے کہ تمہاری شادی میں اپنی مرضی سے کروں گا۔"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"فوری طور پر تو میں نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن میں سوچ رہی تھی کہ بعد میں نہ صرف ان سے بات کروں گی بلکہ انہیں راضی کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"پھر کب بات کرو گی ان سے؟" لہجے کی بے تابی چھپائے نہ چھپی۔

"اب کیا فائدہ جب تمہاری اماں ہی راضی نہیں ہیں۔"

"اماں کو تو میں راضی کر لوں گا۔"

"کیسے؟"

"کسی بھی طرح؟"

"نہیں سیف' میری وجہ سے تم انہیں ناراض مت کرو۔"

"وہ ناراض کیوں ہوں گی۔ ان کا بس نہیں چل رہا کہ کل کے بجائے آج ہی تمہیں بہو بنا کر لے آئیں۔"

"لیکن ابھی تو تم کہہ رہے تھے۔"

"میں سراسر بکواس کر رہا تھا' تم یہ بتاؤ' تمہارے ڈیڈی کیسے مانیں گے؟"

"جیسے تمہاری اماں مانی ہیں ایسے۔"

"کیا مطلب؟" جواب میں اس کی شریر ہنسی پل میں اسے سارا معاملہ سمجھا گئی تو وہ اتنی آسانی سے اپنے بیوقوف بن جانے پر خجل سا ہو کر کمرے سے نکل آیا۔

جس وقت بخت نہا کر کمرے میں واپس آئی' رومیلہ پلکیں موندے تکیے پر نیم دراز تھی۔ بند پلکوں کے پیچھے سنہرے سجیلے خوابوں نے سج کر اس کے ہونٹوں کو بڑی خوبصورت مسکراہٹ بخش دی تھی۔ بخت بنا آہٹ کے اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلے قوس و قزاح کے رنگ اسے بہت کچھ یاد دلا گئے۔ بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ اور اب تو کل ہی کی بات لگ رہی تھی جب ہوسٹل کے کمرے میں وہ بھی اسی طرح سجیلے خواب سجائے بیٹھی تھی۔ کہ رومیلہ نے اچانک آ کر بڑے یقین سے اس سے پوچھا تھا۔ "سنو میری غیر موجودگی میں یہاں کون آیا تھا؟" اور جواب میں اس کے ہونٹوں نے بڑے پیار سے ایک نام کو چھوا تھا۔

"قیس' قیس۔" اب بھی دل اچانک اسی نام کی صدائیں دینے لگا تو وہ گھبرا کر رومیلہ کے اوپر جھکتی ہوئی اسی کے انداز میں پوچھنے لگی۔

"سنو میری غیر موجوگی میں یہاں کون آیا تھا؟" رومیلہ نے چونک کر پلکوں کے در وا کر دیے۔ آنکھوں میں اترے گلابی ڈوروں نے اسے انوکھا روپ بخش دیا تھا۔

"بتاؤ ناں کون آیا تھا؟"

"بتائے بنا ہی جان جاؤ۔"

"گویا سیف آیا تھا۔"

"ہاں آیا تو تھا۔" اس نے لاپرواہی کا لبادہ اوڑھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ہونٹوں پر مچلتی شرمگیں مسکراہٹ اسے مات دے گئی۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"کچھ نہیں تمہیں تلاش کرتا ہوا آیا تھا۔"

"تو مجھے نہ پا کر یوں ہی واپس تو نہیں چلا گیا ہوگا۔"

''تم مجھ سے کیا اگلوانا چاہتی ہو؟''

''وہی جو تم نے مجھ سے اگلوا لیا تھا۔''

''بڑی استاد ہو گئی ہو۔''

''تمہاری صحبت کا اثر ہے۔''

''ہاں' سارے الزام میرے سر رکھ دو' تم دونوں بہن بھائی تو بڑے معصوم ہو۔''

''اس میں کیا شک ہے بھلا۔'' وہ چھیڑنے کے انداز میں شرارت سے بولی تو رومیلہ نے بڑے مزے لے لے کر اپنے اور سیف کے درمیان ہونے والی گفتگو اسے سنائی۔ پھر بہت دیر تک دونوں ہنستی رہیں۔

''رومیلہ اب ہم بہت جلد تمہارے ڈیڈی کے پاس جانا چاہتے ہیں۔''

''پہلے تمہارا معاملہ نمٹ جائے اس کے بعد۔ ویسے تمہارا معاملہ تو آج نمٹ ہی جائے گا۔''

''کیا پتا؟''

''کیا مطلب؟'' رومیلہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

''کون جانے وہ بندھن باندھنے آ رہا ہے یا ہمیشہ کے لیے توڑنے۔''

''یعنی تمہارے اندر ایسا کوئی خوف بھی ہے کہ وہ تم سے ناتا توڑے گا۔''

''میرا خیال ہے مجھے ہر بات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' رومیلہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

''تم اس کی محبتوں پہ شک کر کے اچھا نہیں کر رہیں۔ بخت'' ''تم کیا جانو تمہارے بنا یہ روز و شب اس نے کیسے گزارے ہیں۔ بخدا' اگر تمہیں ذرا بھی اندازہ ہو جاتا کہ تمہارے بنا' وہ کیسے رہا ہے تو تم اپنے آپ ساری زنجیریں توڑ کر اس کے پاس چلی آتیں۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ بہت خاموشی سے چارپائی پر بیٹھتی ہوئی بالوں میں برش کرنے لگی۔ رومیلہ نے دیکھا کہ غیر ارادی طور پر اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ اور چہرے کی رنگت سرخی

مائل ہو گئی تھی۔ اس نے مزید کچھ کہہ کر اس کے جذبات کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تو سر کے نیچے تکیہ ٹھیک کرتی ہوئی کہنے لگی۔

''میں کچھ دیر کے لیے سو رہی ہوں' گھنٹے دو گھنٹے بعد مجھے اٹھا لینا۔''

''یہ سونے کا کون سا وقت ہے بھلا؟''

''وقت تو نہیں ہے پھر بھی سو لینے میں کیا حرج ہے بھلا؟'' پھر ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔ کوئی کام بھی تو نہیں ہے۔ کچن میں گئی تو بھر جائی زینت نے یہ کہہ کر نکال دیا کہ میں کر لوں گی تم اندر جاؤ۔ میں اندر آ گئی۔''

''رومیلہ' تم بولتی بہت ہو۔'' اس کی اتنی لمبی وضاحت سن کر وہ کہنے لگی۔

''اچھا بھئی اب نہیں بولوں گی۔'' اس نے چادر کھینچ کر سر تک اوڑھ لی۔



شام میں وہ اماں سے کہہ کر رومیلہ کے ساتھ گھر سے باہر نکل آئی۔ وہ خوفزدہ تو نہیں تھی کہ کسی نے دیکھ لیا تو جان سے ہی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کیونکہ ایک پل صراط سے گزرنے کے بعد اس کے دل میں یہ یقین پیدا ہو گیا تھا کہ بھاگ بھری اور شاداں کی طرح سارا گاؤں اس کی بھی سرپرست بن جائے گا۔ ہاں ایک حجاب ضرور مانع تھا۔ جس کی بناء پر وہ رک رک کر قدم اٹھا رہی تھی۔

گھر کے سامنے سے گزرتی کچی سڑک ختم ہو گئی۔ تو وہ موڑ مڑنے سے پہلے رومیلہ کی طرف دیکھنے لگی۔ رومیلہ نے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف مڑ گئی۔ ابھی کچھ ہی دور چلی تھیں کہ اس کی ساری ہمجولیاں جانے کس طرف سے نکل کر اس کے سامنے آ گئیں۔ وہ پھر گھبرا کر رومیلہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''ڈرو مت ہم سب تمہیں پنگھٹ پر چھوڑ کر واپس آ جائیں گے۔'' رومیلہ اس کا ہاتھ دباتی ہوئی حوصلہ دینے کے انداز میں بولی تو وہ ایک ایک کی شکل دیکھنے لگی۔

''یوں کیا دیکھ رہی ہو بخت آور ہم سب تمہارے راز میں شریک ہیں۔ کملی اگر پہلے ہمیں

بتا دیتی تو ہم اس وقت بھی تمہارا ساتھ دیتے۔'' بھاگ بھری نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ طویل سانس لیتی ہوئی ان سب کے ساتھ چل پڑی۔

وہ سب اسے کنوئیں کے پاس چھوڑ کر گنے کے کھیت میں کھڑی فصل کے اندر کہیں غائب ہو گئیں تو اس نے گھبرا کر اپنے آس پاس دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف جیسے اچانک خاموشی چھا گئی تھی۔ سینے کے اندر دھڑکتا دل اس کا وجود ہلائے دے رہا تھا۔ وہ بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گئی۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اسے بیٹھے ہوئے کہ اسے اپنے آس پاس مانوس آہٹیں سنائی دینے لگیں۔ وہ سر اونچا کر کے ہر طرف دیکھنا چاہتی تھی لیکن ہزار کوشش کے باوجود ایسا نہ کر پائی۔

''کیا آپ مجھے پانی پلائیں گی؟'' اس نے ایک ہی جملے میں درمیان کے سارے فاصلے سمیٹ لیے۔ آواز اس کے پیچھے سے آئی تھی۔ اس لیے وہ گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔ اس پر نظر پڑتے ہی اسے احساس ہوا کہ گئے دنوں کی اذیتیں صرف اسی کا مقدر نہ تھیں بلکہ وہ بھی برابر کا شریک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہرے نارسائیوں کے کرب وہ صاف طور دیکھ رہی تھی۔

''بخت آور۔'' وہ چکر کاٹ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''بخت تمہاری یہاں موجودگی نے مجھے یہ یقین بخش دیا ہے کہ اب واقعی ہجر کے موسم بیت گئے ہیں۔ ہیں ناں؟''

وہ کچھ نہیں بولی، چپ چاپ سر جھکا کر اپنی چادر کے کونے کو انگلی پر لپیٹنے اور کھولنے لگی۔

''بخت۔'' وہ اس کے برابر بیٹھتا ہوا کہنے لگا۔ ''میرا بہت دل چاہتا تھا کہ میں اس منڈیر پر بیٹھ کر تمہیں سوچوں لیکن تم نے مجھے یہاں آنے سے منع کر دیا تھا ناں اس لیے میں باوجود خواہش کے یہاں نہیں آیا۔''

''قیس ان دنوں کی باتیں مت دہراؤ، مجھے دکھ ہوتا ہے۔''

''ہاں بخت، ہم کتاب زندگی سے ان دنوں کے اوراق پھاڑ ڈالیں گے۔ بس یوں سمجھ لو

اس دن سے جب پہلی بار تم نے اپنی گاگر سے میری پیاس بجھائی تھی۔ تب سے اب تک ہم یہیں بیٹھے ہیں اور یہاں سے ہم اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔'' کچھ دیر رک کر وہ کہنے لگا۔

''اور اس آغاز میں، میں چاہوں گا کہ تم میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دو۔'' اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تو بخت نے کچھ جھجکتے کچھ شرماتے اپنا نرم و نازک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا جسے اس نے مضبوطی سے تھام لیا۔

اسی وقت کھڑی فصل کے اندر زوردار تالیوں کے ساتھ ان سب لڑکیوں کی آواز گونجنے لگی۔

''گوری تم وہ دن یاد کرو۔'' بخت سمجھ گئی کہ یہ رومیلہ کی شرارت ہے۔ وہ قیس پر سے نظریں ہٹا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ انجانے میں اس کے چہرے پر بڑے خوبصورت رنگ پھیل گئے تھے اور قیس کے ہاتھ میں دبا اس کا ہاتھ تجدید عہد کے طور پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔ قیس نے اس کی طرف جھکتے ہوئے اس کا سندر روپ اپنی نگاہوں میں امر کرنا چاہا تو وہ بری طرح لجا گئی۔ اس کی حالت سے بے خبر سب لڑکیاں مسلسل اسی مصرعے کی تکرار کر رہی تھیں۔

''گوری تم وہ دن یاد کرو۔''

''یاد ہے؟'' وہ اس کا ہاتھ دبائے ہوئے سرگوشی میں پوچھ رہا تھا اور جواب میں اس کے ہونٹوں سے چھو کر ساری فضا میں یہاں سے وہاں تک ایک ہی لفظ کی صدا تھی۔ ''ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔''

اختتام